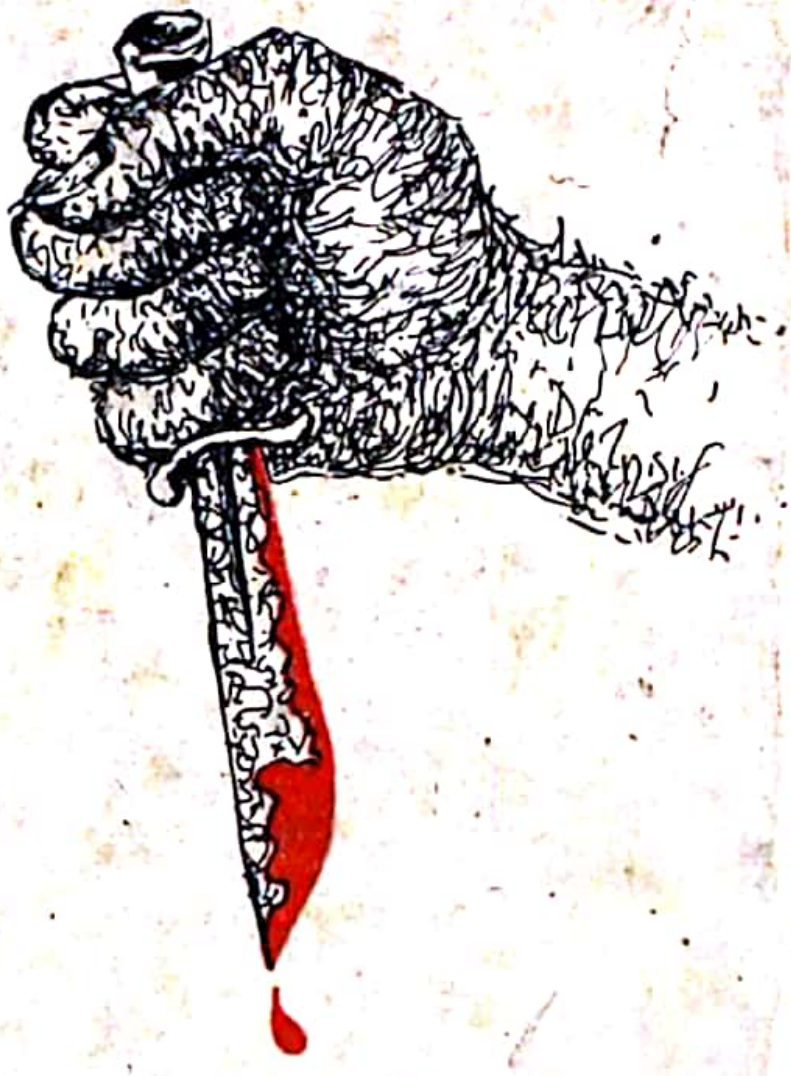

خون پھر خون ہے

کشمیری لال ذاکر

خیابان پبلی کیشنز، بمبئی ۴۰۰۰۰۹

Scanned by CamScanner

خون پھر خون ہے

کشمیری لال ذاکر

خیابان پبلی کیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۵۲۳۹
بمبئی ۴۰۰۰۰۹

Scanned by CamScanner

© کشمیری لال ذاکر

بار اوّل سنہ ۱۹۷۹ء

خوشنویسی ریاض الدین غوثی

ناشر: خیابان پبلی کیشنز
۱۰۵۔ نشان پاڑہ روڈ، دوسرا منزلہ، پوسٹ بکس نمبر ۵۲۳۹
بمبئی ۴۰۰۰۰۹

تاریخ اشاعت ستمبر سنہ ۱۹۷۹ء

قیمت پندرہ روپے (۱۵/- روپے)

طابع: اجمل پریس، پرنسس بلڈنگ، نزد جے جے ہسپتال، بمبئی ۴۰۰۰۰۳

Scanned by CamScanner

اردو ناول نگاری ایسی صنفِ ادب ہے جو سماج اور معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں سے براہِ راست رابطہ رکھتی ہے۔ ہر دور میں ناول کا موضوع، اسلوب اور فن اس دور کے حیاتی کشمکش سے وابستہ رہا ہے۔ چونکہ ناول نگار قدرتی طور پر حساس طبیعت واقع ہوا ہے۔ اس لئے وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یہی ناول یا افسانہ نگاری کا پس منظر ہوتا ہے۔

فن ناول نگاری مغربی ممالک میں جس معیار پر پہنچ چکا ہے۔ ہمارے یہاں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں ناول نگاری کی بنیاد مغربی طرز عمل پر رکھی گئی ہے۔ بلکہ ہمارے اپنے سماجی و معاشرتی حالات کی عکاسی کے لئے اسے رائج کیا گیا ہے۔ لیکن اب کیا کیا جائے کہ ہمارے ناول نگار اپنی قائم کی ہوئی روش سے ہٹ کر مغربی طرز تحریر کا سہارا لے رہے ہیں۔

ناولیں عموماً دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں صرف تفریح طبع کے لئے فرضی قصے اور کہانیوں کو لکھا جاتا ہے۔ دوسری وہ جس میں سیاسی ہلچل، معاشی حالات اور سماجی پس منظر کو پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً ناول نگار وہی ہے جو سماج کی تبدیلیوں معاشی کشمکش پھیلی ہوئی لاقانونیت کو نہایت ہی سنجیدہ اور سیدھی سادی زبان میں پیش کرے۔

Scanned by CamScanner

کشمیری لال ذاکر ناول کی دنیا میں جانا پہچانا اور پرانا نام ہے۔ ان کی تحریر میں عموماً رومانی۔ جاسوسی سنسنی خیز اور تحیر آمیز ہونے کے باوجود سنجیدگی و متانت کے ساتھ ساتھ تاریخی بھی ہوتی ہیں۔ یہی ایک ادیب ناول نگار کا کارنامہ ہے کہ وہ ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ زندگی کے اُن نشیب و فراز کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ جس سے سماج بے خبر ہوتا ہے۔

زیرِ نظر ناول میں مُلک کی اُس دور کی تاریخ کو قلمبند کیا گیا ہے۔ جب تہذیب و تمدّن کا قافلہ سیاسی و معاشی اور آزادیٔ اظہار رائے کی جان لیوا رہ گذر پر چل رہا تھا۔ اُس پُرہول ماحول میں جہاں مایوسی کے بادلوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شخصی زندگی دم توڑ رہی تھی۔ خود غرض، نفس پرست، انسانیت دشمن عناصر جنم لے رہے تھے۔ اس کا ایک تاریخی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس ناول کے مطالعہ کے بعد اپنی گرانقدر رائے سے ادارے کو نوازیں گے۔

Scanned by CamScanner

پہلی رات جب وہ مجھے بیاہ کر شاہجہاں آباد کے ترکمان گیٹ کے اندر ایک تنگ سی گلی کے ایک پرانے تنگ سے مکان میں لایا تو سب سے پہلے جس نے میرا استقبال کیا وہ اُس کی چھوٹی بہن نرگس تھی۔ جس کی آنکھیں بے حد خوب صورت تھیں۔ اور جس کے بال بے حد کالے اور لمبے تھے۔ نرگس نے میری طرف یوں دیکھا جیسے کوئی عاشق کبھی محبوب کو دیکھتا ہے۔ مجھے اپنے بھائی کے لئے پسند کرنے والے لوگوں میں سے ایک نرگس بھی تھی۔ اُس نے پہلی ملاقات میں بھی، جب وہ مجھے دیکھنے آئی تھی، مجھے ویسی ہی عاشقانہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"اِس لڑکی کی آنکھیں تو بالکل عاشقوں جیسی ہیں نا" نزہت نے میرے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔ نرگس نے جیسے سُن لیا تھا۔

"میرے بھائی کی آنکھیں بھی ایسی ہی ہیں"۔

نرگس کے اِس جواب پر ایک بھرپور قہقہہ اُبھرا تھا۔ اور میں اُس نغمے کی بوچھار میں بُری طرح بھیگ گئی تھی۔ میرا انگ انگ شرابور ہو گیا تھا۔

اور اُس پہلی رات، کو جب انجم نے مجھے پیار سے دیکھا تو میں جھینپ گئی۔ اُس طرح جیسے کوئی الھڑ دوشیزہ اپنے چاہنے والوں کی پہلی پیار بھری نگاہوں سے جھینپتی ہے حالاں کہ اُس کے دل میں تمناؤں اور جذبات کا ایک ساگر ہلکورے لے رہا ہوتا ہے۔ میں پھولوں سے سجی مسہری پر اپنا چہرہ گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی۔ اور میری گوری اُنگلیوں پر سجی مہندی کا رنگ بجلی کی روشنی میں اور بھی کھل رہا تھا۔

"چہرہ تو اوپر اُٹھایئے گا ذرا"۔ اُس نے بڑے نرم لہجے میں کہا تھا۔ میرا چہرہ اور بھی جھک گیا

"پورا چاند طلوع ہونے سے پہلے شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔"

میں نے اُس کے الفاظ سُنے تھے اور مجھے لگا تھا جیسے شہزادہ سلیم نے مہرالنساء کو بھی ایسے ہی لہجے میں کچھ کہا ہوگا جب اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا دوسرا کبوتر اڑاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"بس ایسے۔"

لیکن میں مہرالنسا نہیں تھی کہ کوئی جواب دے سکتی۔ میں تو بیسویں صدی کی ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ جو ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور کسی شہزادے کے گھر میں نہیں بلکہ ایک معمولی خاندان میں آئی تھی۔ اور جس کا چاہنے والا بھی کوئی شہزادہ نہیں تھا بلکہ ایک پڑھا لکھا معمولی نوجوان تھا۔ جو ایک کالج میں لکچرار تھا۔ بیسویں صدی کی قدروں میں پروان چڑھے دو معمولی انسان اپنے اُس تمام پس منظر کو کیسے بھول سکتے تھے جس نے اُن کی زندگیوں کو تشکیل دی تھی۔

"مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ آپ کو شعر و شاعری سے پیار ہے۔"

میں اُس کی اس بات کا بھی مثبت میں جواب نہ دے سکی۔ حالانکہ میں نے اُس کا جواب دینے میں کبھی تاخیر نہ برتی تھی۔ میرا چہرہ اور نیچے جھک گیا۔

"چلئے تو ہم آپ کو شعر سناتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ میرے قریب مسہری پر بیٹھ گیا۔ مجھے لگا میرا دل اتنی تیزی سے دھڑکا تھا جیسے باہر نکل آنا چاہتا ہو۔

جون کے مہینے میں ایک چھوٹے سے کمرے میں کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف چھت کے پنکھے کی آواز تھی۔ جسے شاید گریس نہیں دی گئی تھی۔

مجھے پنکھوں کی آواز سے بڑی چڑ ہے۔ جو پنکھے ہوا کم دیں اور آواز زیادہ۔ وہ بڑی اذیت پہونچاتے ہیں۔ راحت تو اُن سے کیا خاک ملتی ہے۔ میرے بی ماروں کے اس گھر میں جسے میں آج چھوڑ کر آئی تھی ایک ایسا ہی پنکھا تھا۔ اور وہ بھی ایسی ہی آواز دیتا تھا۔ میں نے اُسے اُتروا کر ابا کے کمرے میں لگوا دیا تھا کیوں کہ ابا کے خراٹوں میں پنکھے کی آواز کا کچھ بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ جو شخص اکثر وقت میرے قریب مسہری پر بیٹھا ہے۔ کہیں ابا کی طرح زور زور کے خراٹے تو نہیں لیتا۔ ورنہ تو میں اُس کے کمرے میں نہیں سو سکوں گی۔ چھت کے پنکھے کی آواز، اُس کے خراٹے اور جون کی گرمی۔

Scanned by CamScanner

اللہ! اگر یہی میری زندگی کی پہلی حسین رات ہے تو اس رات کی سحر کیسی ہوگی؟

میں اس طرح کی انگنت باتیں سوچ رہی تھی کہ اچانک اُس کا ہاتھ گھٹنوں میں چھپے میرے چہرے کی طرف بڑھا۔ اُس کے ہاتھ کی اُنگلیاں میری ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔ میرے سارے جسم میں تھرتھری سی پھیل گئی۔ اور جانے کیسے میرا چہرہ ذرا سا اوپر اُٹھ گیا۔ اُس نے ایک شعر پڑھا۔

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

یہ شعر کا جادو تھا یا اُس کی آواز کا تاثر یا میرے اپنے جذبات کا ردِّ عمل، میری نگاہیں اُس کی طرف اُٹھیں اور پھر پل بھر میں اُس نے مجھے اپنی آغوش میں بھر لیا۔ اور گھٹنوں میں جھکے رہنے کے کارن پسینے سے بھیگا ہوا میرا چہرہ پورے چاند کی طرح طلوع ہو گیا۔

"میرا نام تو آپ کو معلوم ہے؟" اُس نے محض شرارت سے پوچھا۔

میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔ صرف شرارت کا جواب شرارت میں دینے کے لئے۔

"خاکسار کو ارشد انجم کہتے ہیں۔ انجم میرا تخلص ہے۔ انجم کا مطلب سمجھتی ہیں آپ؟"

اُس نے پھر انکار میں سر ہلا دیا۔

"انجم ستاروں کو کہتے ہیں۔"

"اور ماہتاب"؟ جی چاہا کہ میں بھی فوراً ہی سوال کروں لیکن اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ اور خاموش رہی۔

"آپ کا نام ساحرہ ہے نا؟"

میں نے اس بار بھی انکار میں ہی سر ہلایا۔

"ساحرہ کا مطلب سمجھتی ہیں آپ؟"

میرا جواب انکار میں تھا۔

"ساحرہ جادوگرنی کو کہتے ہیں۔"

اچانک میں چونک پڑی۔

"لیکن یہاں کوئی جادو وادو نہ کیجئے گا۔ یہ بڑے ہی پرہیزگار اور زاہد قسم کے لوگوں کا گھر

ہے۔ اور پھر اس دور میں لوگ معجزوں پر یقین بھی تو نہیں کرتے "!

میں حیران تھی کہ وہ مجھے اپنی آغوش میں بھرے کیسی خشک قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے لگا کہ جیسے میں کالج کے ایک لیکچرار سے نہیں بلکہ مسجد کے کسی مولوی صاحب سے بیاہی گئی ہوں۔ جو مجھے پانچ وقت نماز پڑھنے کی تلقین کر رہا تھا۔ اور پرہیزگاری کی اہمیت سمجھائے جا رہا تھا۔ اور شاید ابھی تھوڑی دیر میں کہے گا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

پھر اچانک اُس نے مجھے اپنے سے الگ کر دیا۔ اور مسہری سے اُٹھ کر سامنے دیوار کے ساتھ لگی کتابوں کی الماری میں سے کوئی کتاب تلاش کرنے لگا۔ میں نے پسینے سے بھیگے چہرے کو اپنے دوپٹے سے صاف کیا۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ پسینے کی وجہ سے میرے کپڑے جسم سے چپک رہے تھے۔ میں نے مسہری کے ساتھ والی کھڑکی کے بند دروازوں کو کھول دیا۔ شاید آدھی رات کو چلتی ہوئی ہوا کا کوئی جھونکا اندر آ جائے۔

وہ الماری سے ایک کتاب نکال کر مسہری کی طرف بڑھا۔

" مجھے ساحر کی ایک نظم بہت پسند ہے جو اس نے کانگو کے شہید ٹومبا کے قتل پر کہی تھی۔ جس کی موت کے بارے میں جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ ایک قتل کیا ہوا ٹومبا ایک زندہ ٹومبا سے کہیں زیادہ طاقت ور ہوتا ہے"۔ تم اس نظم کا کوئی حصّہ سنو گی؟"

میں جواب تک خاموش تھی۔ اب خاموش نہ رہ سکی۔ اُس نے مجھے گفتگو پر آمادہ کرنے کے لئے کتنا انوکھا اور حسین طریقہ تلاش کیا تھا۔

" خون پھر خون ہے"! میں نے آہستہ سے کہا۔

" زندہ باد۔ تم بڑی زبردست لڑکی ہو"۔ وہ اونچی آواز میں بولا۔ جیسے کسی جلسے میں نعرہ لگا رہا ہو۔

پھر اُس نے اپنی متوازن بھاری آواز میں ساحر کی نظم کا یہ حصّہ سنایا۔

ظلم پھر ظلم ہے، بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے، ٹپکے گا تو جم جائے گا

ظلم کی بات ہی کیا، ظلم کی اوقات ہی کیا
ظلم بھی ظلم ہے، آغاز سے انجام تلک
خون پھر خون ہے، سو شکل بدل سکتا ہے

ایسی شکلیں کہ مٹاؤ تو مٹائے نہ بنے
ایسے شعلے کہ بجھاؤ تو بجھائے نہ بنے
ایسے نعرے کہ دباؤ تو دبائے نہ بنے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

"سبحان اللہ!" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ساحرہ"۔ آج کل میری ذہنی کیفیت بڑی عجیب ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے میرے دماغ کی چوکھٹ کے اندر ایک بہت بڑی صلیب نصب کی جا رہی ہے۔ اور اُس پر اِس دور کے کسی مسیحا کو سُولی پر چڑھایا جائے گا۔ کون ہو گا وہ مسیحا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا؟ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میں بھی ہو سکتا ہوں، وہ تم بھی ہو سکتی ہو!"

پھر وہ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ اُس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اور اُس کے آنکھوں کے کونوں میں دبے دبے اشکوں کی روشنی چمک رہی تھی۔ میں ایک دم مسحور سی ہو کر اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد وہ پھر بولا۔

"میں شاید شادی پر راضی نہ ہوتا۔ شاید تمہارے ساتھ ہوئی منگنی میں توڑ دیتا لیکن مجھے کہیں ایسا بھی لگا کہ جس تپتے ہوئے صحرا میں آج کل میں ننگے پاؤں گھوم رہا ہوں اُس میں چلتے چلتے تھک گیا تو پل بھر کو کہاں آرام کروں گا۔ کوئی نخلستان تو چاہیئے ہی۔ ورنہ تو میری منزل کبھی نہیں آئے گی۔ اور میں کسی ایک مقام پر مجبور اور بے بس پڑا اپنے پاؤں کے آبلوں کو ہی تکتا رہوں گا اور صحرا کی تیز ہوائیں ریت کے ڈھیروں سے مجھے ڈھک دیں گی۔ اور میں اِس طرح کہیں دفن ہو جاؤں گا۔ اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو گا کہ کوئی دیوانہ کسی منزل کی تلاش میں سرگرداں کہیں ریت کا ڈھیر بن گیا تھا۔ مجھے لگا جیسے اُس تپتے ہوئے صحرا میں مجھے اُس

Scanned by CamScanner

نخلستان کی ضرورت ہے جو تمہارے گیسوؤں کے جنگل میں ہے۔ اور تمہاری کمر کی ڈھلان میں ہے اور تمہاری آنکھوں کے ٹھنڈے چشموں میں ہے۔ اور میں نے شادی کر لی۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا

میں ایک بار پھر اُسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔

اُس نے لمحہ بھر کے بعد رونکھی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"ساحرہ ماحول میں جتنا تناؤ آج ہے اور ذہنوں میں جتنا کرب اِن دنوں ہے۔ ایسا شاید ہمارے مُلک کے رہنے والوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں جھیلا تھا۔ اس تناؤ کے خلاف جہاد بھی ہو سکتا ہے۔ اس کرب سے لوگ ٹوٹ کر بکھر بھی سکتے ہیں۔ کیا ہو گا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کبھی میں اس ناقابلِ برداشت بوجھ سے ٹوٹ کر بکھر گیا تو مجھے سنبھال لینا میری اچھی ساحرہ!"

اور پھر انجم، میرا خاوند، ایک حساس شاعر، شادی کی پہلی رات کو میری آغوش میں نڈھال ہو کر گر گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور میں اپنی حنائی اُنگلیوں سے اُس کے ماتھے کو سہلاتی رہی۔ وہ میری آغوش میں پڑا اسی حالت میں سو گیا میں نے اُس کے پاؤں سے بے پوری جوتی اُتار دی اور اُسے مسہری پر لٹا دیا۔ اور اُس کی شیروانی کے بٹن کھول دیئے اُس کا سر میری گود میں تھا اور مسہری کے ساتھ والی کھلی کھڑکی سے پچھلے پہر کی خنک ہوا کے جھونکے اندر آ رہے تھے میں جاگ رہی تھی۔ اور تپتے ہوئے صحرا میں منزل کی تلاش میں سرگرداں ایک مسافر نخلستان میں سستا رہا تھا۔

تمام رات آنکھوں میں کاٹ کر اگلی صبح جب نرگس نے بڑی عاشقانہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ تو میں نے مسکرا کر کہا۔

"میں دو عاشقوں کی نظروں کی تاب نہیں لا سکوں گی۔ مجھے اس طرح مت دیکھو نرگس!!"

اور نرگس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"دوسرا عاشق تو بے چارہ تھک ہار کر سو گیا ہے!!"

لیکن وہ اُس گھر میں میری پہلی صبح تھی۔ میں نرگس کو کیا جواب دیتی۔ تفصیلات اور جزئیات کی کرچیاں تو ابھی تک میری نیند بھری آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ دوسرا عاشق، شاعر انجم تو رات بھر

صحرانوردی میں مصروف رہا تھا۔ اور آخر لمحوں کی ریت میں مارا مارا پھرتا آبلے بھرے پاؤں لئے میرے حسن کے نخلستان میں سو گیا تھا۔ میں نے بھی اُسے نہیں جگایا تھا۔ اور سوتا ہی رہنے دیا تھا۔ اور خود چپ چاپ مسہری سے اُٹھ آئی تھی۔

"ارشد کے لئے چائے لے جاؤ۔ جب تک بیڈ ٹی نہیں لے گا اُٹھے گا نہیں۔" نرگس نے کہا۔

"تم ہی لے جاؤ۔"

"تم اُس کے ساتھ چائے نہیں پیئو گی؟"

"میں تمہارے ساتھ پیئوں گی۔ اگر اُس نے چاہا تو پھر اُس کے ساتھ پی لوں گی۔"

"اُس کے بلانے پر مجھے چھوڑ جاؤ گی تم؟"

نرگس نے بڑے پیار سے میری طرف دیکھا۔

"تمہیں تو زندگی بھر نہیں چھوڑ سکتی تم جیسی عاشق کو بھی کوئی چھوڑ سکتا ہے بھلا!"

پھر تھوڑی دیر کے بعد معمول کی طرح نرگس اپنے بھیا کے لئے ٹرے میں چائے رکھ کر لے گئی۔ انجم کو جگانے اور چائے تیار کر دینے میں اُسے خاصی دیر لگ گئی۔ جب وہ انجم کے کمرے سے لوٹی تو بڑی سنجیدہ لگ رہی تھی۔

"کیوں کیا ہوا تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

اُس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے میرے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"رات تمہارا ارشد سے کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟"

"نہیں تو؟"

"لگتا ہے وہ کچھ ناراض ہے۔"

"مجھ سے؟"

"کہہ نہیں سکتی۔ تم نے کہیں اُس کا دل تو نہیں دُکھا دیا۔ وہ بڑا نازک اور حساس آدمی ہے۔"

"اُس نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

Scanned by CamScanner

وہ کچھ کہتا تو بات صاف نہ ہو جاتی ۔ وہ تو پتھر کی طرح خاموش ہے۔

"چائے نہیں پی اُس نے؟"

"نہیں۔"

نرگس کا جواب سُن کر مجھے دکھ ہوا۔

"تو میں جاتی ہوں۔"

"میں بھی چلتی ہوں۔"

"نہیں۔ تم دونوں مل گئے تو میرا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اُس لمحہ نرگس کے ابّا نے اُسے پکارا۔ اور وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے چلی گئی۔ اور میں خاموش قدم اُٹھاتی پردہ ہٹا کر انجم کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ تکیے میں سر دیے چت لیٹا تھا۔ اور ساتھ کی تپائی پر پڑی چائے کی پیالی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اور اُس کی سطح پر دودھ اور چینی کی نہ دزرد سی پپڑیاں جمنی شروع ہو گئی تھیں۔ میں لمحہ بھر خاموش کھڑی رہی اور پھر آہستہ سے انجم کے قریب بیٹھ گئی۔ اور اُس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد انجم نے اپنا ہاتھ میری اُنگلیوں پر رکھ دیا لیکن آنکھیں نہیں کھولیں۔

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

میری بات سُن کر اُس نے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔

"پنکھا بند کر دیجئے۔ بہت آواز دیتا ہے۔"

"آپ کو بھی اس کی آواز اچھی نہیں لگتی۔؟" میں نے سوال کے جواب کا انتظار کئے بغیر مسہری سے اُٹھ کر پنکھے کا سوئچ آف کر دیا۔

"اب کوئی بھی آواز اچھی نہیں لگتی۔" اُس نے کہا اور پھر تپائی پر رکھے سگرٹ کے پیکٹ میں سے ایک سگرٹ نکال کر سُلگا لی۔

"میں آپ کے لئے چائے کی تازہ پیالی بناتی ہوں۔"

"ابھی رہنے دیجئے۔"

انجم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔

Scanned by CamScanner

"لگتا ہے آپ رات بھر سوئی نہیں ؟"

"سہاگ رات کو تو سبھی جاگتے ہیں"۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"کچھ تھکے ہارے لوگ بھی گہری نیند بھی سو جاتے ہیں"

"کیوں کہ وہ پہلے بہت جاگ چکے ہوتے ہیں"

میرا جواب سن کر انجم نے ایک نہایت ہی کمزور سا قہقہہ لگایا۔ جیسے وہ قہقہہ لگانے سے بھی ڈرتا ہو۔

اُس لمحہ کمرے کے کواڑ کو دھیرے سے کھٹکھٹاتے ہوئے نرگس نے پوچھا۔

"بھائی جان اندر آجاؤں؟"

"ہرگز نہیں"۔ انجم بہت اونچی آواز میں بولا۔

میں نے حیرت سے انجم کی طرف دیکھا اور نرگس اُس کے جواب سے بے نیازی برتتے ہوئے اندر آدھمکی۔ میں اُٹھنے لگی تو انجم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مسہری پر ہی بٹھا دیا۔

"چڑیل، اب ایکٹنگ کرتی ہے۔ آج کی صبح تک تو تم نے کبھی اندر آنے کی اجازت نہیں چاہی تھی۔ حالاں کہ میں نے سو بار کہا تھا کہ پوچھ کر اندر آیا کرو۔ آج کیا ہو گیا ہے اچانک ؟

"آج ایک جادوگرنی جو آگئی ہے تمھارے کمرے میں"

نرگس کی بات سن کر وہ پھر ہنسا۔ قہقہہ ویسا ہی کمزور تھا۔

"میں نے اُسے سمجھا دیا ہے یہ کوئی جادو واد و نہیں کرے گی۔ اچھا بڑھیا سی چائے بناؤ"۔

"وہ پیالی جو میں بنا گئی تھی وہ تو ویسے ہی پڑی ہے"

"اُسے باہر پھینک دو۔ تازہ چائے بناؤ۔ ساحرہ کے لئے۔ میرے لئے۔ اپنے لئے"۔

میں خاموش بیٹھی رہی اور نرگس چائے بناتی رہی۔ انجم کو چائے دیتے ہوئے اُس نے کہا۔

"ابا پوچھ رہے تھے ارشد ابھی جاگا یا نہیں"۔

"اُنھیں میرے کالج جانے کی بڑی فکر رہتی ہے۔ انجم نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

Scanned by CamScanner

"اُنھیں معلوم ہے کہ یونیورسٹی میں آج کل چھٹیاں ہیں۔ کوئی اور کام ہے اُنھیں؟"

"تو کیا کہا تھا تم نے؟"

"کہا تھا کہ تم ابھی سو رہے ہو۔ جاگتے ہی بھیج دوں گی۔"

"تو پہلے میں ابا کی بات سُن آؤں۔"

اُس نے چائے کی پیالی جس میں سے اُس نے مشکل سے دو تین سپ ہی لئے تھے میز پر رکھ دی۔ اور سگرٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور پل بھر مسہری کے نیچے اپنی جوتیاں ٹٹولتا رہا اور پھر کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیاں اُتر گیا۔

"بڑا معصوم ہے میرا بھیا۔"

"تم دونوں ہی معصوم ہو! اپنی آنکھیں دیکھی ہیں کبھی آئینے میں؟ کتنی ظالم آنکھیں ہیں تم دونوں کی۔ تم مل کر تو جس کو چاہو قتل کر دو۔"

میں ہنسی اور میرے ساتھ نرگس بھی ہنس دی۔

"میں سچ ہی کہہ رہی ہوں ساحرہ۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

میں نے چائے کی پیالی جو تقریباً خالی ہو چکی تھی میز پر رکھ دی اور سوچنے لگی کہ دونوں بھائی بہن ایک دوسرے سے کتنے ملتے جلتے تھے۔

تھوڑی دیر میں انجم ابا سے بات کر کے واپس آ گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے ابا جان؟"

"کہہ رہے تھے نرگس اور ساحرہ سے کہو اِدھر اُدھر کم ہی گھومیں۔"

"کیوں؟"

"آپ نے نہیں پوچھا۔ تم جانتی ہو میں ابا سے سوال نہیں پوچھا کرتا صرف اُن کے سوالوں کے جواب دیا کرتا ہوں۔"

"اور کیا کہا ہے اُنھوں نے؟"

"عدالت میڈیم کے الیکشن پٹیشن کا فیصلہ کیا سنا رہی ہے؟ پھر خود بولے شاید دو ایک

دن میں فیصلہ سنا دیا جائے۔"

"تو تمھیں اس سوال کا بھی جواب نہیں دینا پڑا؟"

"لیکن عدالت کے فیصلے سے بڑا فیصلہ تو عوام کا ہوتا ہے۔"

"میں اسی لئے چاہتا تھا کہ تم پولیٹیکل سائنس کی جگہ لٹریچر جوائن کرو۔ ہسٹری اور پولیٹیکل سائنس اگر محض امتحان پاس کرنے کے لئے اور ڈویژن لینے کے لئے نہ ہو تو دماغوں میں اُتھل پتھل پیدا کر دیتے ہیں۔"

"لیکن میرا سوال تو کچھ اور تھا۔"

"ہاں اور میں تمہارے سوالوں کا جواب بھی ضرور دیا کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میرے اور تمھارے سوال ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ صحیح بات تو یہی ہے کہ آج کے یوتھ کے سبھی سوال ایک جیسے ہیں اور اہم ہیں اور توجہ طلب ہے۔ اُن کے سوالوں کا جواب دینا بے حد ضروری ہے اگر اُن کے والدین، یا اُستاد، یا برسرِ اقتدار طاقتیں اور سارا سماج اُن سوالوں کا جواب نہیں دیتے تو وہ اپنے سوالوں کا جواب وقت سے مانگیں گے اُن لمحوں سے مانگیں گے جن میں وہ جی رہے ہیں۔ اُنا جھجکوں سے مانگیں گے جو ابھی طلوع ہونے والی ہیں۔ اُن کے سوالوں کو ٹالنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

میں حیران تھی کہ انجم اور نرگس آپس میں اس طرح بحث کرتے تھے اور لڑتے تھے جیسے دنیا بھر کے مسئلوں کے حل اُنھیں ہی کرنے ہوں۔ میں اُن دونوں کی باتوں کو بڑے دھیان سے سُن رہی تھی۔

انجم نے سگرٹ کا ایک لمبا کش لیا اور بولا۔

"نرگس اور ساحرہ تم ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ عوام کی عدالت سب سے بڑی عدالت ہے اور اس عدالت کا فیصلہ جلدی یا تاخیر سے قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی بہتر ہے کہ اس فیصلے کو فوراً قبول کر لیا جائے۔ تمام دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اور ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے بھی یہ بات بڑے وثوق سے کہہ رہی ہوں۔"

پچھلی رات والا انجم پھر جاگ گیا تھا۔ مجھے لگا انجم کا یہی حقیقی روپ تھا۔ وہ جُز کی وادیوں

میں تھوڑی دیر سستا سکتا تھا۔ ان خنک اور معطر ہواؤں میں زیادہ دیر ٹکنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ میرا انجم یا تو صحرا کے ریگ زاروں میں گھوم سکتا تھا یا آسمان کی وسعتوں میں۔ وہ اُس دھرتی کا آدمی نہیں تھا جس میں کبھی بگولے نہیں اُٹھتے، آندھیاں نہیں چلتیں، سیلاب نہیں آتے، کھلیان نہیں جلتے اور بھوک اور افلاس سے حاجت مند لوگ نہیں مرتے اور جہاں ظلم اور ناانصافی کے خلاف جہاد نہیں ہوتے اور گولیاں نہیں چلتیں اور سڑکوں پر معصوموں کا خون نہیں بہتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنا درد مند دل رکھنے والا آدمی اور اتنا حساس شخص مظلوموں اور فاقہ کش لوگوں کے ہجوم میں کیسے جیتا ہوگا؟ وہ اس دم گھونٹ دینے والے ماحول میں کیسے سانس لیتا ہوگا۔ کیا اس فضا میں جی کر واقعی ایسا شخص کھُلے اور بے باک قہقہے لگا سکتا ہے؟ جس شخص کے دماغ میں جلتے ہوئے سوالوں کی مہریں داغی جا رہی ہوں۔ وہ سکون سے سو سکتا ہے کبھی!

میری سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا جب نرگس نے کہا۔

"یہ مت سوچ لینا کہ تم پاگلوں اور دیوانوں کے گھر میں آگئی ہو۔ یہ گھر ایک دم زاہدوں کا گھر ہے۔ جس میں پانچوں وقت نماز پڑھی جاتی ہے اور جب تک قرآن پاک کی تلاوت نہ ہو جائے کوئی چائے کی پیالی تک نہیں لیتا۔ ہم کبھی کبھی وقتی مسئلوں سے الجھ جاتے ہیں"۔

"نرگس کی بات سن کر میں مسکرادی"۔

"میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ اس گھر میں آئی ہوں۔"

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو ساجرہ"؟

میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی انجم۔

پھر اُس نے مجھے ایک ہی رات میں آپ سے تم کہہ کر مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔
نرگس نے میری بات سُن کر اپنی باہنیں میرے گلے میں ڈال دیں اور انجم نے اپنا ہاتھ نرگس کے سر پر رکھ دیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے ترکمان گیٹ کے اندر کی بستی کے ایک چھوٹے سے گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں نئی نسل کے تین نمائندوں نے تاریخ کی روایات کو زندہ اور روشن رکھنے کا ایک مضبوط عزم کر لیا تھا جس کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ ایسے پیمان باندھتے وقت کسی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس پیمان کے گواہ ہمارے دھڑکتے ہوئے دل تھے اور اُس میں حرکت

کتنا ہوا تازہ اور گرم لہو تھا اور کھلی کھڑکی سے اندر آتی ہوئی چڑھتے ہوئے سورج کی پہلی نیم گرم شعاعیں تھیں جو جانے کتنی ہزار صدیوں سے ہر روز ایک نئی صبح کا پیغام لے کر آتی تھیں۔

"اچھا تو اُٹھو اب۔ نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔ آج ری سیپشن بھی تو ہے۔" نرگس نے انجم سے کہا۔

"میں تو بھول ہی گیا تھا۔"

"آپ کے بھول جانے سے مہمان تھوڑی بھول جائیں گے"۔ میں نے کہا۔

"اُس کے دوست تو مقررہ وقت سے بھی دو گھنٹے پہلے آ دھمکیں گے۔ ارشد مجھے تمہارے کچھ دوست تو بالکل پسند نہیں"۔

"میں نے دوست چنتے وقت تمہاری پسند سامنے نہیں رکھی تھی"۔

"اِس کا دولھا چنتے وقت اس کی پسند ضرور سامنے رکھیئے گا۔"

"اپنا دولھا یہ خود میں چنوں گی"۔ کیا پتہ کسی کا انتخاب کر بھی چکی ہو"۔ انجم پھر کمزور سی ہنسی ہنسا۔

"بھائی جان میں تم سے بالکل نہیں بولوں گی۔"

"یہ بالکل نہ بولنا کیا ہوتا ہے؟ یا تو بولو یا نہ بولو۔ یہ بالکل نہ بولنا میری سمجھ میں نہیں آیا"

"ارشد تمہاری سمجھ میں کبھی کوئی معقول بات آتی بھی ہے؟"

"تم انھیں ارشد کیوں کہتی ہو۔ انجم کیوں نہیں کہتی؟" میں نے نرگس سے پوچھا۔ اُس نے اُسے جب بھی مخاطب کیا تھا۔ ارشد ہی کہہ کر کہا تھا۔

"میرے ساتھ یہ ارشد ہی کے روپ میں پروان چڑھا ہے۔ انجم تو یہ اب کچھ برسوں سے ہوا ہے۔ پہلے تو ارشد ہی تھا۔ ٹھیک اسی طرح سے جیسے ہندوستان اور پاکستان بننے کے بعد شہروں اور قصبوں اور سڑکوں کے نام بدل گئے ہیں۔ تم ہی بتاؤ بنارس اچھا لگتا ہے یا وارانسی؟ کل تم ترکمان گیٹ کا نام بدل کر یودھا دوار رکھ دو تو کیسا لگے گا؟"

"میں ارشد سے پہلے علیا بھی تو تھا اور تم نرگس سے پہلے نسٹکو بھی تو تھی۔ اس میں کیا برائی ہے اگر تم اب بھی مجھے علیا ہی بلاؤ اور میں تمہیں نسٹکو کہہ کر میں مخاطب کروں؟"

میں زور سے ہنسی۔

Scanned by CamScanner

"دونوں ہی نام اچھے ہیں۔"

"تو آپ اپنا نام نشکور رکھ لیں۔ ہم کچھ اور رکھ لیں گے۔" نرگس ناراض ہو گئی۔

"لیکن میں تو اپنا نام نہیں بدلوں گا۔"

"تو ساحرہ کا بھی کوئی چھوٹا سا نام رکھ دو۔ جسے صرف ہم تینوں ہی استعمال کر سکیں۔" نرگس بولی۔

اور پھر میرے لئے نام چھانٹنے لگی۔ نرگس کاغذ پنسل لے کر بیٹھ گئی اور لگی اوٹ پٹانگ ناموں کی فہرست بنانے۔

اُس لمحہ نیچے ڈیوڑھی کی سانکلی زور سے کھٹکی۔

"لو پہونچ گیا نا؟ کم بخت کو وقت بے وقت بھی نہیں سوجھتا۔ نرگس کہنے لگی۔

"دوست کوئی اسے پوائنمنٹ لے کر تو نہیں آتے۔"

"مجھے تمہارا یہ دوست ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

میں دونوں کی نوک جھونک سن رہی تھی۔ لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ کس بھلے مانس کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔

اور اُس لمحہ سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی۔

"دیکھا کتنا بد اخلاق ہے۔ سیدھا اوپر چلا آ رہا ہے۔" نرگس غصّے سے بولی۔

"آپ جائیے نہ باہر دیکھئے کون ہے" میں نے انجم سے کہا۔

"ارے سری واستو ہی تو ہے اور کون ہے"۔ وہ بولا۔ لیکن اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔

"تو آؤ ہم دوسرے کمرے میں چلیں" نرگس نے مجھے کہا۔

ہم دونوں اُٹھ کر دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ باہر سے ایک اونچی آواز گونجی۔

"ارے ابھی تک سویا پڑا ہے۔ سورج تو سوا نیزے پر آ گیا ہے۔"

"بدتمیز کہیں کا۔" نرگس بولی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ سورج سوا نیزے پر کب آتا ہے۔"

اور بیشتر اس کے کہ ہم کمرے سے باہر نکلتے وہ بدتمیز خود ہی اندر آ گھسا۔

"نشکار نرگس دیوی جی۔ آداب عرض ساحرہ بھابی۔"

Scanned by CamScanner

میرے سامنے کھدر کے کرتے پاجامے میں ایک چھریرے بدن کا سانولا سا نوجوان کھڑا تھا۔ میں گھبرا گئی۔

"آؤ سری واستو"۔ انجم نے پلنگ سے اُٹھ کر اپنے دوست کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ میں اور نرگس جلدی سے باہر نکل آئیں اور دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ ہمارے آنے کے بعد دو قہقہوں کا مرکب ایک قہقہہ گونجا۔

"اتنا واہیات شخص میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔" نرگس بوکھلائی ہوئی تھی۔

"ذرا تمیز نہیں اِسے۔ کسی کو مخاطب کرنے تک کا ڈھنگ نہیں آتا کمینے کو۔"

"مجھے لگا نرگس سری واستو سے خاصی ناراض تھی۔"

"مگر یہ ہے کون؟"

"ارشد کا ایک دوست ہے شکلی سے کوئی اِسے کسی کالج کا لیکچرار سمجھ سکتا ہے؟ ایک دم لوفر نظر آتا ہے۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے" میں نے کہا۔

"اب گھنٹوں ارشد کا دماغ چاٹے گا اور ارشد اس کی تواضع کرتا رہے گا۔"

اُسی لمحہ دوسرے کمرے سے انجم کی آواز آئی۔

"نرگس دو پیالیاں چائے بھجوانا بھئی۔"

"چلا دیا نا حکم۔ میں ہرگز چائے نہیں بناؤں گی۔"

"لیکن وہ مہمان ہے انجم کا۔"

"بس پہلے ہی دن اس کمینے کی حمایت کرنے لگیں"۔ نرگس بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور سیڑھیاں اُتر کر نیچے چلی گئی۔ میں لمحہ بھر تو کمرے میں اکیلی کھڑی رہی پھر میں بھی نیچے آ گئی۔

"تم روک نہیں سکتی تھیں اُسے نیچے؟" نرگس اماں سے کہہ رہی تھی۔

"وہ رُکتا بھی ہے کسی سے۔ جانے کیا جادو کر رکھا ہے اس نے ارشد پر۔ یہ مل جائے تو وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"آپ لوگوں نے اسے اتنی آزادی کیوں دے رکھی ہے؟" میں نے کہا۔

Scanned by CamScanner

"دل کا بہت اچھا ہے یہ ہندو لڑکا۔ پچھلے سال جب ارشد بیمار ہوا تھا یہ دن رات اُس کے پاس رہتا تھا۔ ڈاکٹر کے پاس جاتا تھا۔ دوا لاتا تھا۔ اُسے پلا کر بازار بھاگتا۔ بے چارہ راشن تک تو ڈھوتا رہا ہے۔ ایک ذرا ہے بدتمیز"۔

میں سری واستو کے بارے میں تو کیا اس گھر کے کسی بھی فرد کے بارے میں ابھی کوئی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں تھی۔ ایک ہی رات تو گذری تھی اس گھر میں۔ اور وہ بھی ایک تنگ کمرے کی جس آلود فضا میں جاگ کر۔ لیکن مجھے لگا۔ جیسے یہ سب سیدھے سادے مذہبی قسم کے لوگ تھے جنھیں صرف معمولی اور عام انسان ہی اچھے لگتے تھے۔ ایک نارمل قسم کے آدمی نہیں۔

"چائے منگوائی ہے ارشد نے" نرگس نے اماں کو مخاطب کیا۔

اماں باورچی خانے میں چائے بنانے چلی گئی۔ نرگس چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اور میں بھی اُس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ نرگس کو شاید ناراضگی اس بات کی تھی کہ سری واستو کو اس وقت کیوں آنا تھا۔ شام کو تو ارشد کے سبھی دوست آ رہے تھے۔ وہ بھی جبھی آ جاتا۔ شام کا فنکشن چاہے مختصر سا ہی تھا لیکن انتظام تو آخر کرنا ہی تھا۔ اب یہ فضول کی باتیں ہانکتا رہے گا۔ اور ارشد کا وقت ضائع کرتا رہے گا۔ اور وہ خود کبھی اُسے جانے کو نہیں کہے گا۔ بس اس بات کا غصّہ تھا نرگس کو۔

اماں ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں رکھ کر لے آئی۔

"جاؤ ارشد کو چائے دے آؤ"۔

"میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ غصّے سے بولی۔

اور جانے کیسے اُسی لمحہ اوپر سے انجم کی آواز آئی۔

"ارے بھئی چائے تو دے جاؤ"۔

اماں خود ہی چائے کی پیالیاں ٹرے میں رکھ کر اوپر لے گئی۔ اور پھر اتنی دیر تک نہ لوٹی۔

"اُس نے اماں کو بھی باتوں میں الجھا لیا ہوگا۔ وہ سچ مچ جادوگر ہے۔ اس سے بچ کر رہنا ساحرہ"۔

"میں خود بھی تو جادوگرنی ہوں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ میرے اس جواب پر نرگس مسکرا دی۔

Scanned by CamScanner

"تمہارا جادو اس پر نہیں چلے گا۔"

"تم پر تو چلے گا۔"

"نہیں مجھ پر بھی نہیں۔ میں تو اپنے پرس میں ایک تصویر رکھتی ہوں"

"دوسروں کو بس میں کرنے کے لئے"؟

"نہیں فضول آدمیوں سے بچنے کے لئے۔"

ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ اماں سیڑھیاں اُتر کر نیچے آگئیں۔

"سری واستو پوچھ رہی تھا کہ شام کے لئے اُس کے ذمہ کوئی کام ہے؟"

"تم نے کیا کہا ہے؟"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ ارشد نے تم سے پوچھوایا ہے۔"

"اُسے کہہ دو کہ وہ دال فے عین ہو جائے۔"

تھوڑی دیر میں انجم سری واستو کے ساتھ نیچے آگیا۔

"نرگس دیوی جی ہم دال فے عین ہو رہے ہیں۔"

"تو فوراً ہو جائیے۔" نرگس نے چیخ کر کہا اور سری واستو ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا۔ انجم اُسے چھوڑ کر کمرے میں آگیا۔

"تم دونوں کی تکرار سے مجھے بہت دُکھ آتا ہے" وہ نرگس سے مخاطب ہوا۔

"میری بے عزتی ہونے پر تمہیں خوشی ہوتی ہے۔ یہی تو آج کل کے بھائیوں کا رویہ ہے۔"

نرگس نے روکھی آواز میں کہا اور انجم نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور بولا۔

"میں اور سری واستو پچھلے جنم میں بھائی رہے ہونگے۔"

"اور میں تم دونوں کی دشمن۔"

"ارے بہن ہماری بڑی پیاری شکو بہن۔"

جانے کیسے مجھے ہنسی آگئی۔

"ہنسو مت اس نے تمہارا بھی ایک نام تلاش کر لیا ہے" انجم بولا۔ "کیا نام رکھا ہے تم نے اس کا نرگس"؟

"سٹکو" اُس کی آنکھیں نم تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

میں بھی ہنس دی

"نسٹکو اور سٹکو کا قافیہ بھی ملتا ہے۔" انجم نے اپنا کمزور سا قہقہہ ہم دونوں کی ہنسی میں گھلا دینے کی کوشش کی۔

اِس پس منظر کے ساتھ نئے گھر میں میری پہلی صبح کا آغاز ہُوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ہم نہا دھو کر تیار ہوئے اور دسترخوان پر کھانے کو بیٹھے تو انجم نے کہا۔

"شاہجہاں کے دِل کے کئی دروازے ہیں اور ہر دروازے کے ساتھ کوئی نہ کوئی شخصیت وابستہ ہے۔ اِس بستی کے باہر جو گیٹ ہے اُس کے ساتھ اُس زمانے کی تو کوئی شخصیت وابستہ تھی۔ لیکن آج کی بھی ایک شخصیت اس سے وابستہ ہے۔

"کون ہے وہ شخصیت"؟

"وہ تم ہو؟"

"میں؟"

"ہاں۔ ساحرہ انجم۔ ترکمان گیٹ کی شہزادی"!

انجم کی بات سُن کر میں تو شرما گئی۔ لیکن نرگس نے خوشی سے تالی بجانا شروع کر دی۔

"ہے نا میرا بیٹا دیوانہ؟" اماں بولیں۔

یہ میری اس گھر میں پہلی دوپہر تھی جس کی تپش کو کم کرنے کے لئے مسرت کے آنسو بکھر دیئے تھے۔ اسی طرح تو اُمیدوں کے پھول تر و تازہ رہتے ہیں۔

اور پھر شام آگئی۔

اپنے چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے آنگن اور اپنے کمرے کے سامنے کھلی چھت پر ری سیپشن تھا۔ یوں تو وہ ہم دونوں کا ری سیپشن تھا لیکن دراصل تو لوگ مجھے ہی ری سیو کر رہے تھے۔ اِس گھر میں، اِس محلے میں، اِس بستی میں۔ انجم کو تو سبھی جانتے تھے۔ نئی تو ایک بس میں تھی۔ جسے اُس کے دوست اور رشتہ دار اور محلّے کے لوگ دیکھنے آئے تھے۔ بہت سے لوگ نہیں تھے پھر بھی آنگن اور چھت پر جتنے لوگ آرام سے کھڑے ہو سکتے تھے تعداد اُن سے زیادہ لوگوں

کی تھی۔ محلے کے بزرگوں عورتیں اور لڑکیاں۔ کالجوں کے کچھ پروفیسر، نرگس کی کچھ دوست۔ اُس کے کالج کے کچھ اسٹوڈنٹس جو انجم کو بھی جانتے تھے۔ انجم کے ابا اور اماں ڈیوڑھی پر مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ ہم دونوں آنگن کی ایک طرف کھڑے تھے اور ہمارے پاس ہی نرگس کھڑی تھی۔ جو اُن تحفوں کو ایک طرف رکھے جا رہی تھی۔ جو انجم اور اُس کے دوست لائے تھے۔ سری واستو انجم کے مہمانوں کو اوپر لے جا رہا تھا۔ آنگن میں عورتیں اور لڑکیاں ہی تھیں۔ جب تمام مہمان آچکے تو انجم اور میں بھی اوپر چلے گئے۔ نرگس اور سری واستو آنگن میں کھڑے مہمانوں اور چھت پر کے مخصوص مہمانوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد سری واستو بھی اوپر آگیا۔ جو مہمان چھت پر جمع تھے اُن میں انجم کے کچھ ادیب اور شاعر دوست بھی تھے۔ اور نرگس کی کچھ خوب صورت سہیلیاں بھی تھیں۔

سری واستو، انور، جگی، ایلن، سُکھ پال تو شام کے چار بجے سے چھت پر اور آنگن میں بالٹیوں سے پانی چھڑکتے رہے تھے۔ آنگن میں تو تپش کچھ کم تھی لیکن چھت تو جیسے ابھی تک جل رہی تھی۔ لیکن انجم اور نرگس کے دوستوں کو جون کی اِس گرمی کا احساس ہی نہ تھا۔ وہ تو بس شعر و شاعری میں مصروف تھے۔ اور جی کھول کر داد دے رہے تھے۔ پھر چٹکلے بازی ہوئی۔ اُس میں ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ پھر نرگس کی سہیلیوں نے کچھ غزلیں گا کر سنائیں۔ پھر دھیرے دھیرے مہمان چھٹنے لگے۔ اب صرف وہ مہمان باقی رہ گئے تھے جو انجم اور نرگس کے خاص دوست تھے۔ اب انجم اور نرگس اپنے اپنے دوستوں سے میرا تعارف کرا رہے تھے۔ نرگس کی دو تین سہیلیاں تو بہت ہی اچھی تھیں۔

"اِس کا نام شانتا یُوانہ ہے۔ پنجاب کی ایک جاٹ لڑکی ہے یہ!"

میرے سامنے ایک لمبے قد کی بڑی ہی صحت مند لڑکی کھڑی تھی۔

"آپ کو تو پنجابی پیٹے بہت آتے ہوں گے؟" میں نے پُوچھا۔

"ارے بالکل رانجھے کی طرح گاتی ہے پنجابی پیٹے حالاں کہ خود ہیر سے کم نہیں!"

"تو سُنایئے نا کچھ۔"

اور شانتا یوانہ نے پنجابی جاٹوں کی بے تکلفی اور کھلے پن سے بڑے ہی خوب صورت پیٹے

سُناتے۔ مجھے یاد آیا کہ انہی کی طرف تو کئی ہندوستانی فلموں نے اپنے پٹے گھڑے تھے۔ لیکن ان پٹوں کا اور ان فلمی پٹے سے گانوں کا کیا مقابلہ تھا۔

گھنڈ چک نہ تہن تے بہلیئے
پانیاں نوں آگ لگ جاؤ
(اور دریا کے گھاٹ پر کھڑی حسینہ اپنا گھونگھٹ مت اٹھاؤ۔
دریا کے پانیوں کو آگ لگ جائے گی)
گوری گل تے جھریاں پیاں
بیریاں دے بیر کھانیئے
(اوپری کے درختوں پر چڑھ کر بیر کھانے والی نازک حسینہ
تمہارے گالوں پر کانٹوں سے خراش آ گئی ہے۔)
کوٹھے چڑھدی نوں ڈکا آیا
پھلاں تے تریل پے گئی
(چھت پر چڑھنے سے تھکنے پر بے حد پسینہ آیا)
لگتا ہے پھولوں پر شبنم چمکنے لگی ہے)
تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے ہال ڈک لئے
(تمہاری ناک میں پڑی لونگ کی چمک اتنی تیز تھی کہ ہل چلانے
والے کسانوں نے اپنے ہل روک لئے)

پھر میرے سامنے رخسانہ ارجمند تھی۔
"یہ اس سال بیوٹی کانٹیسٹس میں حصہ لے رہی ہے"
"آپ ضرور جیتیں گی اس مقابلے میں"۔ میں نے کہا۔
اس پر رخسانہ نے پچھلے سالوں کے بیوٹی کانٹیسٹ میں حصہ لینے والی لڑکیوں کے نام اور ان کے میژرمنٹس یوں بتانے شروع کئے جیسے تمام اعداد و شمار رٹ رکھے ہوں۔

Scanned by CamScanner

"مقابلے میں جیتنے کے بعد آپ کیا کریں گی؟"

"تمام دنیا کا چکر لگاؤں گی اور اُس کے بعد بیوٹی کانٹیسٹس پر ایک کتاب لکھوں گی اور اس میں یہ انکشاف کروں گی کہ ان مقابلوں میں جیت حاصل کرنے کے لئے صرف خوبصورتی ہی کی ضرورت نہیں۔ کچھ اور باتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

"کن باتوں کی؟"

"ابھی یہ دن کے بارے میں ریسرچ کر رہی ہے۔" نرگس نے میری بات کا جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔

انجم ہمیں اس طرح مخمور دیکھ کر اپنے دوستوں میں شامل ہو گیا تھا۔

"یہ میری کلاس میٹ شبنم ہے۔"

ایک دم کوثر کے پانی سے دھلا ہوا چہرہ میرے سامنے تھا۔ جنت کی حوروں جیسی معصومیت تھی اس کے چہرے پر۔ کوئی لڑکی اتنی خوب صورت بھی ہو سکتی ہے اور اتنی خاموش اور اپنے آپ سے اتنی بے نیاز میں حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے مت دیکھئے گا مجھے۔" وہ بولی

"بہت اچھے شعر کہتی ہے ظالم۔"

"سنائیے گا کچھ۔"

"اتنی بھیڑ میں نہیں۔ میری شاعری بھیڑ کی شاعری نہیں احساس کی شاعری ہے۔"

اس کی بات سن کر میں مسکرا دی۔

"آپ شعر بھی کہیں جب بھی ایک غزل ہو جاتی ہے۔ آپ سراپا ایک غزل ہیں۔"

اُس کا چہرہ پسینے سے نہا گیا۔ وہ کتنی حساس اور نازک تھی۔

مجھے لگا اگر کبھی زندگی میں اُس لڑکی کو کوئی صدمہ برداشت کرنا پڑا تو وہ مر جائے گی۔ اُس کا احساس ایک بھی چوٹ برداشت نہ کر سکے گا۔

"اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"لیکن ہمارا اُدھار آپ کی طرف رہے گا۔"

"جی ہاں۔"

Scanned by CamScanner

اُس نے اپنے گورے نازک ہاتھ سے مجھے آداب کیا اور نرگس اُسے ڈیوڑھی تک چھوڑنے نیچے چلی گئی۔

اُس کے جانے کے بعد انجم کے دوستوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان سب کا لیڈر سری واستو تھا۔ جو اس وقت کُرتے پاجامے میں نہیں بلکہ پتلون اور بشرٹ میں تھا اور اُس کے سانولے چہرے پر پسینے کی بھرمار تھی۔

"بھلے مانس پسینہ تو پونچھ لو"۔ انجم نے کہا۔

"پونچھنے سے کیا ہوگا۔ جب تک ان کے سامنے کھڑا رہوں گا پسینے چھوٹتے رہیں گے"۔

ایک قہقہہ گونجا۔ مجھے لگا جیسے میرے اپنے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔

"یہ میرا جگری دوست ہے۔ رہنے والا بہار کا ہے۔ لیکن اب دہلوی ہو گیا ہے"۔

"آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟"

"شاعری میں وزن چلانے کی ماسٹری ہونی چاہیئے۔ مجھے وزن ٹھیک رکھنے کا شعور ہی نہیں۔ کہیں نہ کہیں پاسنگ رہ ہی جاتا ہے"۔

میں ہنسی

"یہ ڈنڈی مارنے میں ایک ماہر ہے"۔

یہ جملہ پاس کھڑے ایک سردار لڑکے کا تھا۔

"تمہارا بھی تعارف کرا دیا جائے گا۔ تم میرے تول میں کیوں ڈنڈی مار رہے ہو"۔

سری واستو بولا اور پھر زور کا قہقہہ گونجا اور اس کے بعد سری واستو نے ہی تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"اِن کا نام سردار سُکھ پال سنگھ ہے۔ یہ سکھوں کو بہت کم پالتے ہیں صرف دشمنوں کو پالتے ہیں اور اُن کی پوری پوری حفاظت بھی کرتے ہیں"۔

"میں دوستیاں بھی پالتا ہوں۔ کبھی ضرورت پڑے تو آزمائیے گا"۔

"شکریہ" میں نے کہا۔

پھر انجم نے میرا تعارف جگی اور امین سے کرایا۔ جگی کے والدین تقسیم کے بعد ہی اِدھر آئے تھے۔

Scanned by CamScanner

اور وہ جھنگ کا رہنے والا تھا جہاں کی ہیر تھی ۔ اور اُسے اِس بات کا بڑا ناز تھا۔ اُس نے ایک بڑی خوب صورت بات کہی ۔

"اگر ہندوستان کے سارے دریا پاکستان میں چلے جاتے اور صرف چناب اِدھر رہ جاتا تو وہی کافی تھا۔"

"کیسے جگّی صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"چناب کا پانی بڑا حُسن پرور ہے یہ دریا جہاں جہاں سے گذرتا گیا حُسن اور عشق کے نئے ریکارڈ قائم کرتا گیا۔ ہندوستان میں ہوتا تو شمال سے جنوب تک حسن اور عشق کی تاریخیں لکھواڈالتا۔ اب تو بس بادشاہوں اور مُغلوں کی ہی تاریخیں پڑھتا ہے۔"

"اب حُسن کی داستان بھی شروع کرنی ہے اِس نے۔" سری واستو کی آواز تھی ۔

"شروع تو بہت دنوں سے کر رکھی تھی ۔ اب تو مکمل کر رہا ہے۔"

"سکھ پال سنگھ بولا"۔

میں شرما گئی ۔

اور یہ الین تھا۔ دہلی کی ایک پرانی کرسچین فیملی کا نمائندہ جس کے گلے میں سونے کی زنجیر میں لٹکا ہوا کراس بڑا خوب صورت لگ رہا تھا۔ دیکھنے میں بڑا متوازن لگتا تھا۔

"نادر کو تو ایک ہی کراس اپنے کندھے پر اُٹھانا پڑا تھا جس پر اُسے لٹکایا گیا تھا۔ اب تو ہر شخص اپنے کندھوں پر کئی کئی کراس اُٹھائے دشوار گذار رستوں سے گذر کر اُس جگہ پہونچنے کی کوشش میں مصروف جہاں وہ سبھی کراس جو اُس نے اُٹھائے ہیں یا انھیں خود اپنے ہاتھوں سے گاڑے گا اور پھر ہر ایک کراس پر باری باری لٹکے گا۔"

"یار میں نے تمہیں کئی بار کہا ہے ایسی باتیں مت کیا کرو۔ تمہاری عمر ایسی باتیں کرنے کی نہیں ہے۔ چھوکریوں سے عشق لڑانے کی ہے۔"

"سب کچھ کر چکا ہوں سری واستو۔ ماحول میں اتنا تناؤ اور انتشار ہے کہ یہ پیار اور محبت کی باتیں بالکل بے معنی اور کھوکھلی لگتی ہیں۔"

"یہ اپنی ایج سے پہلے پیدا ہو گیا یہ اس کی ٹریجڈی ہے۔"

یہ آواز جگی کی تھی جو اپنے نام کے سامنے سیال اس لئے لکھتا تھا کیوں کہ ہیر کے نام کے آگے سیال لکھا جاتا ہے اور سیال کا تعلق جھنگ سے ہے اور جھنگ جگی کا وطن رہ چکا ہے۔

"غالب بھی تو اپنے وقت سے پہلے پیدا ہوا تھا؟" میں نے کہا۔

مجھے لطف آ رہا تھا ان نکھرے ہوئے ذہنوں والے انجم کے نوجوان دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے۔

"وہ تو سقراط بھی ہوا تھا۔ اس لحاظ سے گاندھی بھی اپنی ایج سے پہلے پیدا ہوا تھا۔" ایلن نے کہا۔

"دونوں کو مرنا پڑا تھا۔" یہ سکھ پال سنگھ کی آواز تھی۔

"اگر تمہارا خیال ہے اپنی ایج سے پہلے نہیں ہونا چاہیئے کہ زہر پینا پڑتا ہے یا قتل ہونا پڑتا ہے؟" ایلن نے پوچھا تھا۔

"ارے اپنی ایج میں بھی پیدا ہو کر کیا تیر مار لئے ہیں؟" چھوڑو اس بحث کو۔ یہ ساحرہ کی ری سیپشن ہے اسے ڈی بیٹنگ کلب مت بناؤ۔

انجم نے بیچ میں بول کر بحث ختم کر دی۔ اس نے ٹھیک ہی کہا تھا ورنہ گرم اور تازہ خون کے یہ نوجوان تھوڑی اور بحث کے بعد آپس میں الجھ پڑتے۔

ایک بڑا ہی خاموش اور شرمیلا چھوکرا ایک طرف الگ کھڑا دھیرے دھیرے چائے پی رہا تھا۔

"ارے تم بھی ادھر آ جاؤ صاحبزادے"۔ سری واستو نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "اکیلے کھڑے کیا کر رہے ہو؟"

"چائے پی رہا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چائے پینے سے بھی بہتر کام ہے دنیا میں!"

"ابھی ان کاموں کی طرف اس نیک بخت کی توجہ نہیں۔" جگی نے ہنستے ہوئے کہا۔

شرمیلا سا چھوکرا اپنی شرم کی رعنائیاں بکھیرتا ہوا ہمارے قریب آ گیا۔

"یہ انور ہے۔ نرگس کا کلاس فیلو۔"

"آداب عرض۔" اس نے جھک کر آداب کیا۔

Scanned by CamScanner

"آداب عرض" میں نے جواب دیا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ نرگس وہاں نہیں تھی۔ شاید وہ نیچے آنگن میں جمع عورتوں کو وداع کر رہی تھی۔

"آپ صرف چائے ہی پیتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں پانی بھی پیتا ہوں۔"

"ارے پینے کی تو اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔" سُکھ پال سنگھ بولا۔

"وہ ابھی اپنے مقدر میں نہیں" اُس نے جواب دیا۔

"ارے بھائی مقدر تو انسان خود بناتا ہے۔ وہ کیا شعر ہے شاعر مشرق علامہ اقبال کا؟" سری واستو نے کہا۔

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔"

"ارے یار یہ اقبال کے زمانے کی بات تھی۔ اب تو تقدیر کیا انسان بے چارا اپنے لئے ایک چھوٹا سا گھر بھی نہیں بنا سکتا۔ جہاں وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے لوگوں کو دھوپ اور ہوا اور بارش سے پناہ دے سکے۔ تم تقدیریں بنانے کی بات کر رہے ہو۔" یہ ہیر سیال کے وطن کے جگی سیال کا کونیٹ تھا۔ جگی کی بات سُن کر مجھے یاد آ گئے وہ اُجڑے ہوئے بے گھر لوگ جو جامع مسجد کے سامنے کھلے میدان میں سرِ شام رات گذارنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ وہ بھی تو انسان تھے۔ وہ بھی اپنے اپنے مقدر بنا سکتے تھے۔ لیکن کچھ بھی تو نہ کر پائے تھے بے چارے اب تک۔ اور لگتا تھا جیسے اُن کی اولاد بھی اپنے لئے کچھ نہ کر سکے گی۔ اور ایک دن فٹ پاتھ اور سڑکوں اور کھلے میدانوں کے یہ باسی اپنی غریب، قحط زدہ، بیمار اولاد کو لحدوں کے ہاتھ سونپ کر مر جائیں گے۔ اور انھیں بھی اُسی مقدر کی دولت دے جائیں گے۔ جسے وہ زندگی بھر اپنے کمزور ہاتھوں سے ٹٹولتے رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا اور ان نوجوانوں کے ٹولے کے مقابلے میں ایک کم عمر اور ناتجربہ کار تھا۔ اِس لئے وہ کم بولتا تھا۔ اور جب کبھی بولتا بھی تھا تو کوئی ایسی بات کہہ دیتا تھا جس کا سرا پکڑ کر

Scanned by CamScanner

دوسرے لوگ اُسے اور بھی اُلجھا دیتے تھے۔ مجھے وہ لڑکا اچھا لگا۔

اِسی دوران نرگس بھی چھت پر آگئی۔ وہ ہانپ رہی تھی۔

"تم کہاں چلی گئی تھی؟" میں نے والہانہ پوچھا۔

"اِس لئے کہ آپ ارشد کے دوستوں سے متعارف ہو سکیں!"

"ارے یہ تو تمھارے دوست سے بھی مل چکی ہیں۔" سری واستو نے جملہ اُچھالا۔

"سری واستو صاحب مجھے آپ کے مذاق بالکل اچھے نہیں لگتے۔" نرگس نے غصّہ سے کہا۔

"اِس لئے تو مذاق کرتا ہوں!"

"آئی ڈونٹ لائیک اِٹ!"

"وہ تو آپ نے اپنے پہلے جملے کا انگریزی میں ترجمہ ہی کیا ہے۔ کوئی نئی بات تو نہیں کہی!"

سری واستو کی اِس بات پر ایک بھرپور قہقہہ گونجا۔ مجھے لگا اِس میں نرگس شامل نہیں تھی۔ اور انور بھی نہیں۔ انجم کا کمزور قہقہہ البتہ اس میں گھُل گیا تھا۔

اور پھر جانے سب کی فرمائش پر کیوں میں نے فیض احمد فیض کی ایک غزل کے کچھ اشعار گا کر سُنائے۔

دل میں اب یُوں تیرے بھولے ہوئے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبے میں صنم آتے ہیں
ایک ایک کر کے ہوئے جاتے ہیں تارے روشن
میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں
کچھ ہمیں کو نہیں احسان اُٹھانے کا دماغ
وہ تو جب آتے ہیں مائل بہ کرم آتے ہیں
اور کچھ دیر نہ گذرے شبِ فرقت سے کہو
دل بھی کم دُکھتا ہے وہ یاد بھی کم آتے ہیں

اور پھر تالیاں گونجیں اور اِس طرح وہ شام جس کا سب کو صبح سے انتظار تھا غیر محسوس طور پر رات کی دہلیز پر تھک کر سو گئی۔ اُسے سوتا ہوا دیکھ کر سبھی مہمان، انجم اور نرگس کے دوست

ایک دوسرے کو آہستہ سے خدا حافظ کہتے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ جانے سے پہلے ایلین مجھے نیو ٹیسٹامنٹ کی ایک کاپی پیش کر گیا جس کے پہلے صفحے پر اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا۔

Ask, and you will Exercice,

Seek, and you will find,

Knock, and the door will be opened.

اور ترکمان گیٹ کی اندرونی آبادی کے ایک تنگ سے گھر میں جون مہینے کی ایک دوسری رات میرے سامنے تھی۔ اسی طرح مسہری پر بکھری ہوئی۔ جیسے وہ کل بکھری ہوئی تھی۔ اور اسے کسی نے نہیں سمیٹا تھا۔ وہ صبح تک اسی طرح بکھری رہی تھی۔ جیسے حسین کالے بال کسی نے شانے پر بکھیر دیئے ہوں اور کوئی ہاتھ انھیں سمیٹ کر کسی کے چہرے پر نہیں ڈال دیتا۔ اور جب میں اور انجم کمرے سے باہر آ گئے تھے تو وہ بکھری ہوئی نڈھال رات خود ہی کمرے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ اور اس دھوپ میں تحلیل ہو گئی تھی جو باہر چھت پر پھیل رہی تھی۔ اور جس میں دھیرے دھیرے حرارت بڑھنے لگی تھی۔ کل کی طرح آج بھی رات مسہری پر بکھری پڑی تھی۔ اپنی بھرپور نزاکتوں اور لطافتوں کے ساتھ۔ کل انجم ایک دم بے نیاز تھا لیکن آج شام کے مختصر سے فنکشن سے اس کے ذہن کو تسکین مل گئی تھی۔ آج وہ قدرے پرسکون لگتا تھا۔ اس نے مسہری پر اس بکھری بکھری رات کو دیکھا تو کھل اٹھا۔

"دیکھو رات کتنی حسین ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ تو کل بھی اتنی حسین تھی۔"

"لیکن کل میرے ذہن میں انتشار تھا۔"

"اور آج؟"

"اور آج اپنے دوستوں سے مل کر، اُن سے گفتگو کر کے، بنجامن کی نظمیں اور غزلیں سن کر اور پھر تمہاری مترنم آواز کا جادو پا کر میں مسحور ہو گیا ہوں۔ تم واقعی ساحرہ ہو۔"

اُس نے مجھے کوئی جواب دینے کی مہلت ہی نہ دی اور مجھے اپنی باہوں میں بھر لیا۔ مجھے لگا مسہری پر بکھری رات اب سمٹنے لگی تھی اور وہ سمٹتی گئی، کچھ اور۔ اور پھر وہ ایک نقطے پر مرکوز ہو گئی اور وہ نقطہ کھلی کھڑکی کے کچھ حصے سے آسمان میں چمکتے ہوئے چاند کی بے حد خوبصورت قاش میں

بدل گیا۔

اُسی لمحہ انجم نے جب کس کر مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا تو میری کلائی میں پڑی کانچ کی ایک چوڑی ذرا سی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر گر گئی۔ لگا جیسے چاند کی تاش آسمان سے ٹوٹ کر ہماری مسہری پر آگری تھی۔ اور پھر چاند کی یہ تاش اُٹھا کر انجم نے تکیئے کے نیچے رکھ دی اور چاند بجھ گیا۔ اور ستارے سو گئے اور کمرے میں اندھیرا ہو گیا اور ہمارے دلوں میں محبت کے چراغ جل اُٹھے جن کی روشنی سیکڑوں چاند ستاروں کی روشنی سے کہیں زیادہ تیز اور خُنک اور پیاری تھی۔

صبح ہونے کو ہوئی تو انجم نے تکیئے کے نیچے رکھی چاند کی تاش کو نکال کر کھڑکی کے پردے کے ساتھ ٹانک دیا اور کچھ دیر کے بعد اُس تاش میں سے روشنی کی شعاعیں پھوٹنے لگی تھیں۔ کہیں دنیا کے کسی حصے میں سورج نکل آیا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

"بھائی جان چائے لائی ہوں"

نرگس کی آواز تھی۔

انجم چپ سادھ کر لیٹ گیا اور ایک ادھوری سی کروٹ لے کر کمان کی طرح سمٹ گیا۔

دروازہ میں نے ہی کھولا۔

"آداب عرض" نرگس بولی اور اپنی عاشقانہ نظروں کا پورا حُسن مجھ پر انڈیل دیا۔ میں نے چائے کی ٹرے اُس کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ اندر چلی گئی۔ اور آتے ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"رات ہولی کھیلتے رہے ہو کیا؟"

میں گھبرا گئی۔ میں نے دیکھا انجم کے سفید چکن کے کرتے پر جگہ جگہ سُرخ نشان لگے تھے۔

"انور اچھا لڑکا ہے" میں نے شرارت سے کہا۔

"اِس کا میرے سوال سے کوئی تعلق نہیں"

"لیکن تم سے تو وہ اور ہر چیز جس کا تعلق تم سے ہے مجھے عزیز ہے" میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

Scanned by CamScanner

جبھی انجم نے کروٹ لی اور کہا۔

"یہ صبح صبح کیا تکرار شروع کر دی ہے۔ سونے تو دو"۔

"سونے کا وقت تو آپ نے جاگنے میں کھو دیا بھائی جان!" نرگس زور سے ہنسی اور پھر کمرے سے باہر بھاگنے کو ہوئی۔ انجم نے اُسے چوٹی سے پکڑ لیا۔

"یوں تو نہیں بھاگنے دوں گا تمہیں؟"

"اُوئی۔ اچھا معاف کر دو"۔ نرگس نے کہا۔

اور پھر انجم نے اُسے کھینچ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

"یہ میری عزیز ترین بہن ہے اور میری دوست بھی"۔

"مجھے معلوم ہے"۔

"اِس پر زندگی بھر اعتبار کرنا"۔

"کروں گی انجم"۔

اور پھر ہم تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے اور کھڑکی کے پردے اٹکی چاند کی تابش دھیرے دھیرے تمازت سے بھرپور آفتاب بنتی چلی گئی۔

"ابا نے کہا ہے۔ آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ درگاہ فیض الٰہی جانا ہے"۔ نرگس نے جانے سے پہلے کہا۔

"ابا کا حکم تو ماننا ہی ہوگا۔ لیکن اس سے ہماری گناہ گاری تھوڑی ختم ہو جائے گی۔؟"

"سوال گناہ گاری کا نہیں"۔

"خاندانی روایات کو قائم رکھنے کا ہے"۔ انجم نے جواب دیا۔

میں خاموش تھی۔ یہ اُن کا ذاتی مسئلہ تھا میری دخل اندازی کسی بھی طرح جائز نہ تھی۔ نرگس چلی گئی تو انجم نے کہا۔

"تمہیں یہ سب عجیب لگتا ہے۔ ایک ترقی پسند، ماڈرن نظریات کا ادیب اور کالج کا ایک لیکچرار اور مذہبی عقیدوں سے وابستگی"۔

"اس میں کچھ بھی تو عجیب نہیں۔ دنیا کے بہت بڑے بڑے لوگ بھی مذہب میں دلچسپی

Scanned by CamScanner

رکھتے رہے ہیں اور اب بھی رکھتے ہیں۔"

"تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ ورنہ یہ درگاہیں، یہ مندر، یہ تیرتھ استھان جو کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اب تک اُجڑ جاتے۔ انسان کی آخری پناہ گاہ شاید مذہب میں ہے۔ کوئی اِس پناہ گاہ میں جلدی پہونچ جاتا ہے کوئی دیر سے۔"

"لیکن پہونچتے سبھی ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔"

"اور خدا کے لئے اپنا یہ کُرتا اتارو۔ کیا ستیا ناس مار رکھا ہے۔ نرگس ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ ہولی کھیلتے رہے ہو رات بھر؟"

انجم کا کمزور قہقہہ گونجا۔

یہ شخص کھُل کر قہقہہ کیوں نہیں لگا سکتا ہے؟ یہ سوال کئی بار میرے ذہن میں آیا لیکن میں نے اُسے لبوں پر نہ آنے دیا۔ سوال ہونٹوں پر آجائیں تو اپنی شکل بدل لیتے ہیں اور اگر اُن کا جواب نہ ملے تو وہ مشعلوں کا روپ لے لیتے ہیں۔ یہ میری فیلڈ نہیں ہے۔ سوال اور اُن کے جواب۔ بہت سے دوسرے لوگ اِس فیلڈ میں کام کر رہے ہیں۔ بہتر ہے وہی مصروف رہیں اِس کام میں۔

میں نے جب نہانے کے لئے غسل خانے میں کپڑے اُتارے، تو اپنے جسم پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ لگا ایک ہی رات میں جسم کے رنگ کتنے بدل گئے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں اپنے ننگے جسم کے رنگوں کو نہیں کسی اور حسین اور جوان عورت کے سڈول بھرے ہوئے جسم کے مختلف زاویئے دیکھ رہی تھی۔ مرد کی ضرورت صرف ذہن کو ہی نہیں جسم کے سٹرکچر کو بھی تبدیل کر دیتی ہے، کافی دیر ہو گئی تھی مجھے غسل خانے میں بغیر ایک چلّو بھر پانی بھی گرائے۔ نرگس سوچتی ہوگی میں اندر کیا کر رہی تھی؟ میں نے یوں ہی پانی کے دو تین جگ اپنے اوپر ڈال لئے۔ اس گرم صبح میں جسم پر ٹھنڈا پانی ڈالنے سے بڑی راحت ملی۔ میں نے نل بھی کھول دیا۔ تاکہ ٹب میں پانی گرنے کی آواز بھی آتی رہے۔ پھر میں کھڑی ہو گئی۔ پل بھر کو آنکھیں بند کر لیں۔ اور سوچنے لگی کہ محبت کا جو انداز ہم ناولوں میں پڑھتے ہیں یا فلموں میں دیکھتے ہیں کتنا مصنوعی ہوتا ہے۔ کیا مرد اور عورت اِسی طرح سے ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں؟

لیکن انجم نے رات جس ڈھنگ سے مجھے پیار کیا تھا وہ نو بڑا مختلف اور لطیف تھا۔ میں اس کے پیار کی میٹھی میٹھی دھوپ میں اس طرح کھلی تھی جیسے نیم وا کلیوں کی پنکھڑیاں دھیرے دھیرے کھلتی ہیں۔ اور پھول بن جاتی ہیں۔ مجھے لگا ایک فن کار کا پیار بڑا طلسماتی ہوتا ہے ہر عورت کی زندگی میں کم سے کم ایک بار کسی فن کار سے ضرور پیار کرنا چاہیئے۔ تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ پیار کا کیا مرتبہ ہے اور اس کی کیا عظمت ہے۔ فن کار پیار نہیں کرتا پرستش کرتا ہے۔ جو ہر آدمی نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ ہر آدمی پرستش کرنے کے نا اہل ہے۔ پرستش شخصیت کا ایک پرتو ہے اور یہ تو بنا روشنی کے نہیں ہو سکتا۔ اور روشنی صرف طور سے ملتی ہے اور ہر ایک عام انسان کو وہ طور پر نہیں پہنچ سکتا صرف موسیٰ ہی پہنچ سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ پیغمبر ہے۔ اسی لئے فن کار بھی پیغمبر ہے کیوں کہ اس کے اپنے اندر طور کی روشنی ہے اور وہ صدیوں اس آگ میں جلتا ہے لوگ صرف جس کی روشنی کے جلوے کو ترستے ہیں۔ نانک، بدھ، عیسیٰ، یہ سب پیغمبر ہیں کیوں کہ وہ فن کار ہیں۔

باہر سے نرگس نے پکارا۔

"ساحرہ کیا کر رہی ہو اتنی دیر سے غسل خانے میں؟"

میں چونک اٹھی۔ کیا اس نے وہ سب کچھ محسوس کر لیا تھا۔ جو میں سوچ رہی تھی؟ میں نے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے ننگے جسم پر دھڑا دھڑ پانی کے مگ انڈیلنے شروع کر دیئے۔

پھر انجم بھی تیار ہو گیا۔

اس کے بعد نرگس بھی تیار ہو گئی۔

"پہلے درگاہ ہو آتے ہیں پھر ناشتہ کریں گے۔" اماں نے کہا۔

"ناشتہ مجھے کرنے میں کیا حرج ہے؟" انجم نے پوچھا۔

"تمہارے ابا کا حکم ہے۔"

"جانے کیوں ابا نادر شاہی حکم چلا رہے ہیں؟" وہ بولی۔

تھوڑی دیر کے بعد پہلے انجم، پھر نرگس، پھر اماں اور سب سے آخر میں میں گھر کی ڈیوڑھی سے باہر نکلی۔ نرگس بغیر برقعہ کے تھی۔ اماں نے سفید اور میں نے بھی جامنی رنگ کا برقعہ پہن رکھا تھا۔ اس گھر سے نکلنے میں میرا پہلا قدم تھا۔

Scanned by CamScanner

میں پرانی دلّی کے اس علاقے میں کبھی نہیں آئی تھی۔ آصف علی روڈ پر تو کئی بار آ چکی تھی۔ ڈی لائیٹ میں پکچر دیکھنے سے پہلے ہمیں کہیں "شمع" کا دفتر بھی تھا جس کے معمے حل کرنے کے لئے بڑے ابا بڑی محنت کیا کرتے تھے۔ اور آصف علی روڈ کے سامنے میں تو اِروِن اسپتال بھی تھا۔ ایک بار اپنی امّی کو لے کر اس اسپتال میں بھی گئی تھی۔ لیکن ترکمان گیٹ کے اندر کے علاقے سے میں بالکل ناآشنا تھی۔

جب ہم درگاہ فیض الٰہی پہنچے تو انجم کے ابا وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ انھوں نے انجم کے اور میرے ہاتھ سے سبز رنگ کا نیا غلاف چڑھوایا۔ چراغوں میں تیل ڈلوایا اور نیاز بانٹی اور دیر تک سجدے میں گرے رہے۔

"میرے بیٹے اور بہو کی حفاظت کرنا" انھوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ پھر انھوں نے ہم سب کو ایک ایک بتاشہ دیا اور ہم اُسی راستے سے جس سے گئے تھے واپس اپنے گھر آ گئے۔

میں نے ترکمان گیٹ کے اِس تاریخی علاقے کے ایک تنگ سے مکان میں بسنے والے معمولی لیکن خدا سے ڈرنے والے لوگوں کے درمیان اپنی نئی زندگی کی دوسری صبح کا آغاز کیا تھا۔ میں نے گھر کی ڈیوڑھی میں قدم رکھتے ہوئے نظریں جھکا کر خاموش ہونٹوں کی محراب میں ایک بے زبان دُعا کی۔

"خداوندا انجم اور مجھ پر اپنے کرم کے دروازے کھولنے میں گریز نہ کرنا۔"

تاریخ کے جتنے اہم موڑوں سے دِلّی گذری ہے دنیا میں شاید ہی اور کوئی ایسا شہر ہو جس نے اِتنے انقلاب دیکھے ہوں۔ انقلاب کا طوفان تو عوام کے اُوپر سے گذرتا ہے۔ دلّی تو صرف اپنی آنکھیں کھول کر اطمینان سے دیکھتی رہتی ہے کہ انقلاب کے دوران لوگوں پر کیا گذرتی ہے۔ وہ انقلاب چاہے ۱۸۵۷ کا ہو یا ۱۹۴۴ کا ہو یا پھر ۱۹۴۷ کا ہو یا اُس کے بعد کا کوئی انقلاب ہو۔ دِلّی تو صرف دیکھتا ہے اور اُس

Scanned by CamScanner

کے تاثرات کو تاریخ کے صفحوں میں منتقل کر دیتا ہے۔ جیسے کوئی عورت بچے کو جنم دینے کے بعد گیارہوں نہا کر پھر بن سنور کر پیا کا دل رجھانے کو تیار ہو جاتی ہے اور بھول جاتی ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت اُس پر کیا گذرا تھا۔ اِسی طرح دِلی بھی انقلاب کے لمحوں میں کرب کے ایک عارضی دور سے گذر کر دوبارہ اپنے تیں نقش سنوار کر کسی دوسرے انقلاب کا انتظار کرنے لگتی ہے۔ عورت تو پچاس ساٹھ برس کے بعد آخر کبھی تو بانجھ ہو جاتی ہے۔ دِلّی صدیاں گذرنے پر بھی بانجھ نہیں ہوئی اور لمحے لمحے پر اپنی کوکھ سے کسی نہ کسی انقلاب کو تاریخ کی جھولی میں ڈال دیتی ہے اور اُسے اِس بے نیازی سے دیکھتی ہے جیسے تاریخ کی گود میں پڑے اِس نوزائیدہ بچے سے اُس کا دور کا رشتہ بھی نہیں حالاں کہ وہ اُس کی ماں ہے اور اُس نے اُسے جنم دیا ہے۔ کیسی عجیب ماں ہے یہ دِلّی!

میں اُس صبح ہی بلی ماران سے اپنے ابا اور امی اور بڑے بھائی رحمان اور چھوٹی بہن ثریا سے مل کر ترکمان گیٹ کی بستی میں آئی تھی۔ رحمان اور ثریا مجھے چھوڑنے آئے تھے۔ میں دو دن کے لیے اُنھیں ملنے چلی گئی تھی۔ گھر میں نہ انجم تھا نہ نرگس نہ اُن کے ابا۔ صرف اماں تھیں۔ میں نے انھیں آداب کیا۔ اُنھوں نے رحمان اور ثریا کو بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور ابا اور امی کی خیریت پوچھتی رہیں۔

"انجم اور نرگس کہاں ہیں؟"

"دونوں دیوانے صبح سے غائب ہیں۔"

"اور ابا جان؟"

"وہ بھی کہیں گئے ہوئے ہیں۔ میں نے تمھیں کہا تھا نا کہ یہ دیوانوں کا ٹولا ہے۔"

"کچھ تو بتا کر گئے ہوں گے؟"

"آج عدالت نے کوئی فیصلہ سُنایا ہے۔ بس اُسی کی وجہ سے پاگل ہو رہے ہیں۔"

"میڈم کے الیکشن پٹیشن کا فیصلہ تھا۔"

"ارشد بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"اس کے بارے میں تو ریڈیو میں بھی خبر آ گئی ہے۔ جج نے میڈم کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔"

"بس خبر سنتے ہی تینوں بھاگ کھڑے ہوئے ناشتہ تک نہیں کیا کسی نے۔"

"دلّی کی تاریخ نے ایک نیا موڑ لیا ہے اماں جان"

"لگتا ہے تمہارا تعلق بھی اُسی ٹولے سے ہے۔"

اماں کی بات سُن کر میں ہنس دی۔ جنریشن کا یہ گیپ کتنا اہم اور کتنا پر معنی ہو سکتا ہے۔ ایک طرف انجم اور نرگس اور میں تھی۔ نئی نسل کے نمائندے دوسری طرف انجم کے ابا اور اماں تھیں۔ اور تیسری طرف رحمان اور ثریا تھے جو اس نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ جو ابھی پنپ رہی تھی۔ اور تاریخ کے اتنے اہم موڑ پر بھی اُن کی ذہنی سطح سے بہت اوپر تھے۔ لیکن انجم کے ابا تو بڑی دلچسپی رکھتے تھے سیاسی واقعات میں مجھے انجم نے بتایا تھا کہ وہ بڑے نیشنلسٹ نظریوں کے تھے اور تحریک آزادی میں گو انھوں نے ایکٹیو رول ادا نہیں کیا۔ لیکن وہ سدا تحریک آزادی کے حامی رہے تھے۔ اور دو قوموں کی تھیوری میں انھوں نے کبھی یقین نہیں کیا تھا۔ اور شاید اسی لئے وہ ملک کی تقسیم کے حق میں نہیں تھے۔ انجم نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد اُن کے چچا اور ان کا سارا خاندان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے تھے۔ اِدھر اُس کی اماں کے بھائی اور اُس کے بچے بھی ہندوستان چھوڑ گئے تھے لیکن انجم کے ابا اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے تھے۔ اماں نے بھی انھیں کئی بار ہندوستان چھوڑ دینے کو کہا تھا۔ لیکن وہ نہیں مانے تھے۔ اور ان دنوں جب دلی کے کچھ علاقوں میں بھی مذہبی پاگل پن کے زیر اثر کئی لوگوں نے بڑی وحشیانہ حرکات کی تھیں وہ اپنے نیشنلسٹ دوستوں کے ساتھ ایسے علاقوں کا دورہ کرتے تھے اور انھیں امن اور بھائی چارے سے رہنے کی تلقین کر گئے تھے۔ انجم نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ جب پاکستان سے مہاجروں کے قافلے پرانی دلّی کے اسٹیشن پر پہونچتے تھے تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی اُن اُجڑے ہوئے لوگوں کی خدمت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ انجم کے ابا ہی انسانی روشن قدریں لئے ترکمان گیٹ کی اس گنجان بستی میں آباد تھے۔ اور کریانے کی ایک چھوٹی سی دکان میں بیٹھے تمام دن کئی اخبار پڑھتے تھے اور جب اُن کے دوست آجاتے تھے تو دکان کے لکڑے پر بیٹھ کر شطرنج کھیلتے تھے۔ شطرنج کے بارے میں اُن کی یہ رائے تھی کہ یہ بڑا مہذب کھیل ہے اور اسے صرف مہذب اور متوازن ذہن کے لوگ ہی کھیل سکتے ہیں۔ جو دیر تک بیٹھ سکتے ہوں۔ اور سوچ سکتے ہوں۔ اور بازی ہارنے کا بھی لطف اُٹھا سکتے

ہوں۔ انھیں برج اور رمی سے بڑی چڑ تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ بڑے نامہذب کھیل ہیں کیوں کہ ان میں توزیع کم ہے جوئے بازی زیادہ ہے اس کے باوجود وہ بڑے مذہبی قسم کے انسان تھے۔ نماز اور روزے کے سختی سے پابند تھے اور ہر صبح قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اسلام مساوات میں یقین رکھتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھ کر دیتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

انجم کے ابا اور اماں میں نظریاتی اختلاف تھا لیکن وہ بنیادی طور پر دلی کے ایک شائستہ گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور بے حد پُر اخلاق اور باتمیز خاتون تھیں اور پانچوں وقت نماز پڑھتی تھیں۔ جب مسلمان ہندوستان چھوڑ کر جانے لگے اور خود اُن کا بھائی اور اُن کا سارا خاندان دلی سے جانے لگا تو وہ بھی پاکستان جانے پر بہت بضد تھیں۔ ابا انھیں دن رات سمجھاتے رہتے تھے اور آدھی رات تک حجت کر کے رہتے تھے۔ وہ کچھ دیر کے لئے تو قائل ہو جاتی تھیں۔ لیکن بعد میں اُن کا دل پھر ڈانواڈول ہونے لگتا تھا۔ انجم نے انہی دنوں کا ایک واقعہ سُنایا تھا جسے اُس نے بھی اماں سے کچھ ہی برس پہلے سُنا تھا۔

اماں کو حضرت نظام الدین اولیا سے بڑی عقیدت ہے۔ جب بے حد سمجھانے پر بھی وہ پاکستان جانے پر ہی بضد رہیں تو ابا۔ انھیں ایک دن حضرت کی درگاہ پر لے گئے۔ جب وہ درگاہ سے باہر نکلے تو کہا :

"حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ تمھیں پاکستان میں نہیں ملے گی۔"

ابا اُن کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکتے تھے کیوں کہ وہ برقعہ میں تھیں۔

"یہ جو تم بیٹے کے لیے منتیں مانتی ہو۔ یہاں سے چلی جاؤ گی تو کہاں مانو گی ؟"

اماں پھر بھی خاموش تھیں۔

"کیا معلوم تمہاری اس بار کی مانی ہوئی منت قبول ہو جائے"

"دس برس میں تو قبول نہیں ہوئی۔ اب کیا ہو گی۔" اماں نے بڑے اُداس لہجہ میں جواب دیا تھا۔

Scanned by CamScanner

"تم حضرت کے کرم سے انکار کرنے لگی ہو"؟

"وہ کیسے کر سکتی ہوں۔"

"آج بیٹے کے لئے منت مانی ہے تم نے"؟

"نہیں۔"

"تو جاؤ منت مان کر آؤ۔ اس بار قبول ہو گی۔"

جانے اماں کے دل میں کیا آیا۔ وہ دربار حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ پر سجدہ گذارنے گئی اور منت مان کر آئیں اور اُسی رات اماں نے خواب میں دیکھا گھر کے آنگن میں ایک پیارا سا بچہ کھیل رہا تھا بس اُس کے بعد انھوں نے پاکستان جانے کا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔

انجم نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"ارشد اس طرح اِس جان میں وارد ہوا تھا۔"

"تم بھی جاتے ہو حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ پر؟"

"ہاں۔ سال میں ایک بار ضرور جاتا ہوں۔ عُرس کے دنوں میں۔ اس بار تمھیں بھی لے چلوں گا۔"

انجم کی اماں کا یہ سوال کہ میرا تعلق بھی دیوانوں کے اُسی ٹولے سے تھا جس سے انجم کے ابا انجم اور نرگس کا تعلق تھا۔ میری سوچ کے دھارے کو کچھ لمحوں کے لئے دوسری طرف لے گیا تھا میں واقعی چند لمحوں کے لئے وہاں نہیں تھی۔ جہاں میں درحقیقت موجود تھی۔ مجھے یہ خیال ہی نہ ہوا تھا کہ میں انجم کی اماں سے بات کر رہی تھی۔ اور میرے سامنے رحمان اور ثریا بیٹھے تھے جو گھر جانے کو تیار ہو رہے تھے۔

"اماں جان لگتا ہے رفتہ رفتہ میرا تعلق بھی اسی ٹولے سے ہو جائے گا۔"

میں نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

جب میں رحمان اور ثریا کی ڈیوڑھی کے کواڑ کھٹاک سے کھلے اور انجم اور سری داستو داخل ہوئے۔

"تم کس وقت آئیں؟"

"تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔"

Scanned by CamScanner

"یہ اپنی اماں جا رہا تھا۔ میں نے کہا پہلے دوپٹا تو دیکھ لو۔ شاید بھابی وہاں پہونچ گئی ہو"
سری واستو نے کہا۔
"اکیلی آگئی تھیں؟"
"نہیں رحمان اور ثریا ساتھ آئے تھے؟"
"کہاں ہیں؟"
"ابھی ابھی واپس گئے ہیں"۔
"نرگس نہیں لوٹی ابھی؟"
"نہیں"۔ اماں نے جواب دیا۔
"تمہارے ساتھ نہیں گئی تھی کیا؟"
"گئے تو ہم دونوں اکٹھے تھے لیکن پر وہ الگ ہو گئی تھی کیوں کہ مجھے کسی دوسری جگہ جانا تھا"۔
"اماں جان چائے پلاؤ"
"بہت چائے پیتے ہو تم سری واستو" اماں نے کہا۔
"توان کے مہینے میں بھی چائے نہیں پیئوں گا تو کب پیئوں گا؟"
اماں باورچی خانے میں چائے بنانے چلی گئیں۔
"چلو یار ادھر چلتے ہیں۔ تم بھی آجاؤ ساحرہ" انجم بولا۔
"آپ لوگ چلیں میں چائے لے کر آتی ہوں"۔
انجم سری واستو کو ساتھ لے کر اوپر کی منزل میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب میں چائے لے کر پہونچی تو دونوں میں گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔
"یار جج نے کمال کر دیا"۔
"اس کا مطلب ہے ابھی عوام عدالتوں پر بھروسہ کر سکتے ہیں"۔
"لیکن ایک طرف تو اس نے میڈم کے خلاف فیصلہ دیا اور دوسری طرف اسے stay بھی دے دیا"۔

"تاکہ اگر وہ چاہے تو اونچی عدالت میں اپیل دائر کر سکے۔"

"نہیں اس لیے کہ اسے اقتدار سے نہ ہٹنا پڑے۔"

"دونوں ہی پہلو ہیں۔ لیکن تمہارا کیا خیال ہے میڈم اقتدار سے دست بردار ہو جائے گی؟" انجم نے پوچھا تھا۔

"ہرگز نہیں"

"لیکن اخلاقی طور پر تو اسے ایسا کرنا چاہیئے۔"

"انجم صاحب سیاست میں جس روز اخلاق کو پہچاننے والے لوگ آ گئے، سیاست تیرتھ استھان بن جائے گی۔" سری واستو کہہ رہا تھا۔

میں پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے ہنس دی۔

"آپ تو بھائی صاحب پھر کبھی اُدھر کا رُخ نہ کریں گے"

"بالکل نہیں دھرم استھانوں سے مجھے قطعی کوئی دلچسپی نہیں۔ سیاسی لوگ مندر تو بنا سکتے ہیں اُن میں جا کر پوجا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں؟"

"اس سے آتما شدھ ہوتی ہے اور سیاسی آدمی اپنی آتما شدھ کرنے کے جھگڑے میں پڑ جائیں تو سیاست اُن کا ساتھ چھوڑ دے گی۔"

"تم آتما کے جھگڑے کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ اب ہوگا کیا؟" انجم نے گرم گرم چائے اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"یار ہونٹ جل گئے" سری واستو چلایا۔

"بس یہی سیاست ہے۔ سیاسی آدمی اتنی گرم چائے کبھی نہیں پیئے گا۔ پیالی کو اپنے سامنے پڑا رہنے دے گا۔ اور اُس وقت جا کر کہیں ایک آدھ گھونٹ لے گا۔ جب دوسرے لوگ اپنے ہونٹ اور زبانیں جلا چکے ہوں گے۔"

"تو اس کا مطلب ہے ساحرہ بھابی بڑی کامیاب سیاست والی ہے اس نے اپنی پیالی میں چائے ڈالی ہی نہیں۔"

Scanned by CamScanner

"ہمارے ہونٹ جلنے کا تماشہ تو دیکھ رہی ہے"

میں انجم کی بات سُن کر ہنسی۔

"نہیں یہ بات نہیں" میں نے خالی پیالی میں اپنے لئے چائے انڈیل لی۔

"اب ہوگا یہ کہ مخالف پارٹیاں میڈم کو گدی چھوڑنے کے لئے کہیں گی"

"اور وہ اُسے اور مضبوطی سے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرے گی"

"ہاں اور یہی سیاست ہے اگر اُس نے اس وقت اقتدار کو چھوڑ دیا تو پھر ہمیشہ کے لئے گدی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ گدی کے بہت سے دعوے دار ہیں"

"اور اگر بیس دن کے بعد اونچی عدالت نے بھی فیصلہ بحال رکھا تو؟" انجم نے پوچھا۔

"تم تو یار اس طرح سوال کر رہے ہو جیسے میں بڑا کامیاب سیاست دان ہوں"

"صرف تمہاری ذاتی رائے پوچھ رہا ہوں"

"تو پھر میڈم کے لئے گدی چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا" سری واستو نے کہا۔

"اُس صورت میں کیا ہوگا بھائی صاحب؟"

"شطرنج کے سبھی مہرے بکھر جائیں گے"

"اُس لمحہ نیچے سے انجم کے ابا کی آواز آئی"

"لو ابا آ گئے ہیں شطرنج کے مہروں کے بارے میں اُن سے زیادہ واقفیت کسی کو نہیں ہو سکتی"

پھر ابا بھی انجم کے کمرے میں آ گئے۔ میں سر جھکا کر باہر نکل آئی اور چائے کی خالی پیالی لینے نیچے چلی گئی۔ انجم ڈھنگ سے بیٹھ گیا اور جھٹ سے اپنی سگرٹ سلگ ڈالی۔ سری واستو بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

میں تھوڑی دیر میں پیالی لے کر آئی اور اُس میں چائے ڈالنے لگی تو ابا بولے۔

"نہیں بیٹی میں چائے نہیں پیتا"

مجھے پہلی بار انکشاف ہوا کہ ابا چائے بھی نہیں پیتے تھے۔

"تم بیٹھو ساحرہ" انجم نے کہا۔

"نہیں میں جاتی ہوں۔ نرگس بھی آگئی ہے۔ میں تینوں کو چھوڑ کر باہر نکلنے لگی تو انجم نے کہا۔

"ابا کے لئے نیبو پانی بنالاؤ"۔

نیچے جاکر معلوم ہوا کہ گھر میں نیبو نہیں تھا۔ مجھے برا لگا کہ ابا کو ہماری غفلت کی وجہ سے جون کی اس کڑکتی ہوئی دوپہر میں نیبو پانی بھی نہیں ملتا۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ آئندہ میں ان معاملات میں چوکس رہوں گی۔ جب نرگس اور میں مٹکے میں سے جگ میں پانی ڈال کر اور تین چار خالی گلاس لے کر اوپر پہونچی تو ابا بول رہے تھے۔

"حکمراں پارٹی کے برسر اقتدار لوگوں نے تو دھڑا دھڑ میڈم کے حق میں پیغامات بھیجنے شروع کردیئے ہیں۔ اُن کا مشورہ ہے کہ گدی ہرگز نہ چھوڑی جائے"۔

میں اور نرگس پانی کی ٹرے ایک طرف رکھ کر دیوار کے ساتھ لگی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ میں سیٹ پر بیٹھی تھی اور نرگس کرسی کے بازو پر۔ پانی کی طرف کسی کا دھیان نہیں تھا۔

"وہ بڑی ہشیار سیاست داں ہے وہ اب دوسروں سے کہلوائے گی کہ اُسے گدی نہیں چھوڑنی چاہیئے"۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ خود کہہ بھی دے کہ وہ اقتدار سے چمٹا نہیں رہنا چاہتی تاکہ اُس کی پارٹی کے لوگ اور مستعدی سے اُسے گدی سے چمٹائے رکھیں"۔ ابا کہہ رہے تھے۔

"آپ کن کن لوگوں سے ملے ہیں ابا جان؟"

"میں تو بھائی اپنے شطرنج کے کھلاڑیوں سے ہی ملا ہوں"۔

"وہ کیا کہتے ہیں؟ انجم نے پوچھا۔

"اُن کا خیال ہے کہ ابھی کچھ دیر کوئی بھی مہرہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا"۔

"اور اس بیچ میں کسی نے بساط ہی اُٹھا دی تو؟" سری واستو نے قہقہہ لگایا۔

"وہ دوسری بات ہے"۔

Scanned by CamScanner

نرگس اور میں بہت دیر تک ابا، انجم اور سری واستو کی آپسی بحث دلچسپی سے سنتی رہیں۔ انھوں نے خود ہی گلاسوں میں پانی ڈال کر پینا شروع کر دیا تھا۔

"بنیو گھر میں بنیو نہیں تھا ابا جان!" میں نے کہا۔

"میں پچھلے پینتیس برسوں سے جانتا ہوں انجم کی ماں کو۔ تم بنیو کی بات کر رہی ہو۔ کبھی کبھی تو گھر میں پانی بھی نہیں ہوتا۔" وہ ہنسے۔

"نہانے کا یا پینے کا؟" سری واستو نے مسکرا کر پوچھا۔

"اکثر تو نہانے کا البتہ گرمیوں کے دنوں میں پینے کا بھی۔"

"اس بھی کا جواب نہیں ابا جان"۔ سری واستو زور سا ہنسا اور اس ہنسی میں ہم نے بھی اپنا کمزور سا قہقہہ شامل کر دیا۔

دوپہر کا کھانا سری واستو نے ہمارے یہاں کھایا۔

"گوشت کھانا ہو تو مسلمان کے گھر میں کھانا چاہیئے۔"

"کیوں"؟

"ہندو بے چارہ تو دال ہی پکا سکتا ہے۔"

"دال میں کیا برائی ہے آخر؟" نرگس نے سوال کیا۔

"دانے حاصل کرنے کے لیے بڑی گہری ڈبکی لگانی پڑتی ہے۔" وہ بولا۔

"اور تو کوئی برائی نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کئی بار کنکر بھی آ جاتے ہیں۔"

"پھر تو واقعی بڑی دقت ہوتی ہے۔" انجم بولا۔

"اور اس وقت میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ سب لوگ مجھے یک کنکر سمجھ رہے ہیں۔"

"ہم سب نہیں صرف نرگس!" انجم بولا

"تو اس لئے اب ہم نہیں رکیں گے۔"

سری واستو کھانے کے بعد فوراً ہی چلا گیا۔ دراصل اس کے دل میں اب ابال آ رہے تھے وہ اب سڑکوں پر گھومے گا اور لوگوں سے ملے گا اور معلوم کرے گا کہ عوام کا عدالت کے فیصلے کے بارے میں

کیا رد عمل تھا۔

یہ بات غالباً بارہ جون ۵ء کی تھی۔

اُس کے بعد تو کئی دنوں تک اخباروں اور ریڈیو پر جو خبریں آئیں اُن سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ صرف اسی کی پارٹی کے لوگ ہی نہیں بلکہ عوام بھی یہی چاہتے تھے کہ میڈم اقتدار سے دست بردار نہ ہو ۔ اُن کی کوٹھی کے سامنے ہر روز لوگ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو کر بلند آواز میں میڈم کے حق میں نعرے لگاتے تھے۔ اور میڈم بھی کم سے کم ایک بار ہجوم کے سامنے ضرور آتی تھی۔ اور انھیں یقین دلاتی تھی کہ وہ اُن کے جذبات کی قدر کرتی تھی۔ اور انہی کی خاطر وہ نوکری سے دست بردار نہیں ہوگی۔ ایک بار تو اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ عدالت کے فیصلے سے زیادہ اہم فیصلہ عوام کا تھا اور وہ عوام کے فیصلے کو ہی مانے گی۔ پھر ایک بار اُس نے ایسی ہی ایک ریلی کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "جب کبھی بہت بڑا طوفان آتا ہے تو چھوٹے چھوٹے پرندے پناہ ڈھونڈنے کے لئے بھاگتے ہیں لیکن شاہین طوفان کے اوپر پرواز کرتا ہے"۔

اُن دنوں اخباروں میں اور ریڈیو میں نہ صرف ہندوستان کے ہی بلکہ باہر کے سیاست دانوں کے بھی جو بیانات چھپتے یا نشر ہوتے تھے اُن سب میں یہی کہا جاتا تھا کہ میڈم کو کسی بھی حالت میں دست بردار نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن لوگوں کی آواز جو میڈم کو نوکری چھوڑنے کے لئے کہہ رہے تھے دوسری آواز کے مقابلے بڑی کمزور تھی۔ اس لئے کہ ایسی آواز کو میگنی فائی قائم کرنے کے سادھن انھیں میسر نہ تھے یہی وجہ تھی کہ کمزور آواز میڈم کی کوٹھی کے سامنے گونجتے ہوئے بلند نعروں میں ڈوب جاتی تھی اور بہت دور تک نہ جا پاتی تھی۔

لیکن آواز کبھی نہیں مرتی۔ آواز امر ہے اور لافانی ہے۔

وہ آواز فٹ پاتھ پر دم توڑتے ہوئے کسی بھکاری کی ہو یا کسی فاقہ کش مزدور کی ہو یا پھانسی پر چڑھتے ہوئے کسی مجاہد کی ہو یا بڑ کے درخت کے نیچے نروان پا ایک رہنے والے کسی پیغمبر کی ہو۔ آواز گونجتی ہے تو پھر دبتی نہیں۔ اور اس دور کے ایسے ہی ایک مسیحا کی کمزور آواز کہیں دھیرے دھیرے اُبھر رہی تھی۔

جب تک یہ آواز ماحول کے گنبدوں میں گونجتی اور زیادہ اونچی ہو سکتی اور بھی تو بہت کچھ ہوا تھا۔

میڈم کا ایک بڑا ہی خوب صورت شرمیلا سا بیٹا تھا جسے لوگ ولی عہد بھی کہتے تھے اور پرنس بھی۔ ولی عہد اس لئے کہ لوگوں کا خیال تھا کہ میڈم کے بعد اُس کا یہ خوب صورت بیٹا ہی گدی کا وارث ہوگا۔ لوگ پرنس اس لئے کہتے تھے کہ وہ واقعی شہزادہ لگتا تھا۔ اور شہزادوں کی طرح لگتا تھا اور شہزادوں کی طرح ہی پروان چڑھا تھا۔ یہ ایک ایسا موقعہ تھا جب پرنس کا عوام سے ایک سیدھا رشتہ قائم ہو سکتا تھا۔ اور اس صدی میں حکمرانوں کو عوام سے رشتہ جوڑنا ہی چاہیئے۔ اِسی میں اُن کی سلامتی ہے۔

چنانچہ اب میڈم کی حمایت میں جو بھی جلسے ہوتے اُن سب میں پیش پیش پرنس ہی ہوتا۔ عدالت کے ایک فیصلے نے جہاں ہندوستان کی جمہوری قدروں کو ایک نیا موڑ دیا تھا۔ وہاں پرنس کو بھی ایک قومی رہنما بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی وہ خود حیران ہوتا کہ رات کی رات میں وہ کہاں سے کہاں پہونچ گیا تھا۔ یہ سب کیسے ہُوا تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا۔ اتنا کچھ جاننے کی اُسے ضرورت بھی نہیں تھی اور اُس کے لئے اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا۔ جب لمحوں نے اُسے ایک اونچا مقام حاصل کرنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا تو وہ کیوں بے کار کی الجھنوں میں اپنا وقت ضائع کرے۔ اور اس نے وقت بالکل ضائع نہیں کیا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہیرو بن گیا۔ لوگ اس کی آواز پہچاننے لگے تھے اور اُس کی فہم و فراست کی قدر کرنے لگے تھے۔

دن رات ریلیاں ہوتی تھیں۔ جھنگڑے ڈالے جاتے تھے۔ عورتیں اور مرد اور طالبات، رکشا چلانے والے، کارخانوں کے مزدور، ایڑیاں گھسنے والے، دانشور اور ادیب اور فلم ساز سبھی تو میدان میں آ گئے تھے۔ اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اُنھیں میڈم کی قیادت پر اٹوٹ اعتماد تھا اور اس نازک دور میں ملک کو اس کی ضرورت تھی۔ اخباروں میں یا تو ان جلوسوں کی تصویریں ہوتی تھیں یا پرنس اور اُس کے خوش امدیوں کی تصویروں کے اقتباسات ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اُس زمانے میں ہم نے اخبار پڑھنا ایک طرح سے چھوڑ ہی دیا تھا۔

انجم اور مہرہ، واستو اور سکھ پال سنگھ اور ایلن دن بھر گھومتے رہتے تھے اور اتنی خبریں لے آتے تھے کہ اخباروں میں دوبارہ اُنہیں دہرائے جاتے ہوئے دیکھنے میں کوفت ہوتی تھی۔

ایک ایسی ہی ریلی کو دیکھ کر آئے تھے یہ لوگ اور اب ہمارے گھر میں بیٹھ کر بحث کر رہے تھے۔

"تو کیا خیال ہے یاروں کا آج کی ریلی کے بارے میں"؟ انجم اپنی سگرٹ سلگا کر سوال کر رہا تھا۔

"وہی روزمرّہ کا پیٹرن ہے۔ نیا تو کچھ بھی نہیں تھا"۔ ایلن کہہ رہا تھا۔

Scanned by CamScanner

"آج کی ریلی میں سکھ بہت تھے۔ لگتا تھا سارا پنجاب دہلی میں آ گیا تھا۔"
شکھ پال سنگھ نے کہا۔
"یار یہ پنجابی لوگ بھنگڑا بڑا اچھا ڈالتے ہیں" سری واستو نے کہا۔
"پنجابی بڑے جاندار ہوتے ہیں۔ کھانا پینا لڑنا اور جینا بس یہی لوگ تو جانتے ہیں۔"
شکھ پال نے کہا۔
"پنجاب کی بات کرو تو کتنا جوش میں آ جاتا ہے یہ سردار۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"ارے دلی والو، ہمیشہ ہمیں نے باہر کے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا ہے۔" دہلی کے بادشاہ تو رنگ رلیوں میں ہی مست رہتے تھے۔ شکھ پال سنگھ طیش میں آ گیا تھا اور وہ اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو ایک ہاتھ سے مروڑنے لگا تھا۔
مجھے بڑی ہنسی آ رہی تھی۔ اس سکھ نوجوان میں کتنا پختہ جذبہ تھا مجھے لگا جیسے میں شہید بھگت سنگھ کے ساتھی سے بات کر رہی تھی۔ ملک کے ڈھکے چھپے نوجوان ایسے کتنے ہی بھگت سنگھ گمنامی میں جی رہے ہوں گے۔
"تم کہو آج کی ریلی کے بارے میں کچھ سری واستو۔"
"بھائی بات یہ ہے ماں بیٹے نے لوگوں کو پاگل بنا ڈالا ہے۔ اس طرح موڑا جاتا ہے عوام کی سوچ کو۔ کوئی سوچتا ہی نہیں کہ جینے کے کئی دوسرے پہلو بھی ہیں لوگ جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ نعرے لگا رہے ہیں۔ اور گرمی کے اس موسم میں سڑکوں پر دیوانہ وار گھوم رہے ہیں۔"
"اس کا تو کریڈٹ دینا چاہیئے پرنس کو۔" ایلین بولا۔
"ڈس کریڈٹ بھی تو ملنا چاہیئے کسی کو"۔ انجم نے کہا۔
"ڈس کریڈٹ تو ہم جیسے لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو دانشور کہتے ہیں اور یونیورسٹیوں میں پڑھاتے ہیں اور دنیا کی تاریخ اور دوسرے ملکوں کے انقلابات پر بڑے بڑے وزنی لیکچر جھاڑتے ہیں۔ ہم سب بھی تو خاموش ہیں۔" سری واستو کہہ رہا تھا۔
"مجھے یقین ہے اونچی عدالت کے فیصلے کے بعد حالات ایک دم پلٹا کھائیں گے۔" انجم نے رائے دی۔
"ہو سکتا ہے۔ ادھر گرو دیو کی آواز بھی تو سنائی دینے لگی ہے۔ لوگ گرو دیو کی بہت عزت

کہتے ہیں۔"

"اس کی دی ہوئی قربانیاں لاثانی ہیں۔"

"اتنے خوفناک ڈاکوؤں کو بلا شرط سرنڈر کروالینا" گرودیو کا کام تھا۔ ایلین نے کہا جو گورودیو کا بھگت تھا۔

"پر ہتھیار والے سپاہی ڈاکوؤں کو سرنڈر کروانا بہت مشکل ہے ایلین" سکھ پال سنگھ بولا۔

"اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اگر غلط ذرائع استعمال کئے جائیں تو کچھ دیر کے بعد مقاصد بھی غلط ہو جاتے ہیں۔"

"انجم صاحب یہ سیاسی جنگ ہے اصولوں کی جنگ نہیں۔"

"لیکن اصولوں کا قتل تو تمام روشن انسانی قدروں کا قتل ہوگا۔ سری واستو۔"

"تو کیا کریں ہم لوگ؟" ایلین نے سوال کیا۔

"ویٹ اینڈ واچ" انجم بولا۔

پھر یہ ٹولہ بکھر گیا۔ سری واستو، سکھ پال سنگھ اور ایلین چلے گئے۔

اُس رات انجم بڑا پریشان تھا۔

یں نے کئی بار اُس سے ملاقات کرنے کی کوشش کی لیکن اُس کا موڈ بے حد بگڑا ہوا تھا۔

پھر اُس نے نرگس کو اُس کے کمرے سے بلایا۔

"نرگس تمہارے فرنٹ کی کیا چیز ہے؟"

"ارشد اس وقت تو لوگوں کے ذہنوں پر اُن لوگوں کا تسلط ہے۔ اقتدار جن کے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن فیض کا شعر سنا ہے تم نے۔

اے خاک نشینوں اٹھو بیٹھو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے جب تاج اچھالے جائیں گے

تخت گرانے اور تاج اچھالنے کا زمانہ ابھی دور ہے بھیا۔"

"دور نہیں ہے۔ انہیں دور نظر آتا ہے جن کی نظریں صرف پاس کے سنگ میل پر ہی مرکوز ہیں۔

Scanned by CamScanner

ورنہ وہ زمانہ بہت دور نہیں۔"

"میرے دوستوں کو تو اُن کے ماں باپ نے گھومنے پھرنے سے منع کر دیا ہے۔"

"کیوں؟"

"کہتے ہیں کہ حالات ٹھیک نہیں۔"

"عوام میں اگر یہ احساس جاگ جائے کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں اور انھیں بدلنا چاہیئے تو سمجھو ایک سماجی انقلاب کی داغ بیل پڑ گئی۔"

"نرگس کو بھی کہو گھر میں بیٹھا کرے۔ دن بھر گھومتی رہتی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ کچھ روز تم ساحرہ کو اُس سارے پس منظر سے روشناس کراؤ جس سے ہم سب ان دنوں سے گذر رہے ہیں۔ گفتگو سے، کتابوں سے، مطالعے سے ساحرہ بھی تو ہماری شریک کار ہے۔"

"ٹھیک ہے ارشد۔"

پھر نرگس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

انجم بہت دیر تک مجھ سے بدلے ہوئے سیاسی حالات کے بارے میں بات کرتا رہا۔ گویا ڈکٹیٹر یک مائنڈڈ والا آدمی تھا وہ اس گھڑی اُس کے سامنے عدالت کا فیصلہ تھا 'میڈم تھی' پر فلس تھا۔ اور ہزاروں لوگ تھے جیسے ایک ہی تیز دھارے میں بہے جا رہے تھے۔ اور یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہے تھے۔ اور کس کنارے پر لگیں گے اُسے شاید یہ یاد ہی نہیں تھا کہ اُس کے ساتھ والے پلنگ پر اُس کی نئی بیاہتا جوان اور خوب صورت بیوی لیٹی تھی۔ جسے اُس نے کچھ ہی روز پہلے ترکمان گیٹ کی شہزادی کا لقب دیا تھا۔ اور جو سینکڑوں ارمان لئے اُس کی توجہ کی خواہاں رہتی تھی۔ پھر وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور جسم کو پورے پلنگ پر پھیلا دیا۔ پنکھے کی آواز بہت اونچی تھی۔

"کل صبح یہ پنکھا بدلوا دیں بڑی واہیات آواز دیتا ہے۔" اُس نے کہا لیکن اپنی آنکھیں بند ہی رکھیں۔

"سر میں درد ہے کیا؟"

"ہاں"

"دن بھر دھوپ میں مارے مارے جو پھرتے ہو"

"نہیں اُس کی وجہ سے نہیں"

"اور کس کی وجہ سے ہے؟"

"تمہاری وجہ سے"

"تو میں تمہارے لئے سر درد کا باعث ہوں؟"

"ہاں" اُس نے آنکھیں کھول دیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ماتھے پر دھر لیا۔ میں نے اُس کے ماتھے کو دھیرے دھیرے دبانا شروع کیا۔

"تمہارا ماتھا تو تپ رہا ہے۔"

"نہایا جو نہیں تھا شام کو۔"

"تو اب نہا لو۔ تازہ دم ہو جاؤ گے"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ ایک دم اٹھا اور تولیہ لے کر غسل خانے میں نہانے چلا گیا۔ یہ آدمی کتنا سادہ اور معصوم اور بے لوث تھا۔ اُس کے جانے کے بعد میں سوچتی رہی۔

نہا کر آنے کے بعد اُس نے اپنے جسم پر ٹیلکم پاؤڈر چھڑکا۔ بالوں میں کنگھی کی۔ اور لنگی باندھ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ اب اُس کے جسم سے بڑی پیاری سی خوشبو آ رہی تھی اور وہ بڑا پُرسکون نظر آ رہا تھا۔

"اب تو سر میں درد نہیں ہے؟"

"نہیں" وہ مسکرایا اور اُس نے مجھے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے میرے بال کھول دیئے اور انہیں اپنے چہرے پر بکھیر لیا۔ پھر بالوں کی کچھ لٹوں کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے گرد لپیٹنے لگا پھر اُس نے ایک لمبی گہری سانس لی اور کہنے لگا

"اس وسیع اور لامحدود زندگی میں بیٹھی ہے تو کتنا چھوٹا ہو جاتا ہے۔"

میں اُس کے سینے پر اپنا چہرہ ڈالے پڑی رہی۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا پھر اُس نے انگلیاں

میرے ہونٹوں پر بھیرنا شروع کر دیں اور کہنے لگا۔

"کائنات کے گھر سے میں بھی نہ سما سکتی ہوئی زندگی اس وقت دلّی کی ہماری اِس پرانی بستی کے ایک گھر کے اس چھوٹے سے کمرے میں سمٹ آئی ہے اور میری اور تمہاری بانہوں میں سما کر سو گئی ہے"۔

"ابھی تو جاگ رہی ہے وہ"۔

"کون جاگ رہی ہے؟"

"تمہاری اور میری بانہوں میں سمٹی ہوئی زندگی۔" میں نے انجم کے کانوں میں سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"اتنی آہستہ کیوں بولتی ہو؟"

"وہ کہیں سُن نہ لے"

"کون؟"

"وہی جو اس وقت ہماری بانہوں میں سمائی ہے"۔

"کیا نہ سُن لے؟"

"یہی کہ ہم اُس کی بات کر رہے ہیں جو تمام کائنات میں بکھری پڑی ہے"۔

"اور ہمیں نظر نہیں آئی"۔ وہ بولا۔

"نظر تو آتی ہے لیکن گرفت میں نہیں آتی"۔

"حُسن اور خوشبو اور دھوپ اور چاندنی کبھی کسی کی گرفت میں آتی بھی ہیں؟"

"آتی ہیں" میں نے کہا۔

"کیسے؟" وہ اچانک سنبھل گیا اور میرا چہرہ اپنے سینے سے اُٹھا دیا۔

"ایسے" اور میں نے اپنے ہونٹ اُس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے اور میرے بال ایک بار پھر اُس کے چہرے پر بکھر گئے۔ اور ایک گھنگھور گھٹا اُس کے ذہن پر چھا گئی اور جب وہ خاموشی سے کھل کر برسی تو اس کا تھکا ہوا ذہن اور تسلایا ہوا جسم نکھر گیا۔

رات کو تھکا ہوا انجم اگلی صبح ایک دم تر و تازہ اور خوش نظر آ رہا تھا۔

"آج تو بہت خوش نظر آ رہے ہو ارشد؟" نرگس نے چائے کی پیالی بناتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں۔ باوجود اتنی مجبوریوں اور مایوسیوں کے زندگی بے حد خوب صورت ہے۔"

"ساحرہ کی تعریف کر رہے ہو؟"

"اِٹ اِز اے دے۔" اُس نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا اور میں شرما گئی۔ کتنی انڈر سٹینڈنگ تھی انجم اور نرگس میں!

اگلے کچھ روز میں نرگس مجھے پچھلے دو تین برسوں کے سیاسی حالات کے بارے میں بڑے اِن فارمل طریقے۔ سے بتاتی رہی تھی۔ میرے لئے بڑے اہم ثابت ہوئے۔ ایسے اِن فارمل طریقوں سے بھی انسان کتنا کچھ سیکھ سکتا ہے یں یہ اُن دنوں جانا۔ گورو دیو جی کی عمر اُس وقت ستّر برس سے بھی اوپر تھی اُسی وقت ہندوستان کی جنگ آزادی کے سپہ سالار رہے تھے پھر اُنھوں نے سیاست سے ایک دم کنارہ کشی کر لی۔ اور خدمت خلق کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ اور اپنے ساتھیوں کے بے حد اِصرار پر بھی ملک کی سیاست میں شامل ہونے سے انکار کرتے رہے۔ حالانکہ وہ کبھی کبھی شدت سے محسوس کرتے تھے کہ بابائے قوم مہاتما گاندھی نے جن اصولوں کی خاطر اپنی تمام زندگی صرف کر دی تھی وہ بڑی بے رحمی سے ختم کئے جا رہے تھے۔ اور جمہوریت کے نام پر کچھ ایسے قدم اُٹھائے جا رہے تھے جو سراسر غیر جمہوری تھے۔ اُنہیں اس کا بہت رنج ہوتا تھا۔ پچھلے دو تین برسوں سے اُنھوں نے بڑی سنجیدگی سے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ جب تک نئی نسل کے نمائندے آگے بڑھ کر غیر جمہوری قوتوں کا مقابلہ نہیں کریں گے ملک کی روشن روایات برباد ہو جائیں گی۔ نئی نسل کے نمائندوں میں نوجوان دانشور اور طلبا بھی شامل تھے۔ اگر یہ نسل جن کے ہاتھوں میں ملک کا مستقبل سونپا جانے والا تھا اِس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ کئے گئے تو وہ اتنی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا نہ ہو سکیں گے۔

اِسی دوران میں حالات نے ایک عجیب کروٹ لی اور کوئی ڈیڑھ سال پہلے گجرات کے علاقے میں خوراک کا مسلہ بڑی نازک صورت اختیار کر گیا۔ وجوہات کوئی بھی ہوں لیکن یہ حقیقت تھی گجرات میں عوام کو جو اِس غذائی سنکٹ کا سامنا کرنا پڑا وہ ناقابل برداشت تھا۔ اناج کی قیمتیں اِس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ایک عام آدمی کے لئے دو وقت کی روٹی جُٹانا مشکل ہو گیا تھا۔ حکومت کی طرف سے بے چارگی کا اظہار تھا۔ وہ عوام کی تکالیف کا کوئی خاطر خواہ حل نہ کر سکی۔ اس کے ساتھ ہی طلبا میں

Scanned by CamScanner

خاصی بے چینی بڑھ گئی۔ اُن کے خوراک کے بل بہت بڑھ گئے۔ والدین پہلے ہی نالاں تھے وہ اپنے لڑکوں کے اخراجات کیسے برداشت کرسکتے تھے۔ کچھ پارٹیوں کے رہنما گورودیو کے پاس گئے اور انہیں کہاکہ وہ اس کڑے دور میں اُن کی قیادت کریں۔ گورودیو نے یہ بات قبول نہیں کی اور کہاکہ وہ تو بیس سال پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ کسی سیاسی پارٹی میں حصّہ نہیں لیں گے۔ لیکن انھوں نے یہ بات بڑے واضح طور سے کہی کہ عوام کے سامنے کوئی تعمیری پروگرام رکھا جانا چاہیئے اور کسی بھی منفی پالیسی کو مرتب نہ کیا جائے۔ انھوں نے یہ بات بھی کہی کہ جو بھی پروگرام مرتب کیا جائے وہ عدم تشدد کی بنیاد پر ہو اور امن اور جمہوری قدروں کا علم بردار ہو۔

گجرات کے حالات اتنی نازک صورت اختیار کر چکے تھے کہ عوام میں بے حد غم و غصّہ تھا چناں چہ کچھ پارٹیوں نے جگہ جگہ پروٹیسٹ کئے اور کالجوں کے طالب علموں نے بھی اپنے حقوق کے لئے آواز اُٹھائی۔ نتیجے کے طور پر گجرات اسمبلی کے بہت سے نمائندوں نے استعفےٰ دے دیئے۔ پہلے تو وزارت ٹوٹی پھر اسمبلی بھی ٹوٹ گئی۔ گجرات کی یہ تحریک نئی نسل کے نمائندوں کی ایک طرح سے پہلی کامیاب تحریک تھی۔

مجھے لگا نرگس نے ملک کے سیاسی حالات کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ وہ مجھے اس طرح سمجھا رہی تھی جیسے کالج کے کسی فرسٹ ایر کے اسٹوڈنٹ کو سمجھایا جاتا ہے۔ نرگس سے ہی مجھے معلوم ہوا کہ گجرات کی اس تحریک کے ساتھ ہی ساتھ بہار میں بھی ایسی ہی تحریک شروع ہو گئی تھی۔ اسباب تقریباً وہی تھے جو گجرات میں تھے۔ یہاں بھی خوراک کی اشیاء کی قلت، حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی قیمتوں اور بے روزگاری نے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ طلبا بے حد تکلیف میں تھے۔ گجرات کی کامیاب تحریک نے عوام کے عزم کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ چناں چہ سیاسی پارٹیاں متحد ہو کر ان حالات کو ختم کرنا چاہتی تھیں۔ گورودیو سے رہنمائی کی درخواست کی تو انھوں نے کہا کہ نوجوان طبقہ ہی کو سامنے آکر ان حالات کو بدلنے کے لئے بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ جس کی وجہ سے عوام پریشان تھے۔ وہ رہنمائی تو نہیں کریں گے البتہ اُنھیں مشورہ ضرور دیتے رہیں گے۔ سماج میں جب مجموعی انقلاب نہیں ہوگا حالات نہ بدل سکیں گے۔ جگہ جگہ پروٹسٹ ہونے لگے۔ طلبا نے اپنے خیالات حکومت کے سامنے رکھے۔ اسمبلی کے نمائندوں نے استعفےٰ دینے شروع کر دیئے۔ وزارت کو

Scanned by CamScanner

مستعفی ہو جانے کا اور اسمبلی کو توڑ دینے کا مطالبہ کیا گیا اور ایک نیا نعرہ سامنے آیا کہ جنتا سرکار اور جنتا عدالتیں بنائی جائیں۔ ظاہر تھا کہ موجودہ طرزِ حکومت میں عوام کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔

اس پس منظر میں جب گورودیو نے تحریکِ آزادی میں انگریز مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ لگ بھگ نصف صدی کے بعد ایک بار پھر پورا انقلاب کا جھنڈا اپنے مخصوص ہاتھ اُٹھا کر تخریبی اور غیر جمہوری قوتوں کو للکار رہے تھے۔ لیکن اب اُن کے کندھے کمزور ہو چکے تھے۔ اور اُن کی آواز میں وہ پہلی سی گرج بھی باقی نہ رہی تھی۔ لیکن اُن کا عزم مضبوط تھا اور بابائے قوم کے عدم تشدد کے اُصول اُن کے سامنے تھے۔ کشمیر سے کنیا کماری تک پھیلے ہوئے عوام اُن کی آواز کو پہچان رہے تھے۔

اس کمزور آواز کو پرنس کی رہنمائی میں منظم کی ہوئی پُر شور ریلیوں کے باوجود لوگ سُن رہے تھے۔ اور ان کے پیغام کو سمجھنے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ اور پھر اچانک ایک دن یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ رام پور گراؤنڈ میں ایک عظیم ریلی ہونے والی تھی جسے گورودیو خطاب کریں گے۔ یہ خبر سری واستو لایا تھا جس کی تصدیق سکھ پال سنگھ نے بھی کی۔ اس رات انجم کے ابا نے اپنے گھر میں اپنے خاندان کے افراد میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"وہ مردِ مجاہد جو اتنے برسوں سے خاموش تھا ایک بار پھر میدان میں آ گیا ہے"۔

"اس سے کیا ہوگا ابا جان؟" نرگس نے پوچھا۔

"بہت بڑی تعداد میں لوگ تصویر کا دوسرا رُخ دیکھ سکیں گے۔ پرنس کی ریلیاں تو تصویر کا ایک ہی رُخ پیش کر رہی ہیں"۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے گورودیو کی ریلی ہونے ہی نہ دی جائے"۔ انجم بولا۔

"ہو سکتا ہے۔ اس سے حالات اور بھی خراب ہوں گے"۔ ابا نے کہا۔

"تم نے تو دنیا بھر کے حالات کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ تمام دن دُکان کھلی پڑی رہتی ہے۔ اور تم اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہو"۔ اماں نے انجم کے ابا کو جیسے ڈانٹ سا دیا تھا۔

"ارے نہیں۔ دُکان بھی کھلی رہتی ہے اور وہاں شطرنج کے کھلاڑی بھی جمع ہوتے ہیں"۔

ہم سب ہنس دیئے۔

Scanned by CamScanner

"بس شطرنج کھیلو اور لیکچر جھاڑو۔ باقی سب کچھ جائے بھاڑ میں۔"

"نیک بخت سب کے سامنے کیوں اپنے راز فاش کر رہی ہو۔"

"چوراہے میں ہنڈیاں پھوڑ رہی ہے اماں"۔ نرگس نے ہنس کر کہا۔

"چوراہے میں ہنڈیاں تو پرسوں پھوٹے گی جب یہیں ترکمان گیٹ کے سامنے رام پور گراؤنڈ میں ساری دنیا تماشہ دیکھے گی"۔

اماں خوش ہو گئیں جانتی نہیں کہ ابا سے بحث کرنا ایک دم فضول تھا۔

"میں اور ساحرہ بھی جلسے میں جاتیں ابا جان؟" نرگس نے پوچھا۔

"تم کیا کرو گی وہاں جا کر؟" انجم بولا "یہیں چھت پر کھڑی ہو کر گورودیو کی تقریر سن لینا۔

"وہاں جانے میں کیا حرج ہے؟" وہ بولی۔

"حرج ہو سکتا ہے"۔ انجم نے کہا۔

"مجھ سے پوچھتیں تو میں جلسے کی اجازت دے دیتا۔ تم نے غلط آدمی کی طرف رجوع کیا۔"

"اب آپ سے پوچھ لیتی ہوں"

"اب میرا جواب بھی وہی ہو گا جو انجم کا تھا"۔ ابا بولے

"بڑے ہشیار ہیں آپ ابا جان"!

"بس یہی سیاست ہے کوئی صحیح بات نہ کرو۔"

"یہ میں ہی ہوں جو پینتیس سال سے نباہ کر رہی ہوں۔ کوئی اور ہوتی ــــــ؟"

ابا نے اماں کی بات کاٹ دی۔

"چھوڑ دیا کر دیتی؟"

"وہ بھی نباہ ہی کرتی"۔ انجم نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ گھریلو بحثیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ شروع کہاں سے ہوئی ہیں اور ختم کہاں جا کر ہوئی ہیں۔ بات گورودیو کی ریلی کی ہو رہی تھی اور تان جا کر ٹوٹی۔ ابا اور اماں کی خانگی رنجش پر۔

اس سے اگلے روز تو پاسہ ہی پلٹ گیا۔

Scanned by CamScanner

اونچی عدالت نے میڈم کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔

اب اس کے اقتدار سے دست بردار ہو جانے کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔

پھر اُس کے اگلے روز بیرونی حملے اور اندرونی اُتھل پتھل سے ملک کے تحفظ کی آڑ لے کر ملک بھر میں ایمرجینسی کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔

اِس خبر کو سنتے ہی عوام کی سوچ کے دو دھارے ہو گئے

ایک دھارا وہ تھا جو سمجھتا تھا کہ ایمرجینسی کا اعلان ملک کے مفاد کے لئے بے حد ضروری تھا۔ یہ دھارا زیادہ مضبوط تھا۔ اِس نظریئے میں یقین رکھنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ سوچ کا دوسرا دھارا اُن لوگوں کا تھا جو سمجھتے تھے کہ ایمرجینسی کا اعلان شخصی آزادی اور جمہوری قدروں کو ختم کرنے کے لئے بڑی مہلک چوٹ تھی۔ یہ دھارا اتنا مضبوط نہیں تھا۔ اس نظریئے میں یقین رکھنے والے لوگوں کی تعداد کم تھی۔ کیوں کہ یہ وہ لوگ تھے جو دیانت داری سے سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسے لوگ چوں کہ ویسے ہی اقلیت میں ہوتے ہیں اس لئے یہ نظریہ ایک طرح سے اقلیت کا نظریہ تھا۔

اُس سے اگلے روز ہم سب نے میڈم کی آواز سُنی۔ اُس نے ایمرجینسی کو نافذ کئے جانے کے جواز میں بہت ساری دلیلیں دی تھیں۔ اور اُس کے ساتھ ہی دوسروں کے لئے تحریر اور تقریر کی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اب بولنے اور لکھنے پر پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔ اخباروں میں چھپی خبریں اب سینسر کے باریک کپڑے سے خوب چھن کر آیا کریں گی۔ کسی نے کیا کہا ہے اور کس جگہ کیا ہوا ہے۔ اُس کی حقیقت کے بارے میں کوئی کچھ نہ جان سکے گا۔

اُس روز ہمارے گھر میں ایک بار پھر انجم اور نرگس کے دوست اکٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دیانت داری سے سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اس لئے اقلیت میں تھے۔ اِن میں سری واستو، جگی، ایلا، شکھ پال، شانتا یوانہ، انور اور شبنم شامل تھے۔ یہ سب لوگ جوان تھے اور مختلف طبقوں اور مذہبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن وہ سب ایک تھے۔ کیوں کہ اُن کے مقاصد ایک تھے اور اُن کی تمنائیں ایک تھیں اور اُن کے مستقبل کے خواب ایک تھے۔ وہ ایک ہی چاند کی کرنوں سے ٹھنڈک اور سکون حاصل کر لئے تھے۔

Scanned by CamScanner

اور ایک ہی سورج سے حرارتِ زندگی اور توانائی پائی۔ تب تھے وہ ایک تھے کیوں کہ انہیں انسان کی سالمیت اور شرافت اور عظمت پر یقین تھا۔ اور اسی یقین کے سہارے وہ بڑی سی بڑی جدوجہد میں شریک ہو سکتے تھے اور بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے تھے۔ وہ سب میڈم کی تقریر سُن کر آئے تھے اور سبھی ایک جگہ بیٹھ کر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔

آج کا موقع کتنا مختلف تھا۔

یہی لوگ تو کچھ روز پہلے میری ری سیپشن پر بھی آئے تھے۔ لیکن وہ ایک تقریب تھی آج کوئی تقریب نہیں تھی۔ صرف ایک لمحے کی بات تھی۔ ایک کاز کا سوال تھا۔ ایک نظریاتی اُتھل پُتھل کا موقع تھا۔ وہ سب ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے تھے کہ ضروری تھا۔ کسی نے کسی کو بلایا نہیں تھا۔ کوئی دعوت نامہ نہیں بھیجا گیا تھا۔ وہ سب یہاں تھے کہ انہیں یہاں ہونا ہی تھا۔ سبھی ایک ہی بار نہیں آئے تھے۔ سب سے پہلے سری واستو آیا تھا۔ اور سب سے آخر میں شبنم۔ دونوں کے آنے کے وقت میں تقریباً گھنٹہ بھر کا فرق تھا۔ جو جو آتا گیا نرگس اُسے چائے کی پیالی پیش کرتی رہی۔ سری واستو اور انجم اکٹھے ہی آئے تھے۔ سری واستو کھدر کا پاجامہ کرتا ہی پہنے ہوئے تھا۔ اسے یہ لباس کچھ زیادہ ہی پسند تھا۔ وہ نیچے برآمدے میں ہی کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ نرگس اور میں بھی پاس بیٹھی تھیں۔ اماں پڑوس میں کسی کام سے گئی ہوئی تھیں۔

"سیاست سیکھنی ہو تو اس عورت سے سیکھو۔ کیا پینترہ مارا ہے ظالم نے"

"کل کی ہونے والی گورو دیو کی ریلی تو سمجھو ختم"۔ میں نے سری واستو کی بات سُن کر کہا۔

"تم دیکھتی جاؤ کیا کیا گل کھلیں گے ابھی" انجم نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایمرجنسی نافذ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" نرگس نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ حکومت بہت سارے لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر صرف ایک شخص کے ہاتھ میں چلی جائے۔"

"اس نے تو سارے دعوے دار ہی ختم کر دیئے"۔ انجم بولا۔

"ارے ایک دعوے دار اب بھی باقی ہے"۔ سکھ پال سنگھ نے صحن میں داخل ہوتے ہی انجم کی بات سُن لی تھی۔

"آؤ یار۔ کرسی کھینچ لو۔ انجم نے کرسی کی طرف اشارہ کیا"۔

"کون ہے دوسرا دعوے دار بھائی صاحب؟" نرگس نے پوچھا۔

"ولی عہد۔ پرنس چارلس اور کون؟"

سکھ پال سنگھ کے جواب پر سبھی ہنس پڑے۔

تھوڑی دیر کے بعد شانتا پوار نہ آگئی اور نرگس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بانہوں میں لے لیا۔

"یہ پنجاب کا چاند کہاں آگیا؟"

"دلی کی اندھیری گلیوں میں" شانتا پوار نہ کی بات سن کر انجم اور سری واستو اور سکھ پال سنگھ بھی کرسیوں سے اٹھ گئے۔

"یہ اس لئے تو نہیں آئی کہ آپ سب اٹھ جائیں"۔

"جب اندھیرے سے عورتیں شخصی آزادی پر قبضہ کرنے لگی ہیں اسے دیکھتے ہوئے تو ہمیں صرف اٹھنا ہی نہیں بلکہ بھاگ نکلنا چاہیئے" سکھ پال سنگھ بولا۔

"پنجابی کی رگ پنجابی ہی جانتا ہے"۔ سری واستو بولا۔

"اور بہاری کی؟" شانتا پوار نہ نے سوال کیا

"اس بے چاری کی رگ ہوتی ہی نہیں۔ کہاں ہوتی ہے جو چاہے اسے اتار لیتا ہے"۔

ایک کرسی کا اور اضافہ ہوگیا۔ اور حلقہ ذرا کھل گیا۔

"ایک کرسی کا اور انتظام کرلو۔ جگی بھی آرہا ہے۔ مجھے راستے میں مل گیا تھا" شانتا پوار نہ نے انکشاف کیا۔

جب تک جگی آیا سری واستو، شانتا اور سکھ پال سنگھ آپس میں نوک جھونک کرتے رہے۔ جگی کے آتے ہی سماں بدل گیا۔

"کہاں اٹک گئے تھے راستے میں تم؟" انجم نے پوچھا۔

"یار ایک گرل فرینڈ مل گئی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ملی تھی کم بخت۔ ادھر نہ آنا ہوتا تو آج اسے پکڑے جاتا"۔

"اسے بھی یہاں لے آتے" سکھ پال سنگھ بولا۔

"مجھے اپنے مستقبل کا بھی خیال ہے"۔

"اور ملک کے مستقبل کا خیال نہیں"؟

"وہ تو سالا بڑا ڈارک ہے۔ اُس کے لئے اپنا فیوچر بھی کیوں خراب کیا جائے"۔

جگی سیال نے بڑا بے باک قہقہہ لگایا۔

"تمہارے نامہ نگار کی تازہ خبر کیا ہے"؟ سری واستو نے سوال کیا۔

"لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی ہے"۔

"سچ جگی صاحب!" نرگس نے بڑی ایکسائٹڈ ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں!" اس نے بڑے سکون سے جواب دیا اور پھر چائے پینے میں مصروف ہو گیا۔

پھر اپن اور انجم اکٹھے داخل ہوئے۔

دو کرسیاں اور بڑھ گئیں۔ دوستوں کا حلقہ اور وسیع ہو گیا۔

"گھر سے اکٹھے چلے تھے یا راستے میں مل گئے ہو"؟ نرگس نے شرارت سے پوچھا۔

"میں گھر سے چلا تھا شبنم راستے میں مل گئی"۔

"ایمرجنسی کے اعلان نے آج ویسا ہی ہنگامہ کر دیا جیسا میری ری سیپشن کے دن ہوا تھا"۔ میں نے کہا۔

"بس یہ آخری ہنگامہ سمجھو"۔ سری واستو بولا۔

"کیوں بھائی صاحب"؟

"اب پانچ سے زیادہ آدمی اکٹھے نہ ہو سکیں گے"۔

اور پھر انور آ گیا۔

اُسے دیکھ کر مجھے لگا جیسے اُس چھوکرے کو سیاست سے تو کم دلچسپی تھی۔ نرگس سے زیادہ تھی۔ وہ تو آنے کے لئے کسی بہانے کی تلاش میں رہتا تھا۔

"تم بھی آدھمکے"؟ سری واستو نے چھوٹتے ہی کہا۔

انور بے چارہ شرما گیا۔

"آؤ انور کہو کیسے ہو"؟ انجم بولا اور ایک آخری خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا جو برآمدے

میں پڑتی تھی۔

"کوئی اور دوست آگیا تو کرسی اوپر سے لانی پڑے گی"۔ میں بولی۔

"انور کے بعد اب کوئی نہیں آئے گا"۔ سری واستو بولا۔

"وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا

پھر اُس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی"۔ شبنم نے میر کا شعر پڑھا۔

انور بے چارہ اور بھی جھینپ گیا۔ نرگس کو بڑا غصہ آرہا تھا لیکن وہ خاموش تھی۔

اس قسم کی سنجیدہ اور غیر سنجیدہ بحث جانے کب تک چلتی رہتی کہ انجم کے ابا آئے۔ انھیں دیکھ کر ہم سب کھڑے ہو گئے۔

"لو بھائی گورو دیو اور اُن کے بہت سے ساتھی گرفتار کر لئے گئے ہیں"۔

"کب؟" انجم نے پوچھا۔

"ایک قابل اعتبار آدمی نے تھوڑی ہی دیر پہلے خبر دی ہے"

"یہ تو ہونا ہی تھا ابا جان"۔ سری واستو بولا۔ "اچھا کبھی پھر چلیں گے"۔

یہ کہتے ہوئے وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا اور پھر دھیرے دھیرے سبھی چلے گئے۔

جگی سیال، سکھ پال سنگھ، شانتا یونانہ، ایلن، شبنم، انور۔

"کالج تو بند ہیں تم دوسرے چوتھے روز اِدھر آتے رہنا"۔ انجم نے انور سے کہا۔

"جی اچھا" اور وہ آداب کر کے چلا گیا اور میں نے دیکھا نرگس کی آنکھیں ڈیوڑھی تک اُس کا ساتھ دیتی رہی تھیں۔

اور پھر ایلن بھی جانے لگا۔ ڈیوڑھی پر پہونچ کر رک گیا۔

"بھابی نیو ٹیسٹامینٹ کے پہلے صفحے پر جو لائنیں میں نے لکھی تھیں کبھی کبھی انہیں پڑھ لیا کرو۔"

"کیا لائنیں تھی یار، ہمیں بھی سناؤ"

ایلن نے اپنی کمزور دھیمی آواز میں وہ سطور دہرائیں اور اُس کے گلے میں چمکتا ہوا کراس اور بھی زیادہ چمکنے لگا۔

Scanned by CamScanner

Ask, and you will receive,
Seek, and you will find,
Knock, and the door will be opened.

"بیوٹی فل ایلن"۔ انجم نے کہا اور پھر انجم اور نرگس اور میں اُسے ڈیوڑھی تک چھوڑنے گئے۔

"ارادے کا کتنا مضبوط لڑکا ہے ایلن" میں نے کہا اور انجم میری تائید میں مسکرا دیا۔ جیسے کسی ریمارک پر بزرگ لوگ شفقت سے مسکرا دیتے ہیں۔

اُس رات انجم کے ابا بے حد پریشان تھے۔ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے بھی وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق رہے۔ کھانا بھی بہت کم کھایا۔ سب سے پہلے اُٹھنے لگے تو نرگس نے پوچھا۔

"ابا جان آج آپ بڑے پریشان لگ رہے ہیں؟"

"ہاں بیٹی۔"

"کیوں؟" انجم نے پوچھا۔

"لگتا ہے حالات ایک غیر متوقع کروٹ لینے والے ہیں۔ جمہوری قدروں پر جو وار ہو رہے ہیں وہ بڑے مہلک ہیں۔"

"لیکن یہ تو سماجی عمل ہے۔ انفرادی عمل تو نہیں جس سے آپ پریشان ہوں۔"

"تم تو تاریخ پڑھاتے ہو اس لئے مجھ سے بہتر جانتے ہو گے کہ سماج اور فرد کے ایک دوسرے پر ردعمل مختلف اوقات پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ کبھی سماج ایک طوفان کی طرح افراد کو اپنی لہروں میں بہا لے جاتا ہے۔ اور کبھی چند افراد ایک پورے سماجی ڈھانچے کو ہلا دیتے ہیں۔"

"اور اس وقت ایک فرد پورے سماج پر حاوی ہونا چاہتا ہے"۔ انجم بول اُٹھا۔

"اور اسی لئے وہ افراد جو اس عمل کو سماج کے منافی سمجھتے ہیں اس وقت بڑی ذہنی اذیت میں ہیں۔"

"اور آپ اُن افراد میں سے ایک ہیں؟" میں نے کہا۔

"ہاں بیٹی۔ اور اسی لئے پریشان ہوں۔"

"تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے ابا جان؟" نرگس نے سوال کیا۔

Scanned by CamScanner

اپنی انفرادی جدوجہد جاری رکھنا چاہیئے؟

میں نے دیکھا انجم کی اماں بڑی فکرمندانہ نظروں سے ابا کو دیکھ رہی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا اماں ان کے مزاج کو اچھی طرح جانتی تھیں اور اب شاید اندازہ ہی کر رہی تھیں کہ ابا کا کیا ردِعمل ہوگا۔ اچانک انھوں نے ابا سے سوال کیا۔

"یہ شطرنج لپیٹ کر کیوں لے آئے ہو اپنے ساتھ؟"

"دیکھا تمہاری اماں کتنی ہوشیار ہے۔ یہ سوال تم میں سے کسی نے نہیں کیا"! ابا بولے اور پھر ہنس دیئے اور پھر کہنے لگے۔

"سوچا آج گھر میں بساط جمائی جائے اور دیکھا جائے کہ کون سا مہرا کہاں فٹ ہوتا ہے۔"

ابا شطرنج کو اس طرح لپیٹ کر کبھی گھر نہیں لائے تھے۔ کم سے کم جب سے میں اس گھر میں آئی تھی انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔

"ابا جان مجھے شطرنج کھیلنا سکھا دیجئے" میں نے کہا۔

"ضرور سکھائیں گے۔"

"کب؟"

"ذرا میں اپنے مہروں کو ٹھیک ٹھاک کر لوں"۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے شاید اُنہیں خیال تھا کہ میں کوئی اور سوال کر ڈالوں گی اور وہ اس وقت بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے تھے۔ پھر وہ اماں سے مخاطب ہوئے۔

"میں ذرا دکان تک جا رہا ہوں"

"اِس وقت؟"

"ہاں ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔"

ابا یہ کہہ کر ڈیوڑھی سے باہر نکل گئے۔

"آج ابا جانے کیوں اتنے بے چین ہیں؟" نرگس بولی۔

"جب کبھی اُنہیں کوئی بڑا ہی اہم فیصلہ کرنا ہوتا ہے وہ اسی طرح بے چین ہو جاتے ہیں"۔ اماں نے جواب دیا۔

Scanned by CamScanner

"ایسا کیا اہم فیصلہ ہے جو ابا کو بھی کرنا ہے"؟ نرگس نے پوچھا۔

"وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔ شاید اُن کا کوئی دوست کسی مشکل میں ہو اور اُسے اُن کی مدد کی ضرورت ہو"۔ اماں نے جواب دیا۔

انجم نے مجھے ایک بار بتایا تھا کہ ابا اپنے دوستوں کی خاطر اپنے آپ کو بڑی سے بڑی مشکل میں ڈال دیا کرتے تھے۔ اُن کے گھر کی آدھی چیزیں تو اُن کے دوستوں کے کام آتی تھیں۔ شروع شروع میں اماں اُن کے اس رویئے پر ناراض بھی ہوتیں۔ لیکن رفتہ رفتہ عادی ہو گئیں اور سمجھ گئیں کہ جس آدمی سے اُس کا نکاح ہوا ہے وہ صرف اس لئے اپنے آپ کو نہیں بدلے گا کہ اُسے گھر کی چار دیواری میں سب سے کٹ کر صرف ایک عورت سے نباہ کرنا ہے جو اتفاق سے اُس کی شریک حیات بن گئی ہے۔

لیکن یہ جو پریشانی اور بے چینی میں نے آج ابا کے چہرے پر اور اُن کی گفتگو میں دیکھی تھی وہ کسی ایسے مسئلے سے متعلق نہیں تھی جو بالکل انفرادی اور شخصی ہو۔ چوٹ بہت گہری تھی۔ غم بہت شدید تھا۔ اور مسئلہ بڑا نازک تھا۔ گفتگو میں جملوں کے پھلجھڑیاں بکھیرنے والا شخص ایک دم کتنا بدل گیا تھا۔ میں ابا کے بارے میں سوچتے ہوئے اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر کے بعد انجم بھی آ گیا وہ بھی پریشان لگ رہا تھا۔ اُس نے بھی ابا کو اس قدر بے چین اور اُکھڑا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"اس وقت ابا دُکان پر کیا کرنے گئے ہیں!"

"میں خود حیران ہوں۔"

"ذرا دیر کو چلے کیوں نہیں جاتے تم دُکان پر؟ دیکھو تو سہی ابا کیا کر رہے ہیں دُکان پر اس وقت۔"

"نہیں وہ ناراض ہو جائیں گے۔ انھیں یہ پسند نہیں کہ کوئی اُن کے کاموں میں خلل انداز ہو"۔ میں خاموش ہو گئی۔ ظاہر تھا کہ انجم اپنے ابا کو مجھ سے زیادہ جانتا تھا۔ اور اُن کے مزاج سے مجھ سے زیادہ واقف تھا۔ اُس نے تو اُن سے کبھی تکرار نہ کی تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے وہی کرتا تھا۔ اُس نے اُن کی کسی بات کی کبھی تردید نہ کی تھی۔

انجم اور میں باہر چھت پر کھڑے تھے اتنے میں نرگس بھی اوپر آ گئی۔

Scanned by CamScanner

"ارشد اس وقت ابا کہاں گئے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"اماں بہت فکرمند ہیں۔"

"اس لئے کہ وہ ابا کو ہم سے زیادہ جانتی ہیں اور ابا کے ساتھ اُنھوں نے ہم سے زیادہ زندگی گذاری ہے"۔ انجم بولا۔

ہم تینوں، انجم، نرگس، اور میں بہت دیر تک اس پریشانی کی حالت میں چھت پر کھڑے رہے اور پھر ہم نے دیکھا ابا ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر نیچے کے تنگ سے صحن میں داخل ہوئے تھے۔ وہ نیچے نہیں رُکے سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر ہی آگئے۔

"ارشد میری یہ کچھ چیزیں سنبھال کر رکھ لو۔ بلکہ انہیں ساحرہ کے حوالے کر دو۔ وہ سنبھال لے گی" اُنھوں نے ایک پوٹلی سی میرے آگے کر دی۔

"اس میں کیا ہے ابا جان"؟

"یہ تم بعد میں کھول کر دیکھ لینا"!

پھر وہ ایک دم نیچے جانے کی سیڑھیوں کی طرف پلٹے۔ پھر واپس آگئے۔

"ساحرہ ابھی اس گھر میں نئی ہے۔ نرگس، تم دونوں ہی ان چیزوں کو سنبھال لینا"۔ اُنھوں نے نرگس سے کہا۔

وہ پھر سیڑھیوں کی طرف مڑے اور پل بھر کو دوبارہ ہماری طرف لوٹ آئے۔

"ارشد کل صبح اماں کو حکیم صاحب کے پاس لے جانا۔ اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔

اِدھر ابا جلدی سے سیڑھیاں اُتر کر نیچے چلے گئے۔ ہم تینوں انجم کے کمرے میں آگئے۔ میں نے ابا کی دی ہوئی پوٹلی کو تپائی پر رکھا۔ اور انجم نے اُس میں ترتیب سے رکھے ہوئے کاغذات کو نکال کر دیکھنا شروع کیا۔

ترتیب سے رکھے ہوئے بہت سے خطوط کی نقلیں
کچھ لوگوں کے پتے
رقومات کی تفصیل جو اُن کے ذمے واجب الادا تھیں۔

Scanned by CamScanner

اماں کے لئے دوائیوں کے نسخے۔
ایک کاپی نما نوٹ بک جو اُن کی ڈائیری تھی
بنک اور پوسٹ آفس کی پاس بکس اور ایک چیک بک
اور ایک لفافے میں نوٹوں کا ایک پلندہ۔

میں نے اشتیاق کے طور پر اباکی ڈائری اُٹھالی۔ اور اس کے صفحے اُلٹنے لگی۔ آخری اندراج آج کی تاریخ کا تھا۔ لگتا تھا اُنھوں نے اب دُکان پر جاکر آخری صفحہ لکھا تھا۔ میں اُن کی تحریر کو پڑھنے لگی۔

اپنے ذاتی اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے یہ حکمران طاقتیں مُلک کے کروڑوں انسانوں کی تقدیروں کو کس بُری طرح سے مٹادینے کے منصوبے باندھتی ہیں۔ کیا حکومت کا یہ ڈھانچہ ابھی اسی طرح قائم رہے گا؟ کیا جمہوری قدریں آخر میں ڈکٹیٹرشپ کی دہلیز پر ہی دم توڑیں گی؟ یہ تمام انسان آزادی کے پودے کو اپنے خون سے صرف اس لئے سینچتے رہیں گے کہ اس میں زہریلے پھل لگیں۔ اور اُنہیں زندہ رہنے کے لئے یہ پھل کھانے پڑیں۔ تو آخر میں اُن کی موت کا دن تھیں۔

یا اللہ!!

میں نے اس پوٹلی کو اُسکے کپڑوں کی الماری کے اوپر کے لاکر میں رکھ کر تالا لگادیا۔
رات بہت گذر چکی تھی۔
نرگس اپنے کمرے میں چلی گئی۔
میں بستر پر لیٹ گئی۔ انجم کچھ دیر خاموش لیٹا رہا اور پھر یہ سمجھ کر کہ میں سو رہی تھی چپ چاپ اُٹھ کر باہر چھت پر چلا گیا۔ میں باہر نہیں گئی۔ مجھے لگا انجم بھی پریشان تھا۔ میں جان گئی تھی کہ وہ جب پریشان ہوتا تھا تو کچھ دیر کے لئے تنہا رہنا چاہتا تھا۔ اُسے یہ پسند نہیں تھا کہ کوئی سائے

کی طرح اُس کے ساتھ لگا رہے۔ وہ بہت دیر چھت پر ٹہلتا رہا اور پھر خود ہی کمرے میں واپس آکر خاموشی سے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ میں جاگ رہی تھی۔ لیکن اُسے یہی خیال تھا کہ میں سو رہی ہوں۔ وہ تمام رات میرے پہلو میں خاموش پڑا جاگتا رہا اور جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ مجھے رات کے کسی پہر میں نیند آگئی۔

ابا صبح معمول سے بھی پہلے ہی نہا دھو کر تیار ہو گئے تھے۔ نماز بھی ادا کر چکے تھے۔ قرآن شریف کی بھی تلاوت کر چکے تھے۔ اماں نے اُنہیں ہلکا سا ناشتہ بھی کرا دیا تھا۔ نرگس جب ٹرے میں چائے لے کر ہمارے کمرے میں آئی تو بولی۔

"ابا شطرنج کی بساط بچھا کر اکیلے ہی مہرے سجا رہے ہیں۔"

"ابا تیار ہو گئے کیا؟" انجم نے پوچھا۔

"ہاں"

"تو میں بھی جلدی سے تیار ہو جاؤں۔ اماں کو حکیم صاحب کے پاس لے جانا ہے۔" انجم بولا۔

اُس لمحہ ڈیوڑھی پر دستک ہوئی۔

دروازہ ابا نے ہی کھولا۔

باہر پولیس کھڑی تھی۔

"ارشد نیچے آنا بھائی۔" ابا کی آواز تھی۔

انجم ننگے پاؤں نیچے بھاگا۔ نرگس اور میں بھی کمرے سے نکل کر جلدی سے سیڑھیاں اُترنے لگیں۔

ٹرے میں پڑی چائے ٹھنڈی ہوتی رہی۔

"کیا بات ہے ابا جان؟"

"بھئی پولیس وارنٹ لے کر آئی ہے۔ اُن کے چہرے پر بے حد سکون تھا۔

"چلئے شیخ صاحب"۔ پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"بس چلتے ہیں"۔ ابا نے اُسے مخاطب کیا۔ اور پھر ہم تینوں کو باری باری اپنے بازوؤں

میں لے کر پیار کیا۔ اور پھر اماں سے بولے۔

"بیگم آج حکیم صاحب کے پاس ضرور جانا۔ رات بھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

اماں برآمدے کے ایک طرف کھڑی تھیں اور اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے پھر انھوں نے انجم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اس بار عرس پر ساحرہ کو بھی خواجہ کی درگاہ پر لے جانا۔"

"لے جاؤں گا ابا جان۔"

"میں ہر سال رام لیلا کے لئے چندہ دیا کرتا ہوں وہ بھی دے دینا۔"

"دے دوں گا۔ لیکن رام لیلا تو نہیں اکتوبر میں ہوگی۔"

"جب تک واپس آگیا تو خود چندہ دوں گا ورنہ تم ٹمٹ لینا۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

برآمدے میں کھڑی اماں پھوٹ پڑیں۔

"شیخ صاحب چلیئے" دیر ہو رہی ہے۔

"ارشد میاں ہماری شطرنج لپیٹ کر ہمیں دے دو" انھوں نے کہا۔

انجم شطرنج لپیٹنے لگا تو پولیس انسپکٹر بولا۔

"اسے رہنے دیجیئے۔ اسے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔"

"چھوڑ دو بھئی" ابا بولے۔

اور پھر لمحہ بھر بعد ابا جان اپنے گھر کی ڈیوڑھی سے نکل کر پولیس کے سپاہیوں کے ساتھ چل دیئے۔ انجم ساتھ جانے لگا تو انھوں نے ٹوک دیا۔

"میرے ساتھ وہی جائیں گے جو مجھے لینے آئے ہیں۔ اور کوئی نہیں جائے گا۔"

انجم نے معمول کی طرح ابا کی اس بات کی بھی تردید نہ کی اور ڈیوڑھی کے باہر کھڑا ابا جان کو پولیس کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ نرگس اور میں بھی اُس کے پاس کھڑی تھیں۔ اماں اندر برآمدے میں دیوار کے ساتھ کھڑی رو رہی تھیں۔

ترکمان گیٹ کے اندر کی اس گنجان آبادی کی ایک تنگ سی گلی میں کئی لوگ نیچے نور الٰہی کو پولیس

کی حراست میں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد شاہجہاں کی دلی کے اِس پرانے تاریخی علاقے میں یہ پہلی گرفتاری تھی۔ ترکمان گیٹ کی اس اندرونی امن پسند بستی میں جس پہلے شخص کو پولیس کی حراست میں لیا گیا تھا وہ ایک ایسا نیشنلسٹ مسلمان تھا جس نے تقسیم وطن کے وقت بھی اپنے وطن کو نہیں چھوڑا تھا اور اِس عظیم ملک کی تہذیب اور کلچر اور روایات کے تحفظ کے لئے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کا عزم کیا تھا۔ وہ دلی کی اُن بستیوں میں انسانیت کا جھنڈا بلند کئے گھوم رہا تھا۔ جہاں آگ کے شعلے تھے اور دھوئیں کے بادل تھے اور نفرت کے چمکتے ہوئے خنجر تھے۔ اُس نے اپنی شریکِ حیات کو بھی اپنا وطن عزیز نہیں چھوڑنے دیا تھا۔ اور جب سب لوگ اپنے اعتقادات کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے جرم کے احساس سے بچنے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ وہ اپنی بیگم کو خواجہ نظام الدین اولیا کی درگاہ پر سجدہ گذار نے لے گیا تھا۔ اُس شخص نے اپنے ہندو دوستوں کی مدد کے لئے اپنے گھر کی چیزیں رہن رکھی تھیں۔ مذہبی تہواروں میں اُن کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ اور عید کے روز اپنے غیر مذہبی دوستوں کو سب سے پہلے سوئیاں بھجوائی تھیں۔ اور اُن دنوں میں بھی اپنے تنگ مکان کی چھت پر قومی جھنڈا گاڑے رکھا تھا جب اُس کے کئی مسلم دوستوں کے نیشنلسٹ نظریات ڈگمگانے لگے تھے۔ اُس شخص کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اپنی بات کھل کر کہتا تھا اور اپنے اُصولوں سے سمجھوتہ کرنے کا قائل نہیں تھا۔

دوپہر سے پہلے جب انجم تھانے میں ابا سے ملاقات کے لئے گیا تو اُس سے کہا گیا کہ وہ اُن سے شام کو ملاقات کر سکتا ہے۔ اُس نے پولیس انسپکٹر سے جب بہت اصرار کیا تو اُسے بتایا گیا کہ اُس کے ابا اس وقت اُس تھانے میں نہیں ہیں۔ شام کو انھیں لایا جائے گا۔ انجم جب تھکا ہارا گھر لوٹا تو بے حد پریشان تھا۔

"کیسے ہیں تمہارے ابا جان؟" اماں نے پوچھا تھا۔

"ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اُس تھانے میں نہیں تھے؟"

Scanned by CamScanner

"تو کہاں ہیں وہ؟" نرگس نے سوال کیا۔

"کسی دوسرے تھانے میں"

"کب ملاقات ہوگی ابا جان سے؟" میں نے پوچھا۔

"شام کو۔"

دوپہر کو کسی نے کچھ نہیں کھایا۔ نڈھال اور پریشان بجلی منزل کے کمروں میں ہی فرش پر چٹائیاں ڈال کر پڑے رہے۔ انجم بار بار گھڑی دیکھتا۔ لگتا تھا جیسے دوپہر ڈھلنے ہی میں نہ آ رہی تھی۔ کب شام ہوگی اور کب تھانے میں جا کر ابا جان سے مل سکے گا۔ جون کی اس آگ برساتی دوپہر میں ہم سب جل رہے تھے۔ کچھ گرمی سے اور کچھ فکر اور سوچ کی جلن سے۔ اماں کی طبیعت خاصی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن انھوں نے حکیم کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

شام کو جب انجم تھانے میں گیا تو اُس وقت اُس کے ابا کے کچھ اور دوست بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ انھیں بھی ابا کی گرفتاری کا علم ہو گیا تھا۔ انجم کی ابا سے ملاقات شام کو بھی نہ ہو سکی۔ اُسے اور ابا کے دوستوں کو بتایا گیا کہ ابا جان کو پارلیمنٹری اسٹریٹ کے تھانے میں لے جایا گیا تھا۔ انجم اور دوسرے لوگ جب وہاں پہنچے تو کہا گیا کہ ترکمان گیٹ کا علاقہ اُس تھانے میں نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے شیخ نورالٰہی کو وہاں حراست میں رکھنے کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا۔ جب یہ سب لوگ مارے مارے پھرتے دوبارہ واپس پہنچے تو رات ہو چلی تھی۔ اُنہیں کہا گیا کہ اب ملاقات کا وقت نہیں رہا تھا۔ ملاقات اگلی صبح میں ہو سکے گی۔ انجم نے جب بحث کی تو اُسے کہا گیا۔

"اگر چاہو تو تمہیں بھی رات یہیں رکھ لیا جائے"۔

"تو رکھ لو"۔ اُس نے غصّے سے جواب دیا۔

ابا کے کچھ بزرگ دوست وہاں نہ ہوتے تو معاملہ طول پکڑ جاتا۔ وہ انجم کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اور اُسے گھر چھوڑ گئے۔

وہ رات اس گھر میں پہلی رات تھی۔ جب انجم کے ابا گھر میں نہیں تھے اور اماں بیمار تھیں اور کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ کھانا کھانے کو کسی کا من نہیں تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے سب کو چائے کی ایک ایک پیالی پلائی۔ اور ہم سب اماں کے ساتھ ہی بجلی منزل کے برآمدے میں فرش پر پڑے

رہے اور مجھے اُس رات پہلی بار محسوس ہوا کہ دُکھ اور درد کی رات کتنی مشکل سے کٹتی ہے۔

شام کو ملی ماراں سے میرے ابا بھی آئے تھے انہیں بھی اِس سانحہ کا علم ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے اپنا رُسوخ استعمال کر کے چند لمحوں کے لئے انجم کے ابا جان سے ملاقات بھی کی تھی۔

"تم لوگ فکر نہ کرو۔ خدا نے چاہا تو کل شیخ صاحب گھر آجائیں گے۔"

اُن کی بات سے سبھی حوصلہ ہوا تھا۔ لیکن بعد میں انجم کو یہ خبر ملی تھی کہ ابا کے کچھ دوستوں کو بھی پولیس نے حراست میں لیا تھا۔ اُن میں دو ایک وہ دوست بھی شامل تھے جو شام کو اُس کے ساتھ تھانے گئے تھے۔

"تمہارے ابا کل آجائیں گے ارشد؟" اماں نے پوچھا تھا۔

"اُمید تو ہے۔" اُس نے جواب دیا تھا۔

لیکن اُس کے بعد کا ردِّ عمل اُس کی ذہنی پریشانی اور مزید گرفتاریوں کی خبر اِس بات کی غماز تھی کہ اُس نے صرف اماں کا دل رکھنے کو یہ بات کہی تھی۔ ورنہ وہ جانتا تھا کہ ابا جلد رہا نہ ہو پائیں گے۔ شاید انھیں خود بھی اس بات کا احساس تھا ورنہ وہ اسے کیوں کہتے کہ رام لیلا کے لئے چندہ انجم خود ہی دے دے۔

اُس سے اگلی صبح انجم سب سے پہلے اماں کو حکیم صاحب کے پاس لے گیا اور اپنے ساتھ نسخوں کا وہ پلندہ بھی لے گیا جو ابا دوسرے کاغذات کے ساتھ مجھے اور نرگس کو سونپ گئے تھے مطب سے واپس آکر انجم نے بتایا کہ رات پُرانی دلّی کے کچھ اور لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ جن میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ ہندو بھی شامل تھے۔ ملک کے مختلف شہروں میں جگہ جگہ چھاپے مارے گئے تھے اور سینکڑوں لیڈر گرفتار کر لئے گئے تھے۔

"زبردست ری ایکشن ہے۔" نرگس نے کہا۔

"کوئی غیر متوقع بات نہیں۔ ابھی اور بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے ساتھی بھی گرفتار کئے جا سکتے ہیں؟"

"تمہارے ساتھی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ تمھیں اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

Scanned by CamScanner

"تمہیں تو خطرہ نہیں؟" میں نے پوچھا

"جب سارا مکان زلزلے کی زد میں ہو تو کوئی بھی حصہ محفوظ نہیں رہتا۔" اُس نے جواب دیا۔

میرا دل دھڑک اُٹھا۔

"سری واستو، جگی، ایلن، سکھ پال سنگھ ——— ؟" نرگس بولی

"سبھی۔ اور وہ بھی جو ہماری فہرست میں شامل نہیں لیکن پولیس کی فہرست میں شامل ہے۔" انجم نے کہا۔

مجھے لگا جیسے یہ انجم نہیں بول رہا تھا بلکہ تاریخ کا ایک صفحہ بول رہا تھا۔ لوگ غلط ہو سکتے ہیں تاریخ غلط نہیں ہو سکتی۔

اور تاریخ غلط نہیں ہوئی۔

تاریخ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

تاریخ اس لئے جھوٹ نہیں بولتی کہ تاریخ وقت ہے اور وقت ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ جھوٹ تو صرف سیاست بولتی ہے۔ کیوں کہ اس کا کوئی ایمان نہیں ہوتا۔ کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ کوئی اقوال نہیں ہوتا۔ کوئی خدا نہیں ہوتا!

اگلے روز جب انجم تھانے گیا تو میرے ابا بھی اُس کے ساتھ تھے جب وہ گئے تو ابا اُس وقت نیچوں والے ایک تاریک کمرے میں موٹے بان کی ایک کھردری چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ نیچوں والے آہنی دروازے کے قریب کھڑے ہو گئے۔ اُن کے چہرے پر تھکن اور اضمحلال کے نشان تھے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ وہ جب سے گرفتار کئے گئے تھے اُسی تنگ و تاریک کوٹھری میں بند تھے اور اُنہیں یہاں سے کہیں بھی منتقل نہیں کیا گیا تھا۔ ظاہر تھا کہ پولیس والے انجم سے اور ابا کے دوستوں سے جھوٹ بولتے رہے تھے اور اُنھیں جان بوجھ کر پریشان کرتے رہے تھے۔ ابا نہیں جانتے تھے کہ اُن کا کیا قصور تھا۔ اور انھیں کیوں گرفتار کیا گیا تھا اور اب انھیں کہاں رکھا جائے گا۔

انجم اور میرے ابا جب واپس آئے تو انجم کی اماں نے پوچھا۔

"شیخ صاحب کیسے ہیں؟"

Scanned by CamScanner

"بالکل اچھے ہیں۔"

"کب تک آجائیں گے"؟

"یہ کسی کو علم نہیں۔" انجم نے کہا۔

"آپ تو کہہ رہے تھے وہ آج آجائیں گے۔" انجم کی اماں نے میرے ابا سے سوال کیا۔

"آج حالات بدل گئے ہیں اماں جان۔" میرے ابا کی بجائے انجم نے جواب دیا۔

"استقلال اور صبر سے کام لیجئے۔ بڑا ہی صبر آزما وقت ہے۔" میرے ابا نے کہا۔

ابا کے جانے کے بعد انجم کی اماں نے پوچھا۔

"کچھ کہا تھا انھوں نے؟"

"ہاں۔ تمہاری طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"اور؟"

"اور کہا تھا کہ حکیم صاحب کی دوا باقاعدگی سے لیتی رہیں۔"

"اس کے علاوہ بھی تو کچھ کہا ہوگا؟" اماں کہہ اٹھیں۔

"قرآن کی ایک آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔" انجم بولا۔

"کیا کہا گیا ہے اس آیت میں؟" میں نے پوچھا۔

"عتاب زدہ لوگوں کا حال اُن مسافروں جیسا ہے جو اندھیری رات میں گھر گئے ہوں۔ جب بجلی چمکتی ہے تو انہیں راستہ نظر آتا ہے ورنہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے۔

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اماں پھوٹ پڑیں۔ نرگس نے آبدیدہ ہو کر کہا۔

"مگر وہ بجلی ہے کہاں ارشد؟"

"گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے چاروں طرف بجلی کی کہیں کوئی چمک نہیں۔ اپنے اپنے وجود کے الاؤ جلاؤ۔ وہیں سے روشنی ملے گی۔"

مجھے لگا جب انجم نہیں تاریخ کا ایک اور صفحہ بول رہا تھا۔

میں سٹپٹا اٹھی۔ جیسے تاریخ کے ایک صفحے پر کوئی انگارہ گر گیا تھا۔ اگر کبھی تاریخ کا کوئی صفحہ آگ پکڑ گیا تو کیا ہوگا؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"آگ کا ایک طوفان آئے گا اور سب کچھ جل جائے گا۔ جو بچے گا وہ کندن ہوگا۔ وہ بچے گا۔

Scanned by CamScanner

انصاف ہوگا، سُندر رہوگا، اور ہوگا۔

تاریخ ہی انسانی قدروں کو امر کرتی ہے۔ اور انھیں بقا دیتی ہے۔

تاریخ انسان کی تقدیر کا آئینہ ہے۔

کچھ ہی روز میں حالات کچھ کے کچھ ہو گئے تھے۔

انجم کے ابا کی دُکان کی تلاشی لی گئی تھی۔ اور جو بھی بیکار چیزیں پولیس والے لے جا سکتے تھے۔ لے گئے تھے۔ اور دُکان کے تالے پر ایک بڑی سی مہر لگا گئے تھے۔ ابا کو بغیر مقدمہ چلائے جیل بھیج دیا گیا تھا۔ شطرنج کی لپٹی ہوئی بساط الماری میں پڑی تھی۔ اور مہرے اُسی طرح خاموش اور بے زبان تھے۔ جیسے ایمرجنسی نے اُن کی نقل و حرکت پر بھی پہرے لگا دیئے تھے۔

اُس دن ہمارے گھر میں انجم کے دوست آخری بار اکٹھا ہوئے تھے اُس کے بعد یہ اجتماع پھر کبھی نہ ہو سکا۔

یونیورسٹی کے لیکچراروں، پروفیسروں اور طلباء کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی تھی۔ اور اب کوئی بھی محفوظ نہیں تھا۔

انجم کی اماں اتنی خوفزدہ تھیں کہ انھیں انجم کے دوستوں کا آپس میں ملنا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ دراصل ساری واستو کی تجویز تو یہی تھی کہ گھر پر نہ ملا جائے۔ اور راج گھاٹ پر ملاقات کی جائے لیکن انجم چاہتا تھا کہ اس میٹنگ میں فرگس اور میں بھی شامل ہوں۔ ہم دونوں کا باہر جانا مناسب نہ تھا۔ اس لئے انجم نے ہی یہ تجویز پیش کی تھی کہ سب لوگ ہمارے گھر میں آجائیں لیکن سب تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آئیں تاکہ کسی کو شک نہ گذرے اور جائیں بھی ایک ایک کر کے۔ سب سے پہلے سکھ پال سنگھ آیا تھا۔

پھر ایلن

پھر جگی سیال

Scanned by CamScanner

پھر انور
پھر شانتا نوانہ اور شبنم
اور سب سے آخر میں سری واستو۔

میٹنگ زیادہ دیر نہ چلی لیکن اس میں کچھ اہم فیصلے کئے گئے۔ میٹنگ میں میں اور نرگس دونوں شریک ہوئیں۔

سری واستو، سکھ پال سنگھ اور جگی سیال انڈر گراؤنڈ چلے جائیں گے۔ سکھ پال سنگھ اور جگی سیال دلی ہی۔ میرٹھ میں۔ اور کبھی کبھی دلی کے نزدیک کے علاقوں میں بھی نکل جائیں۔ ان علاقوں میں ہریانہ، پنجاب، راجستھان اور اُتر پردیش شامل تھے۔ سری واستو بھی روپوش ہو جائے لیکن وہ اپنا میدان بہت وسیع رکھے۔ اور شمال سے لے کر جنوب تک گھومتا رہے۔ ایمی ایک دم خاموشی سے پُرانی دلی اور نئی دلی کے علاقوں میں کام کرے لیکن کبھی کھل کر سامنے نہ آئے۔ اُس کا دائرہ زیادہ تر یونیورسٹیوں اور کالجوں تک محدود رہے۔ شانتا نوانہ اور شبنم کا دائرہ عمل بھی یہی ہو۔

یہ بھی طے ہوا کہ سری واستو، سکھ پال سنگھ اور جگی سیال اپنے اپنے علاقوں میں گھوم پھر کر جو کچھ دیکھیں اُن کے بارے میں انور کو لکھتے رہیں۔ وہ یہ سب خط انجم، ساحرہ اور نرگس کو پہونچا دیا کرے گا۔ کبھی ضرورت پڑ جائے تو کچھ اہم خط وہ شبنم کے ایڈریس پر بھی بھیج سکتے تھے۔

گرم گرم چائے کے گھونٹ اور سگرٹ کے دھوئیں کے سیاہ مرغولے ان سب فیصلوں کے گواہ تھے۔ پھر اُن سب نے انجم کی اماں کے پاؤں چھوئے اور باری باری چلے گئے۔

اُس رات انجم بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔

"تم بھی سوچتی ہو گی اچھے آدمی سے بیاہ کیا ہے جس کی کوئی بات بھی ڈھنگ کی نہیں۔"

"ایسا مت سوچو انجم۔ میں تمہاری شریک حیات ہوں۔"

"شریک اذیت تو نہیں ہو؟"

"میں اگر تمہارے لطف و کرم کی شریک ہوں تو تمہاری اذیتوں اور تکلیفوں کی بھی حصہ دار ہوں۔" میں نے انجم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"میرے سب ساتھی کل سے انڈر گراؤنڈ ہو گئے تو میں ایک دم اکیلا رہ جاؤں گا۔"

Scanned by CamScanner

"میں اور نرگس جو تمہارے ساتھ ہیں۔"

"ہو سکتا ہے مجھے بھی گرفتار کر لیا جائے۔"

اُسکی یہ بات سُن کر میرا دل بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ایسی بات مت کہو انجم۔"

"اِس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم اِس سانحہ کے لئے تیار رہو۔"

"تمہاری بات کسی حد تک ٹھیک ہے۔"

"میری گرفتاری کے بعد کیا کرو گی تم؟"

"حالات کے جو بھی تقاضے ہوں گے اُنہیں پورا کروں گی انجم۔"

"اماں کی دیکھ بھال کرو گی؟"

"ضرور کروں گی یہ میرا فرض ہے۔"

"اور نرگس؟"

"نرگس تو میری زندگی کا حصہ ہے، ہم دونوں پرچھائیں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گی۔ تم مطمئن رہو۔"

پھر اچانک انجم نے نرگس کو آواز دی۔ اُس کے کمرے کی روشنی جل رہی تھی۔ وہ سوئی نہیں تھی ابھی۔ انجم کی آواز سن کر نرگس فوراً ہمارے کمرے میں آ گئی۔

"کیا بات ہے ارشد؟"

"بیٹھ جاؤ۔"

نرگس میرے قریب ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

"کیا انور پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں بھیّا۔"

"کہیں وہ دھوکا تو نہیں دے گا؟ میرے سارے دوست اُسی کو خط لکھیں گے ہمارے ایڈریس پر آئے ہوئے خط سینسر کئے جائیں گے اس لئے۔"

"انور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ارشد۔"

"وہ ناتجربہ کار ہے۔"

"لیکن ارادے کا پکا ہے۔ وہ ہمیں دھوکا نہیں دے گا۔"

نرگس کے جواب سے انجم مطمئن ہو گیا۔

"پکڑو دھکڑ کا یہی حال رہا تو میری باری بھی دور نہیں" وہ بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"ساحرہ کو ہمارے خیال سے اختلاف ہے۔"

"اسے شاید تمام پس منظر کا اندازہ نہیں۔"

میں دونوں کی گفتگو توجہ سے سن رہی تھی۔

"بس تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے۔"

"تو تم اس سیچوایشن کے لئے تیار ہو؟" کیا

"تیاری کیا کرنی ہے بھیا۔ ابا کی گرفتاری کا کیا کسی کو علم تھا؟"

"ابا کی گرفتاری بالکل غیر متوقع تھی۔" انجم بولا۔

"اور تمہاری گرفتاری غیر متوقع نہیں۔" نرگس نے کہا۔

"اماں کو بہت صدمہ ہو گا انجم۔" میں نے اپنی بات کہی۔

"جانتا ہوں۔ وہ ایک پردہ دار باعزت خاتون ہیں۔ انہیں واقعی صدمہ ہو گا۔"

"تو اس صورت میں مجھے اور نرگس کو کیا کرنا چاہیئے؟"

"اُن کی ابا سے جیل میں باقاعدہ ملاقاتیں کراتی رہنا اور جب کبھی مجھے ملنے آؤ تو اماں کو بھی ساتھ لے کر آنا۔"

"تم کتنے غیر جذباتی ہو کر یہ سب کچھ کہہ رہے ہو" میں نے کہا۔

"میں بھی بے حد جذباتی ہوں لیکن ایمرجنسی کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔ ہو سکتا ہے ابا جان اور میں دونوں ایک ہی جیل میں نظر بند ہوں۔ اور ایک دوسرے کو اس کا علم ہی نہ ہو۔"

میں رو پڑی۔

"تم اس طرح ہمت چھوڑ دو گی تو میرے ارادے کمزور ہو جائیں گے۔ مجھے کمزور مت بناؤ

ساحرہ۔ جن مخالف قدروں سے ہمارا مقابلہ ہے وہ بہت مضبوط ہیں۔"

انجم نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور اپنی انگلیوں سے میرے آنسو پونچھ ڈالے۔

"ہم تمہیں کمزور نہیں ہونے دیں گی۔ اس بات کا یقین کرو۔" نرگس نے اپنا ہاتھ انجم کے آنسوؤں سے گیلے ہاتھوں میں دے دیا۔

"اچھا تو اب سو جاؤ۔ رات بہت جا چکی ہے۔ شب بخیر۔"

"شب بخیر ارشد اور ساحرہ۔"

"نرگس میرے بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ اور میں پل بھر اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔"

"تم بھی سو جاؤ اب۔" انجم نے مجھے مخاطب کیا۔ اور اپنے پورے جسم کو بستر پر پھیلا کر لیٹ گیا۔

میں نے کمرے کی بجلی بجھائی اور اس کے بازو کو اپنی گردن کے نیچے رکھ کر اس کے پہلو میں لیٹ گئی۔ اس نے کروٹ لے کر اپنا چہرہ میرے گال پر ٹکا دیا۔ اور پھر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"ساحرہ تم کب تک انتظار کر سکتی ہو؟"

"جب تک صبح نہیں ہوتی۔"

"رات بہت طویل ہے اور اندھیرا بہت گہرا ہے۔"

"اپنے اپنے وجود کے الاؤ جلاؤ۔"

"میری ہی بات دہرا رہی ہو؟"

"میں بھی تو تمہاری ہی شخصیت کا پرتو ہوں انجم۔"

انجم نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے اور دھیرے دھیرے مجھے محسوس ہونے لگا کہ میرا سارا وجود اس کے وجود میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔ ساحرہ انجم میں ڈھل رہی تھی اور انجم دھیرے دھیرے مائیاب بنتا جا رہا تھا۔

جب میری نیند کھلی تو کھڑکی کے پردے سے اگلی صبح کا آفتاب جھانک رہا تھا۔

انجم کئی روز تک، ابا سے جیل میں ملاقات کے لئے مارا مارا پھرتا رہا۔

ملاقات کے دن انجم، اماں اور نرگس کو ساتھ لے گیا۔ تین افراد ہی کو ملاقات کرنے کی اجازت

بھی تھی۔ اماں اور نرگس کا جانا ضروری تھا۔ میں اگلی ملاقات کے وقت چلی جاؤں گی۔ ایلن ویسے ہی اُن کے ساتھ چلا گیا تھا تاکہ انجم کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

شادی کے بعد جب سے میں اِس گھر میں آئی تھی آج پہلی بار اکیلی تھی۔ اُن سب کے چلے جانے کے بعد میں برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ گئی اور اخبار پڑھنے لگی۔ اخباروں میں اب ہوتا ہی کچھ بھی نہیں تھا۔ میڈم کی تقریروں کی تفصیلات اور پرنس کی تصویریں اور کپٹ لال جیسے کچھ اور لوگوں کی تصویریں جنھوں نے ایمرجنسی کے نفاذ میں بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔ اور اب بھی اپنے تشدد آمیز اعلانوں سے عوام میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش میں معروف تھے۔ مدھیہ پردیش کے کسی شہر میں پرنس کے استقبال کی تصویر تھی۔ کھلی جیپ میں پرنس کھڑا تھا۔ اور دونوں طرف لوگوں کی بھیڑ اُس کی طرف پھولوں کے ہار پھینک رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی گاڑیوں کے پرزے جوڑنے کے شوق کا مارا ہوا یہ اس وقت تمام ملک کا واحد نوجوان رہنما تھا جس کے قدموں میں اُس سے دوگنی اور اڑھائی گنی عمر کے پرانے لیڈر جھک کر آداب بجا لانے میں فخر محسوس کرتے تھے میں نے شاید کیسٹرو کی سوانح میں کہیں پڑھا تھا کہ دوسروں کے مقدر بنانے والے لوگ بھی ستاروں میں یقین رکھتے تھے۔ جانے ستاروں کا یہ کون سا اجتماع تھا۔ جس نے پرنس جیسے معمولی ذہانت کے نوجوان کو رات ہی رات میں اتنا بڑا رہنما بنا دیا تھا۔

اسی اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر گورودیو کے بارے میں بھی تھی۔ جو بیمار تھے اور انہیں جیل سے ایک میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منتقل کیا گیا تھا۔ جیسے اس خبر کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ پرنس کے استقبال کی خبر اور گورودیو کی بیماری کی خبر۔ دونوں میں تناسب اور پیپر کی کوریج کا کتنا بڑا فرق تھا۔

ایک معمولی سا ٹیلہ ماؤنٹ ایورسٹ بن گیا تھا اور ماؤنٹ ایورسٹ زمین میں دھنستے دھنستے ایک ٹیلے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

کچھ دیر میں اخبار کی خبروں کو پڑھتی رہی اور ان کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر میں بور ہونے لگی تو باورچی خانے میں جا کر چائے کی پیالی بنا لائی۔ چائے پیتی رہی اور سوچتی رہی کہ اب کسی روز جیل ملاقات کو آؤں گی۔ رحمان اور ثریا سے پہلے بھی تو کئی دن ہو گئے تھے۔ امی بھی بہت یاد آ رہی تھی۔

کچھ عرصہ انجم کے ان دوستوں کے بارے میں سوچتی رہی جو اب اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے سری واستو، سکھ پال سنگھ، جگی سیال کی باتیں یاد آتی رہیں۔ اور اُن کا خلوص اور عزم یاد آتا رہا۔ پھر ذہن خالی ہو گیا۔ سوچا اُوپر جا کر اپنا اور نرگس کا کمرہ ٹھیک کر آؤں۔ صبح جلدی میں کچھ بھی تو نہ کر سکی تھی۔ اپنے بستروں پر بچھی چادروں کی سلوٹیں ٹھیک کرنے لگی تو رات انجم سے ہوئی گفتگو کے ٹکڑے ذہن میں گونجنے لگے۔

"صاحرہ تم کب تک انتظار کر سکتی ہو؟"

"جب تک صبح نہیں ہوتی۔"

"رات بہت طویل ہے اور اندھیرا بہت گہرا ہے۔"

"اپنے اپنے وجود کے الاؤ جلاؤ۔"

اپنے وجود کے الاؤ کب تک جلائے جا سکتے ہیں اب سوچنے لگی۔ اِن سے کب تک روشنی ملے گی؟

لیکن اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی کوئی اور سبیل بھی تو نہ تھی۔ اور اگر وجود ہی خاکستر ہو گیا تو؟

تو اکھ کے ہر ذرے سے ایک آفتاب جنم لے گا۔

بس اس طرح کی مبہم سی باتیں سوچتے ہوئے میں اپنا کمرہ ٹھیک کرتی رہی۔ پھر میں نے نرگس کا کمرہ ٹھیک کیا۔ اُس کا تکیہ اُٹھایا تو نیچے طے کیا ہوا ایک خط پڑا تھا۔ کچھ دیر کی شش و پنج کے بعد خط کی تہ کھولی۔ بڑے ہی خوب صورت ہینڈ میں لکھا ہوا تھا۔ وہ خط نیلی لکیروں والے پیڈ پر کالی سیاہی سے۔

میری نرگس!

تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ بھیّا نے جو اتنی بڑی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے میں اُسے نباہ سکوں گا؟ میرا جواب صرف یہ ہے کہ کسی بھی ایسی ذمہ داری کو جس کا تم سے ذرا بھی تعلق ہے اپنی جان دے کر بھی نبھانے کی کوشش کروں گا۔ تم مجھ پر اتنا ہی گہرا اور اٹوٹ اعتماد کر سکتی ہو جتنا کہ مجھے تمہاری

محبت پر ہے!

تمہارے کرم کا تمنائی

انور

میں نے وہ خط تہ کر کے اُسی طرح تکیے کے نیچے رکھ دیا اور نیچے چلی آئی۔ اب میرا ذہن بالکل خالی تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں اپنے ذہن کو تھوڑی بھی دیر خالی رکھوں گی تو مجھے اس چھوٹے سے گھر کی دیواروں سے بھی خوف آنے لگے گا۔ میں نے ابا جان کی لپیٹی ہوئی شطرنج الماری سے نکالی۔ اور برآمدے کے فرش پر بساط پھیلا دی۔ میں نے ایک دن ابا سے کہا تھا کہ وہ مجھے شطرنج کھیلنا سکھا دیں۔ اور اُس کے دوسرے ہی دن وہ گرفتار کر لئے گئے تھے۔ میرے سامنے شطرنج کے مہروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ اور میرے جسم میں خوف کا ہلکا ہلکا ارتعاش رینگنے لگا تھا۔

عین اُسی لمحہ ڈیوڑھی پر دستک ہوئی۔

میں خوف سے کانپنے لگی۔

شطرنج کی بساط کو لپیٹنے لگی تو تمام مہرے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

دستک ہوئی دوبارہ۔

"کون؟" میری لرزی ہوئی آواز گونجی۔

جواب کی بجائے ایک اور دستک۔

میں ڈیوڑھی کی طرف لپکی۔ پسینے سے شرابور ہانپ رہی تھی۔

ڈیوڑھی کھولی تو انور سامنے کھڑا تھا۔

"آداب عرض آپا جان"

"آداب عرض"۔ میں نے جواب دیا۔

"آپ خیریت سے تو ہیں؟"

"ہاں" میں نے ایک مرتی ہوئی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرنے کی کوشش کی۔ انور نے ڈیوڑھی اندر سے بند کی اور میرے پیچھے پیچھے برآمدے میں چلا آیا اور خود ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"وہ سب لوگ چلے گئے کیا؟"

Scanned by CamScanner

"ہاں"

"بہت جلدی چلے گئے۔ نرگس نے تو مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا۔"

"ایلن سے تھک گیا ہے۔"

"میں تو بس لیے رُک گیا کہ صبح کی ڈاک دیکھ لوں۔"

"کوئی خط ہے کیا؟"

اُس نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"کس کا خط ہے؟"

میں نے پوچھا کیوں کہ میں کسی کی تحریر نہیں پہچانتی تھی۔

"غالباً سہری دا ستو کا ہے۔ ایسا ٹیڑھا میڑھا ہینڈ رائٹنگ اُسی کا ہو سکتا ہے" وہ بولا۔

"انجم آئے گا تو اُسے دے دوں گی۔"

میں کرسی سے اُٹھی اور لفافہ الماری کے اوپر حفاظت سے رکھ دیا۔ انور خود ہی اُٹھا اور مٹکے سے پانی لے کر پینے لگا۔

"مجھے کیوں نہیں کہا پانی پلانے کو؟"

"اتنے چھوٹے کام تو خود بھی کر لینے چاہئیں۔"

"بڑے کام کون سے ہوتے ہیں انور؟"

"جن میں جوکھم زیادہ ہو۔"

"مثلاً؟"

"ڈاکہ ڈالنا۔"

"اور؟"

"قتل کرنا"

"اور؟"

"کسی راز کو دل میں چھپائے رکھنا۔"

"کس کے راز کو؟" میں نے ذرا مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے راز کو۔ اپنے کسی دوست کے راز کو۔ کسی کاز سے کومٹمینٹ کے راز کو"۔

"تمہاری کومٹمینٹ ہے کوئی انور ؟"

"ہے آپا"

"کیا ہے ؟"

"نرگس اور اُس سے وابستہ ہر شئے۔"

اُس کے جواب سے ایسا لگا جیسے نرگس کے تکیئے کے نیچے تہ شدہ خط انور ہی مجھ سے ہمکلام تھا۔

"تم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ انجم کا انتخاب غلط نہیں۔"

"انتخاب انجم کا نہیں نرگس کا ہے ساحرہ آپا"۔

میں مسکرا دی۔

"ہاں میرا ہی جواب غلط تھا۔"

اور پھر کچھ دیر رُکنے کے بعد انور چلا گیا۔

میں پھر اکیلی رہ گئی۔

یادوں کے چھوٹے چھوٹے سپنو لے میرے ذہن میں کلبلانے لگے اور اپنے چھوٹے چھوٹے نا پختہ دانت ذہن کی لوگوں میں پیوست کر رہے تھے۔ دانت کمزور تھے۔ اور زہر کی تھیلیاں ابھی بھری نہیں تھیں اِس لئے زہر تو خون میں سرائیت نہ کر سکا۔ لیکن ایک کڑواہٹ سی زرک دیسے ہی سمانے لگی۔

میرا بلی ماراں کا ایسا ہی تنگ اور روشن دانوں سے محروم گھر۔

شاہجہاں کی پرانی دلی میں رہنے والوں کی شاید کھلے مکان اور روشن دانوں کی ضرورت، کے احساس ہی نہیں تھا۔ وہ صرف لال قلعے کے سُرخ پتھروں اور اُس کی اُونچی اُونچی دیواروں کو دیکھ کر ہی مطمئن تھے اور سوچتے تھے کہ اتنی وسیع اور لازوال عمارت کے ارد گرد تو چھوٹی چھوٹی حقیر قسم کی ہی عمارتیں ہونی چاہئیں اور تنگ گلیاں ہونی چاہئیں اور پُرانی تہذیب اور کلچر کی بوسیدہ سیڑھیاں ہونی چاہئیں تاکہ اِس عظیم عمارت کی عظمت اور بلندی قائم رہ سکے۔ اُنھوں نے اپنی بلندیاں اور عظمتیں اس لئے قربان کر دیں کہ سلطنتِ مُغلیہ کی عظمت اور وقار حشر تک قائم رہے۔

Scanned by CamScanner

وہ اس لئے پرانی تہذیب کی بوسیدہ سیڑھیوں میں ہی پڑے رہے کہ لمحوں کی بھیڑ اُن کے اوپر سے گذر کر لال قلعے کے اونچے میناروں پر پہونچ جائے اور وہاں سے قریب بہتی ہوئی جمنا کی خاموش لہروں کو دیکھتی رہے اور جامع مسجد کے میناروں کو تکتی رہے جس کے وسیع صحن کے اندر ہر جمعہ کو ساری دلی کے مسلمان نماز ادا کرنے کے لئے آتے تھے۔ اور سرحد کے مقبرے کو دیکھے۔ جو اپنا سر ہاتھ میں تھامے جامع مسجد کی سیڑھیاں چڑھتا جا رہا تھا جب تک کہ اُس کے پیر و مرشد نے اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ دیا تھا۔

اِسی علاقے کے ایک چھوٹے سے گھر میں سائرہ نے جنم لیا تھا۔ اس آبادی کے گرلز اسکول میں وہ پڑھتی تھی۔ یہیں جامع مسجد کے بازو بازار میں اُس نے دکانوں کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے لئے چھوٹی کتابیں خریدی تھیں اور پھر اپنی گلیوں میں وہ اپنے آپ کو برقع میں چھپا کر گھومی تھی۔ اور اپنی سہیلیوں کے گھروں میں گئی تھی۔ اور بیاہ شادیوں میں اپنی امی کے ساتھ شریک ہوئی تھیں۔ یہیں چوڑی والان میں اُس نے اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ ایک مولوی سے ادیب عالم اور ادیب فاضل کے امتحانوں کی تیاریاں کی تھیں اور پھر پرائیویٹ طور پر بی اے کا امتحان دیا تھا۔ اور جس روز اُس کا رزلٹ نکلا تھا اُسی روز اُس نے پہلی بار انجم کو دیکھا تھا۔

وہ ایک تقریب میں اپنی امی کے ساتھ احاطہ کالے خاں گئی تھی۔ وہیں اُس نے انجم کو دیکھا تھا۔ اُس نے اُس تقریب میں اپنے کچھ شعر ترنم میں پڑھے تھے شعر پڑھتے وقت ایکا ساتھ تھے وہ اپنے لمبے لمبے بالوں کو بھی سنبھالے جا رہا تھا۔ جو پنکھے کی تیز آواز میں اُس کے چہرے پر بار بار بکھر جاتے تھے۔ انجم کی آواز، اُس کے پل پل بکھر جاتے ہوئے بال، اور بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں، اُس کے سانولے تیکھے نقوش، اُس کی شخصیت کا مجموعی تاثر شدید تھا۔ وہ جب گھر لوٹی تھی تو اُس کے ذہن پر انجم کی چھاپ تھی۔

اور پھر جب نرگس اُسے دیکھنے پہلی بار اُس کے گھر آئی تھی تو اُس کی دوست نزہت نے اُس کے کان میں کہا تھا۔

"اس لڑکی کی آنکھیں تو بالکل عاشقوں جیسی ہیں۔"

"میرے بھائی کی آنکھیں بھی ایسی ہی ہیں۔" نرگس نے کہا تھا۔ اور ایک بھرپور قہقہہ اُس

کے گھر کے صحن میں تھرک گیا تھا اور وہ پسینے سے شرابور ہو گئی تھی۔ اور اس کے سامنے دو بڑی بڑی مسحور کن آنکھیں پھر گئیں جو بنا پلک جھپکے اسے ایک ٹک گھورے جا رہی تھیں۔

وہ انجم کی آنکھیں تھیں جو اس کا ہونے والا شوہر تھا۔

اس شام جب وہ نزہت کے ساتھ سمیع اللہ چوڑیوں والے کی دکان سے کلائیوں میں رنگ برنگی چوڑیاں چڑھا کر آئی تو اسے لگا جیسے ان جگمگاتی ہوئی چوڑیوں کے کانچ کے مختلف زاویوں سے انجم اور نرگس کی مسحور کن آنکھیں اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

مجھے لگا جیسے میں انجم کے گھر کے برآمدے میں اکیلی بیٹھی خود اپنے آپ کا جائزہ لے رہی تھی اور ایک تیسرا شخص بن کر اپنے ماضی اور اس سے جڑے لوگوں، جگہوں کا مول اور ملکوں کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی جس کا نام ساحرہ قریشی ہے اور جو اب ساحرہ انجم ہو گئی ہے آج سے پچیس سال پہلے کہاں تھی اس کے اور انجم کے گھر کا فاصلہ کتنا کم تھا۔ لیکن وہ پھر بھی دو مختلف براعظموں میں رہنے والے لوگوں کی طرح جی رہے تھے اور آپس میں ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ تو بس احاطہ کالے خان کے ایک گھر میں ایک لمحہ وقت کی بہت بڑی چٹان سے ٹوٹ کر کہیں گر گیا اور اس خوب صورت موتی کو اٹھانے کے لئے جب اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو ایک اور ہاتھ بھی فوراً آگے بڑھا اور دو مختلف افراد کی اس لمحے کے خوب صورت موتی کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش میں موتی زمین پر گر گیا اور دو ہاتھ آپس میں اچانک مل گئے۔ ہاتھ ملے تو آنکھیں، بجائے لمحے کے اس خوب صورت موتی کو ٹٹولنے کے ایک دوسرے پر جم گئیں۔ یہ لمحہ اس رہ گذر پر رکا۔ ان دونوں کا پہلا قدم تھا جس پر چل کر اب وہ بہت آگے بڑھ آئے تھے۔

لمحہ تاریخ میں بدل گیا۔

میں نے محسوس کیا انسان جب اکیلا ہوتا ہے تو وہ کتنا آزردہ بھی ہوتا ہے اور مجبور بھی۔ آزردہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے ذہن پر کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ وہ جہاں چاہے گھوم سکتا ہے اور مجبور اس لئے کہ تنہائی کا احساس اسے اس ماحول سے جکڑ دیتا ہے اور اس سے الگ نہیں ہونے دیتا۔ الگ ہو جائے تو وہ مر جائے۔ ماحول سے ایک دم کٹ جانا ہی تو موت ہے۔ شاید اسی لئے انسان اپنے ارتقاء کی دشوار گذار موڑوں سے گذرتے ہوئے بھی ماحول اور وقت سے اپنا رشتہ نہیں توڑ سکا۔ اور

اُس میں اُس کی عظمت اور بقا کا راز پنہاں ہے۔

میرے ذہن میں یاد کے بیتے لمحوں نے اپنے ناپختہ زہر کی جو ایک کڑواہٹ سی پھیلا دی تھی۔ دھیرے دھیرے عدم ہوش کی نیند میں بدلتی گئی اور میں کرسی پر بیٹھے اپنے سامنے ایک میگزین کے صفحے پھیلائے اونگھ گئی۔

اچانک ڈیوڑھی پر دستک ہوئی۔

لگا جیسے میں خواب میں دستک کی آواز سن رہی تھی۔

دستک پھر ہوئی۔

میں ہڑبڑا کر اُٹھی۔ ڈیوڑھی کا دروازہ کھولا۔

سامنے شانتا یوانہ کھڑی تھی۔

لگا جیسے پورے پنجاب کی رعنائیاں اور حسن اور خوشحالی میرے سامنے کھڑی تھی۔

میں نے اُسے بازوؤں میں لے لیا۔ لگا جیسے سارا پنجاب میرے بازوؤں میں سمٹ آیا تھا۔

"دریا گنج تک آئی تھی سوچا آپ سے ملتی چلوں۔"

"شکریہ۔"

شانتا میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ دھوپ میں اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"کیا پیئو گی؟"

"ٹھنڈی ٹھنڈی گاڑھی لسّی۔" اُس نے قہقہہ لگایا۔

"وہ تو نہیں ملے گی۔ اس گھر میں تو وہ لوگ بستے ہیں جو دودھ اور شکر کا کم سے کم استعمال کرتے ہیں۔"

"لیکن اُن کی باتوں اور اخلاق میں دودھ اور شکر ملے ہوتے ہیں۔"

اُس نے جاندار قہقہہ لگایا۔ میں بھی ہنس دی۔

شانتا نے صرف پانی پیا اور پھر اپنے دوپٹے کے آنچل سے اپنے چہرے کو ایک بار رگڑ کر صاف کیا۔ چہرہ پہلے سے بھی زیادہ صاف اور جاندار ہو گیا تھا۔

"گھر میں کوئی بھی نہیں کیا؟"

Scanned by CamScanner

"وہ سب ابا سے جیل میں ملاقات کرنے گئے ہیں۔"

"تو آپ گھر میں بالکل اکیلی ہیں؟"

"ہاں"

"اور اگر اس حالت میں پولیس گھر کی تلاشی لینے آجائے؟"

"پھر تو غضب ہی ہو جائے گا شانتا"

"فکر نہ کیجئے۔ اس وقت میں آپ کے پاس ہوں۔ اور جب میں جاؤں گی اُس وقت تک انجم اور نرگس اور اماں جان آجائیں گی۔ گھبرائیے نہیں" میں تو واقعی گھبرا گئی تھی۔

"اُس کا مطلب ہے یہ سچویشن کبھی بھی آسکتی ہے۔"

"یونیورسٹی کے اسٹاف کے گھروں پر پولیس نے چھاپے مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ میں یہی بات انجم سے کہنے آئی تھی۔"

تھوڑی دیر کے بعد شانتا یوں ہی چلی گئی۔ وہ جلدی میں تھی۔

جانے سے پہلے اُس نے بڑی دھیمی آواز میں ایک پنجابی گیت سنایا۔

ماہیا چھڈ کے سوہنی توں چلیا
تے گوریاں دی لام لگ گئی

خوب صورت دوشیزہ کا محبوب اُسے چھوڑ کر جا رہا ہے کیوں کہ گوری چمڑی والوں سے جنگ چھڑ گئی ہے۔

ڈیوڑھی بند کر کے برآمدے میں واپس آئی تو مجھے لگا جیسے ایک بہت بڑی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور وہ سب عاشق جو اپنی اپنی محبوباؤں کی باہنوں میں تھے اُنھیں چھوڑ کر محاذ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اگر وہ جنگ ہار گئے تو آزادی کے ساتھ ساتھ اُن کی محبوبائیں بھی اُن سے چھن جائیں گی اور حملہ آور نادر شاہ کی طرح اِل حسیناؤں کو اپنی کنیزیں بنا کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ سرفروشوں کا جنگ میں شریک ہونا اس لئے ضروری تھا کیوں کہ اُن کے سامنے اپنی عزت کی ناموسی کا سوال تھا۔ اور یہ سوال دُنیا کے سب بڑے سے بڑے سوالوں کے مقابلے میں زیادہ اہم اور زیادہ کٹھن تھا۔ یہ راستہ پھولوں اور سبزہ زاروں کا نہیں بلکہ سُولیوں اور پھانسیوں کا راستہ تھا۔

Scanned by CamScanner

جہاں پرستون پر ایک سر ٹنگا تھا اور ہر چہرے پر بے نور آنکھوں کے گڑھے آلاؤ بن کر سلگ رہے تھے۔
مجھے لگا جیسے شا نتا پوانہ کے جلنے کے بعد میں ایک باعزت اور باعزم لڑکی بن گئی تھی۔
اب اگر پولیس میرے گھر کی تلاشی لینے آ بھی جائے تو مجھے کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ میں نے انجم کے ابا کی پٹی ہوئی شطرنج کو بھی اٹھا کر اپنے کمرے میں بڑی آہنی الماری کے لاکر میں ڈال دیا جہاں اُن کی دی ہوئی پوٹلی میں بند کچھ باقی چیزیں بھی حفاظت سے رکھی تھیں۔ اور پھر بڑے ہی سکون سے پلنگ پر لیٹ گئی تھی۔ گرمی تھی اس لئے پنکھا کھول دیا۔ وہ آواز دینے والا پنکھا اب انجم نے اتروا دیا تھا۔ اب پنکھے کی بے ہنگم آواز ذہنی سکون میں مخل نہیں ہوتی تھی۔

شام کو انجم، نرگس اور اماں، ابا جان سے جیل میں ملاقات کرکے لوٹے تو بڑے مایوس شکستہ دل اور تھکے ہوئے تھے۔ تمام دن کی دھوپ کھا کر لوٹے تھے۔ آتے ہی کمرے میں بچھی چٹائیوں پر چت لیٹ گئے۔ چائے کی پیالی پی چکے تو سب کی جان میں جان آئی۔ اماں بہت مایوس نظر آتی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار جیل کا منظر دیکھ کر آئی تھیں۔ اور وہ بھی اُس جیل کا جہاں اُن کا اپنا شوہر قید تھا اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اُن کا جرم کیا تھا۔

"کیسے لگ رہے تھے ابا جان؟" میں نے پوچھا۔

"بڑی شگفتہ مزاجی سے پیش آئے"۔ انجم بولا۔

"میرا پوچھا تھا اُنھوں نے؟"

"ہاں۔ کہہ رہے تھے ساحرہ کو بہت مس کر رہا ہوں"۔

"میری آنکھیں نم ہو گئیں۔"

"اور کیا باتیں ہوئیں نرگس؟"

"کہہ رہے تھے کہ اُن کے شطرنج کے سبھی ساتھی ایک ایک کرکے جیل میں پہونچ گئے تھے وہاں انہیں شطرنج مل جائے تو خوش ہو جائیں گے"۔

"آپ سے کیا بات چیت ہوئی اماں جان؟"

"انہوں نے تو ایک بھی بات نہیں کی۔ برقعہ کی پردت اُلٹ کر انہیں دیکھتی رہیں اور روتی رہیں"۔ انجم بولا۔" ابا نے تو بلکہ ایک آدھ ہلکا سا مذاق بھی کیا لیکن اماں تو بس برف کی سِل بنی کھڑی رہیں"۔

Scanned by CamScanner

اور جب راستے کی دھوپ لگی تو بپھر گئیں۔ کہنے لگیں کوئی تو بات کرنی چاہیئے تھی" نرگس نے کہا۔

"اگلی ملاقات کے دن تو مجھے لے چلو گے نا؟" میں نے انجم سے کہا۔

"اگلی ملاقات تو شاید یہاں نہ ہو۔"

"کیوں؟"

"ابا اور اُن کے سبھی ساتھیوں کو کسی دوسری جیل میں منتقل کر رہے ہیں۔"

"کس لئے؟"

"جو اور لوگ پکڑے جا رہے ہیں اُن کے لئے جگہ کم ہے"۔ انجم نے جواب دیا۔

"کہاں منتقل کریں گے ابا جان کو؟" میں نے پوچھا۔

"کہیں دُور۔ تاکہ ہمیں اُن سے ملاقات کرنے میں دقت پیش آئے" نرگس نے جواب دیا۔

"کتنے کمینے لوگ ہیں"۔ میں نے کہا۔

"وہ ہم سب کو کمینے اور گھٹیا سمجھتے ہیں جو اُن کے خلاف آواز اٹھانا چاہتے ہیں۔"

"کمینے اور گھٹیا پن کا یہی معیار رہ گیا ہے کیا انجم؟"

"ساحرہ بیگم یہ سیاست ہے۔ پرانی دلی کی تہذیب اور اخلاق نہیں" وہ بولا۔

"لعنت ہے ایسی سیاست پر"۔ میں نے کہا۔

اماں اور نرگس نے تھکن کی وجہ سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"کوئی ملنے تو نہیں آیا تھا؟"

"انور آیا تھا"

انور کا نام سنتے ہی نرگس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں اُسے دیکھ کر مسکرائی۔

"کوئی خط وط لایا تھا کیا؟"

"ہاں۔ ایک لفافہ لایا تھا۔"

میں نے اُٹھ کر الماری کے اوپر احتیاط سے لفافے کو اٹھا کر انجم کے ہاتھ میں دے دیا۔

اُس نے ایڈریس پڑھتے ہی کہا۔ "سری واستو کا خط ہے"

اور اُس نے بڑی احتیاط سے لفافہ کھولا اور اُس میں سے نیلے نیلے سفید کاغذ

کا ایک پلندہ نکالا۔ چند سطور پڑھیں۔

"میں اس خط کے ساتھ جو کچھ بھیج رہا ہوں وہ بے حد خفیہ ہے۔ یہ نہیں بتاؤں گا کہ یہ میٹیریل مجھے کہاں سے اور کیسے ملا۔ یہ وہ خط ہے جو گورودیو نے جیل سے میڈم کو لکھا ہے اسے خود پڑھ کر اور اپنے دوستوں کو پڑھا کر ضائع کر دینا۔"

اس کے بعد انجم خاموش ہو گیا۔ اور پتلے پتلے سفید کاغذوں پر ٹائپ شدہ خط پڑھنے میں محو ہو گیا میں اور نرگس اُسے غور سے دیکھتی رہیں۔ لیکن خاموش رہیں۔

خط پڑھنے کے بعد انجم ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے ہمیں دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"کتنا عظیم شخص ہے یہ گورودیو۔ اگر اُسے گرفتار نہ کر لیا جاتا تو آج ہمارے ملک پر سے ایک بھرپور انقلاب گذر گیا ہوتا۔ کیا خط لکھا ہے اُس نے میڈم کو! اِس کا جواب اُسے کبھی نہیں ملے گا۔ میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔"

"کیا لکھا ہے گورودیو نے؟"

"تم اور نرگس اِسے اوپر جا کر دھیان سے پڑھو! اور پھر مجھے لوٹا دو۔"

اُس نے نیلے نیلے سفید ٹائپ کئے ہوئے کاغذ میری طرف بڑھا دیئے اور میں اور نرگس اوپر آ گئیں۔ وہ بھی میرے پہلو میں پلنگ پر بیٹھ گئی۔ میں نے اُن کاغذوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ہم دونوں چپ چاپ گورودیو کے اُس خط کو جو اُنہوں نے جیل سے میڈم کو لکھا تھا۔ پڑھنے لگیں۔ خط کی تاریخ ۲۱ جولائی ۷۵ء تھی۔ دوبارہ خاموشی سے الگ الگ اُس خط کو پڑھ چکنے کے بعد ہم نے اُس کے کچھ حصے مل کر بھی پڑھے۔ خط کے جو حصے ہم نے مل کر پڑھے وہ کچھ اس طرح سے تھے۔

آپ کی تقریروں کی پریس رپورٹیں اور انٹرویوز کو پڑھ کر مجھے بہت گہرا صدمہ ہوا ہے۔ صرف یہی بات کہ آپ کو ہر روز جو کچھ آپ نے کیا ہے۔ اُسے ٹھیک ثابت کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ آپ کو اپنے

جُرم کا احساس ہے آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ آپ پریس اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کی زبان بند کر کے آپ عوام کی نظروں میں بری الذمہ ہو جائیں گی ..... !

آپ نے پریس کی آزادی کا گلا کیوں گھونٹا ؟ اس لئے نہیں کہ ہندوستان کے اخبار غیر ذمہ دار ہیں یا بے ایمان ہیں۔ یا حکومت کے خلاف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آزاد ماحول میں جتنی ذمے داری کا ثبوت ہندوستان کے پریس نے دیا ہے کسی جگہ نہیں دیا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد کچھ اخباروں نے یہ رویہ اختیار کر لیا کہ آپ کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔ آپ بوکھلائیں اور جب سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد کچھ اخباروں نے اپنے ایڈیٹوریلز میں آپ کو یہ رائے دی کہ آپ حکومت سے دستبردار ہو جائیں تو آپ نے اخباروں کی زبان ہی بند کر دی ـــــ !

آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ جمہوریت قوم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ میڈم آپ نے یہ بہت بڑی بات کہہ ڈالی ہے۔ قوم کا درد صرف آپ کو نہیں ہے جن لوگوں کو آپ نے نظر بند کر رکھا ہے یا جیلوں میں ڈال رکھا ہے قوم کے لئے اُن کی قربانیاں آپ سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور اُن میں سے ہر ایک کو قوم سے آپ سے کم پیار نہیں۔ اس لئے براہ کرم قوم کے بارے میں ایسی باتیں کہہ کر ہمارے زخموں پر نمک مت چھڑکیئے۔

میڈم خدا کیلئے اپنے آپ کو وطن سے اس طرح identify نہ کریں آپ لافانی نہیں ہیں۔ ہندوستان لافانی ہے !

اماں تھکاوٹ اور پریشانی کے کارن سو گئی تھیں۔

انجم اوپر چلا آیا۔

"پڑھ لیا تم نے یہ خط؟"

"پڑھ لیا۔"

"کیا خیال ہے؟"

"ہندوستان کی سیاست کا بھرپور جائزہ ہے اور پریس اور جمہوری قدروں کا گلا گھوٹنے کی سازش کو گورودیو نے ایک بڑی طرح بے نقاب کیا ہے"۔ نرگس بولی۔

"اس کا جواب تو وقت ہی دے سکتا ہے۔ میڈم نہیں دے سکتی۔" میں نے کہا

"اور بھی کوئی آیا تھا ساحرہ؟"

"شانتا بوا نہ آئی تھی۔"

"کوئی پیغام تو نہیں دے گئی؟"

"کہہ رہی تھی کہ یونیورسٹی اسٹاف کے گھروں پر پولیس نے چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے گھر کی بھی تلاشی ہو جائے۔"

"اور؟"

"بس"۔ میں نے کہا۔

"تو تم لوگ بھی تیار ہو جاؤ۔ اور سنو وہ جو پوٹلی ابا جان تمہیں سونپ گئے تھے اسے فوراً ہی انور کے حوالے کر دو۔"

"ٹھیک ہے ارشد"۔ نرگس بولی۔

"میں نے ابا جان کی شطرنج بھی الماری میں رکھ دی تھی۔ اسے بھی بھجوا دوں انور کے گھر؟"

"شطرنج کو رہنے دو۔ چھاپہ مارنے والوں کے کام آئے گی۔"

"لیکن وہ تو ابا جان کی بہت ہی پسندیدہ چیز ہے۔ پولیس والے تو اسے پھینک دیں گے۔"

"تو اسے بھی اسی پوٹلی میں باندھ دو۔ یہ سب چیزیں آج ہی انور کے ہاں چلی جانی چاہئیں۔" ایم نے کہا۔

"تمہاری بھی تو کوئی چیزیں ہوں گی؟" نرگس نے پوچھا۔

"میرے کچھ آرٹیکلز ہیں۔ کچھ نظمیں ہیں اور کچھ دوسرے کاغذ ہیں"

"انھیں کہاں بھجواؤں۔"

"یہ سب شبنم کے گھر بھیج دو۔ سبھی کچھ انور کو مت سونپو۔ بے چارہ مارا جائے گا" انجم نے کہا۔

"انور شاید شام کو خود ہی آئے" میں نے کہا۔

"یہ اور بھی اچھا ہے۔" وہ بولا۔

"شبنم کے گھر بھیجنے والی چیزیں تم رات کو ٹھیک کر لینا۔ میں صبح سویرے ہی اُس کے پاس پہونچا آؤں گی"۔ نرگس نے کہا۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے جا رہا ہوں۔ سری واستو کے بھیجے ہوئے کاغذ مجھے دے دو۔" انجم نے مجھ سے وہ کاغذ لے لئے۔ اور پھر جلدی سے باہر نکل گیا۔

اُس وقت سورج غروب ہونے والا تھا۔

اُس کے جانے کے فوراً ہی بعد انور آ گیا۔ نرگس تو اُسے روکنا چاہتی تھی لیکن میں نے اُسے ابا کی چیزیں دے کر فوراً ہی واپس بھیج دیا۔

رات ہو گئی۔

دس بج گئے۔

پھر میں نے گھڑی دیکھی بارہ بج رہے تھے۔

اماں اور نرگس اور میں سبھی جاگ رہے تھیں اور انجم کا انتظار کر رہی تھیں۔ انتظار کی شدّت بڑھتی گئی اور رات کا اندھیرا گھٹتا گیا۔ میں اور نرگس باہر چھپت پر ٹہلتی رہیں اور اماں کھاٹ پر لیٹی پریشان ہوتی رہیں۔

دو بج گئے۔

تین بج گئے

چار بج گئے

اور پھر آسمان میں مشرق کی طرف سے ہلکی ہلکی دُھندلی سی روشنی پھیلنے لگی۔

برسات ہو گئی۔

دِن بھی چڑھتا گیا۔

Scanned by CamScanner

لیکن شام کو گیا ہوا انجم گھر واپس نہ پہونچا۔

ہم تینوں عورتوں نے تمام رات جاگ کر کاٹی لیکن انجم کے راستے میں جانے کون سی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی کہ وہ گھر لوٹ ہی نہ سکا۔

کوئی دس بجے کے قریب ایلن آیا اور اُس نے بتایا کہ انجم کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔

"کس وقت؟" میں نے پوچھا۔

"کل رات"

"کہاں؟"

"پروفیسر گرودر کے گھر"۔

"تفصیل سے بتاؤ نا ایلن بھائی"۔ نرگس نے بے چینی سے پوچھا۔

"پروفیسر گرودر کے ہاں کئی اور لوگ بھی تھے۔ سکھ پال سنگھ اور جگی سیال بھی وہیں تھے انجم کے وہاں پہونچنے کے کچھ ہی دیر بعد پولس نے چھاپہ مارا۔ سکھ پال اور جگی سیال کھڑکیوں سے کود کر بھاگ گئے باقی سب پکڑے گئے۔"

"انجم کے پاس تو سری واستوے بھیجے ہوئے کچھ خفیہ کاغذات بھی تھے"۔

"آپ کو کیسے معلوم ہے؟"

"سکھ پال اور جگی سیال کوئی گیارہ بجے کے قریب رات کو میرے مکان پر پہونچے تھے اور رات میرے ہی ہاں رُکے تھے۔ سکھ پال سنگھ سے گورادیو کا خط مجھے بھی پڑھنے کو دیا تھا۔"

"اب کہاں ہے وہ خط؟" نرگس نے پوچھا

"اُسے پڑھنے کے بعد میں نے سکھ پال اور جگی کے سامنے ہی جلا ڈالا تھا"

"وہ دونوں کہاں تھے اس وقت؟"

"وہ صبح چار بجے سے پہلے ہی میرے گھر سے چلے گئے تھے اور کہہ گئے تھے کہ میں انجم کے پکڑے جانے کی خبر آپ کو دے دوں۔"

"سکھ پال اور جگی کہاں گئے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ انجم نے انھیں کچھ کاغذات شبنم کو سونپنے کو کہا تھا"

"کہا تو تھا۔"

"جتنے کاغذات آپ مجھے اس وقت دے سکتی ہیں دے دیں۔ میں اب کئی روز ادھر نہیں آسکوں گا۔"

ایلن اماں کے پاس بیٹھا ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور نرگس اور میں انجم کے مسودے آرٹیکلز، اور نظمیں تلاش کرتی رہیں اور کوئی گھنٹہ بھر میں جو کچھ ملا اُسے ایلن کے حوالے کر دیا۔

"اب آپ چوکس رہیئے گا۔"

"ٹھیک ہے ایلن صاحب"۔ میں نے کہا۔

ایلن ایک بار ڈیوڑھی تک گیا۔ ذرا دور تک گلی میں دیکھتا رہا اور پھر اندر لوٹ کر بریف کیس میں رکھے کاغذات لے کر چلا گیا۔

کس طرح اچانک انجم ہمیں چھوڑ گیا تھا۔

میں نے تو رات سوچا تھا کہ انجم سے جی بھر کر باتیں کروں گی اور اُس سے دریافت کروں گی کہ اب ہمیں کن کن باتوں کا دھیان رکھنا چاہیئے۔ کن کن لوگوں سے ملنا چاہیئے۔ اور کہاں کہاں نہ جانا چاہیئے۔ اور پھر یہ بھی سوچا تھا کہ اُس سے جب سبھی کاروباری قسم کی باتیں ہو جائیں گی تو اُس سے اس قدر ٹوٹ کر پیار کروں گی کہ پیار کی یہ لذت اُسے بہت دنوں تک یاد رہے گی۔ لیکن ہوا اُس کے بالکل برعکس تھا۔ نہ اُس سے کوئی بات ہوئی نہ اُس سے کوئی رہنمائی ملی۔ نہ اُس سے پیار ہی کیا۔ رات آئی تو انتظار کی قیامت ساتھ لے کر آئی اور صبح ہوئی تو حشر کے بعد کا منظر لے کر آئی۔ سب کچھ رات کی رات میں برباد ہو گیا تھا۔ میرا گھر، میرے ارمان، میری راتیں، میرا پیار۔ کچھ بھی تو نہیں بچا تھا میرے پاس۔ سبھی کچھ لُٹ گیا تھا۔ ایک صرف سُلگتا ہوا چراغ رہ گیا تھا یادوں کا جسے ذہن کے طاق میں رکھ کر اس کی پوروں سے رستے ہوئے تیل کی لکیر کو دیکھتی رہوں گی۔ جس کے ایک سرے پر سُلگتی ہوئی رات ہوئی اور دوسرے سرے پر جلتی ہوئی صبح۔

نہ رات کی سیاہی پگھلے گی نہ صبح کا اجالا ہی پھیلے گا۔

ایک بے پناہ سمندر۔

Scanned by CamScanner

ایک اتھاہ گہرائی۔
ایک الوٹ سناٹا۔
ایک مکمل سکوت

اور ان سب کے درمیان ترکمان گیٹ کے اندر کی آبادی کے اس چھوٹے سے خاموش گھر میں تین بے آسرا اور ایک دم اکیلی عورتیں جن کے پاس عصمت و ناموس کے علاوہ اب کچھ بھی نہیں تھا!

"میرے اللہ اس سنگین ماحول میں ہم بے سہارا لوگوں کی حفاظت کرنا۔!"

اماں سجدے میں جھکی تھیں۔

اور نرگس بھی!

اور میں بھی!

اور وہ سب دیواریں بھی جن کی حفاظت کے بھروسے پہ اب ہمیں زندہ رہنا تھا۔

اور پھر اچانک یہ تلخ احساس ہوا کہ شاہجہاں کی اس اتنی وسیع دلّی میں ہم ایک دم اکیلے رہ گئے تھے۔ ترکمان گیٹ کے اندر یہ تنگ سا کوچہ جس میں شیخ نورالٰہی کا اتنا پرانا خاندان مدتوں سے آباد تھا ہم سب سے پوری طرح کٹ گیا تھا۔ مجھے تو خیر اس گھر میں آئے بہت عرصہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس گھر کے دوسرے لوگ تو لگ بھگ ایک صدی سے یہاں آباد تھے۔ اور اس تنگ سے کوچے میں رہنے والے لوگوں کی زندگیوں کا ایک بہت اہم حصہ تھے۔ شیخ نورالٰہی کی آواز کو صرف اس کوچے کے رہنے والے ہی نہیں۔ پرانی دلّی کی تمام مسلم آبادی پہچانتی تھی اور پھر انجم کا اپنا بھی ایک حلقہ تھا۔ اس کوچے میں بھی اور اس کے باہر بھی۔ شادی کے بعد

جب اس گھر میں میری سیپشن کی تقریب ہوئی تھی تو اس کے کئی دوست آئے تھے اور محلے کے بھی کتنے ہی لوگ تھے۔ اس کے بعد بھی کئی دنوں تک انجم کے ابّا کے دوستوں کے خاندانوں کے افراد، محلے کی عورتیں، اور ایسے ہی ڈیروں لوگ امّاں کو مبارک باد دینے آتے رہے تھے۔ ابا کی گرفتاری کے بعد لوگوں کا آنا کافی حد تک بند ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی ملنے والے آتے ہی تھے۔ کم سے کم گلی محلے کے لوگوں کا آنا تو جاری ہی تھا۔ لیکن انجم کی گرفتاری کے بعد تو ایسے ہو گیا تھا جیسے ہمارے گھر کا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا ہو۔ لوگ راستہ کاٹ کر گذر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ نرگس کی دوستوں نے بھی جو دن رات اس کا پیچھا نہ چھوڑتی تھیں اب اس سے ملنا جلنا ایک دم چھوڑ دیا تھا۔ ایسا تو کسی ملک میں کبھی نہ ہوا ہو گا کہ لوگوں نے اپنے سماجی رشتے ہی توڑ دیئے ہوں۔ یہ کیسا سماجی سانحہ تھا کہ وہ لوگ جن کے گھروں کی چھتیں آپس میں ملتی تھیں۔ کمروں کی دیواریں سانجھی تھیں اور جو ایک زمانے سے ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹتے آئے تھے۔ ایک دم اجنبی بن گئے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہ ہوں۔ بلکہ، وقوم پر یہ کیا حادثہ گذرا تھا کہ سبھی انسانی رشتے مفلوج ہو گئے تھے۔ یہ کون سی چٹان آ گری تھی۔ محبت، بھائی چارے اور خلوص کے سوتوں پر کہ ایک بوند بھی باہر نہ نکلتی تھی۔ یہ کیا ہوا تھا کہ لوگوں کی مسکراہٹیں مر گئی تھیں۔ اور قہقہے قتل ہو گئے تھے۔ اور آنسو سوکھ گئے تھے۔ اور دل کی دھڑکنیں گنگ ہو گئی تھیں۔ یہ کون نادر شاہ گذرا تھا دلی کی اس بستی سے کہ وہاں کے آنگن اجاڑ ہو گئے تھے۔ اور جگہ جگہ خشک اور وسوسوں کی خاردار جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ جن کی گھنی چھاؤں میں زہریلے جانور پرورش پا رہے تھے۔

یا اللہ یہ کیا ہو گیا تھا جیتے جاگتے انسانوں کو!

لگتا تھا جیسے ہم ترکمان گیٹ کے اِس تاریخی علاقے میں نہیں بلکہ کسی قبرستان میں جا رہے تھے۔ قبرستان میں بھی تو کبھی کبھی زندگی کے آثار جاگ جاتے ہیں۔ جب کبھی کوئی جنازہ کسی تازہ کھدی ہوئی قبر کے قریب کندھوں سے اُتارا جاتا ہے اور لوگ ماتم کناں ہوتے ہیں تو قبرستان کچھ گھڑیوں کے لئے آباد ہو جاتا ہے۔ مُردوں کی بستی میں بھی زندگی کا گذر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس علاقے میں تو جیسے اب کوئی جنازہ بھی نہ اُٹھتا تھا۔ یہ کیا قبرستان تھا جہاں ہم سانس لے رہے

Scanned by CamScanner

تھے نہ کوئی کتبہ بولتا تھا۔ نہ کوئی پھول کھلتا تھا۔ نہ کسی قبر کی تازہ مٹی کی باس تھی نہ ماتم گساروں کے لوٹتے ہوئے قدموں کی آواز۔ مجھے لگا میں اس سماجی قبرستان میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔

میں اس کرب کو صرف محسوس کرتی تھی۔ اس کا اظہار میں نے کبھی نہ کیا تھا لیکن اماں کے لئے یہ عذاب ناقابل برداشت تھا۔ ایک دن وہ پھوٹ پڑیں۔

"انجم کے ابا جب یہاں تھے تو درجنوں لوگ گھر کے چکر لگایا کرتے تھے اب جیسے سب نے انہیں فراموش کر دیا ہے۔"

"سب ڈرتے ہیں۔ شیخ نور الٰہی سے شناسائی کا مطلب ہے گرفتاری۔" نرگس بولی۔

"اور انجم نے کیا بگاڑا ہے کسی کا؟"

"اس نے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ ملک کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں۔ لیکن اسے بنانے میں ساٹھ کروڑ انسانوں کا ہاتھ ہے۔"

"اور کچھ لوگوں کو یہ بات ناگوار گذری ہے۔" میں نے نرگس کی بات کی تائید کی۔

"اور انہی لوگوں نے باشعور اور باعزت انسانوں کا جینا مشکل کر دیا ہے۔"

"اب تو ارشد کا کوئی دوست بھی ادھر نہیں آتا۔" اماں بولی۔

"اس سے دوستی نبھانے کا مطلب ہے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا کیوں کوئی ڈالے گا اپنی زندگی کو خطرے میں؟" میں نے کہا۔

"ہائے کیسا زمانہ آگیا ہے۔ کتنے بے مروت ہو گئے ہیں لوگ!"

اماں بڑے مروت اور خلوص اور اخلاق بھرے زمانے سے گذری تھی اسے ابھی تک ان قدروں کا احساس تھا جن کی چھاؤں میں اس کی پیڑھی کے لوگ جیئے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان مثبت قدروں کے تن آور پیڑ خزاں کے ہاتھوں کب کے فنا ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں جو ایک آدھ سوکھا ہوا تنہ نظر آجاتا تھا۔ اس کی جڑوں میں بھی منفی قدروں کی دیمک لگ گئی تھی۔ اور دھڑی کے رس کو چوس کر تنے کو دھیرے دھیرے کھوکھلا کرتی جا رہی تھی۔ ایک دن یہ ٹھونٹھ بھی گر جائیں گے اور ایک آدھ پرندہ

جو بھولے بسرے اُن پر آ بیٹھا تھا وہ بھی انہیں چھوڑ جائے گا۔
انسانوں کے کیسے اُجاڑ جنگل میں گھر گئے تھے ہم لوگ!

میرے ابّا نے اپنا تمام رسوخ استعمال کر لیا لیکن اُنہیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ انجم کو گرفتار کرنے کے بعد کہاں لے جایا گیا تھا۔ پروفیسر گردور اور اُس کے ساتھ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا اُن کے بارے میں بھی کسی کو کچھ علم نہ تھا۔

ایک دن پروفیسر گردور کی بیوی ہمارے گھر آئی۔ اُس کے ساتھ اُس کی دو بچیاں تھیں۔ جو اپنے ڈیڈی کی جُدائی میں ادھ موئی ہو گئی تھیں۔

"مجھے تو یہ نوٹس بھی دے دیا گیا کہ ہفتہ کے اندر اندر اپنا کوارٹر خالی کر دوں"۔

"یہ تو بہت زیادتی ہے"۔ نرگس بولی۔

"میں ان بچیوں کو لے کر کہاں جاؤں گی؟ میرے پتا بھی امرتسر میں ہیں۔ رہی میں میرا کوئی بھی نہیں۔ جتنے واقف کار تھے سب نے آنکھیں پھیر لی ہیں"۔

"بیٹی میں تو تمہیں اپنے گھر میں آ جانے کو کہہ دیتی۔ لیکن حالات اتنے بدل گئے ہیں کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی"۔ اماں نے اُس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

"ماں جی میرے گھر میں تو کوئی راشن لانے والا بھی نہیں"۔

"اس کا انتظام کل ہو جائے گا۔ میں کسی کو کل آپ کے گھر بھیجوں گی"۔ نرگس بولی۔

"لیکن آپ لوگ بھی کب تک میرا ساتھ دے سکیں گے؟"

"جب تک ہم زندہ ہیں"۔ اماں نے کہا۔

میں نے دیکھا پروفیسر گردور کی بیوی کی آنکھیں شکر گزاری کے جذبے سے نم ہو گئی تھیں۔

اماں نے بچوں کو کچھ پھل کھانے کو دیئے۔ کچھ مٹھائیاں دیں۔ بچیاں بہل گئیں۔

"ان لوگوں کو کہاں رکھا گیا ہے کچھ معلوم کرایا آپ نے؟ میں تو چکر مار مار کے تھک گئی ہوں"۔

"کچھ پتہ نہیں چلا کسی کا۔ میرے ابّا نے وزارت کو کوشش کر لی"۔ اب کی میں نے جواب دیا تھا۔

میرا اور اس دکھی عورت کا درد سانجھا تھا۔ بلکہ اُس کا درد مجھ سے بھی زیادہ شدید تھا۔ میرا کوئی ٹھکانہ تو تھا۔ یہیں قریب میرے ماں باپ کا گھر تو تھا۔ اس سینکڑوں میل دُور

Scanned by CamScanner

بڑی بدنصیب عورت کا کون تھا یہاں دلّی میں ؟

"میں امرتسر چلی گئی تو پروفیسر صاحب کو دیکھنے کیسے آؤں گی ؟" وہ بولی۔

"آپ یہاں آجایئے گا۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ چلیں گے۔ یہ ہم سب کا کامن کاز ہے۔" نرگس نے کہا۔

"شکریہ نرگس بہن۔"

مسز گرودر کے بیٹھے ہی انور آگیا۔ اماں نے اُسے کہا کہ وہ اگلے دن اُن کے گھر جاکر راشن لادے اور اُن کے پانی اور بجلی کے بل بھی جمع کرادے۔ انور مسز گرودر کو بس اسٹینڈ تک چھوڑ کر واپس آگیا اُس نے بتایا کہ انجم کے ابا کو آگرہ جیل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا ؟" نرگس نے پوچھا۔

"جگی سیال آج صبح ہی بتا کر گیا تھا۔"

"اب کہاں ہیں وہ ؟" میں نے پوچھا

"انجم بھائی جان کا پتہ لگا رہا ہے۔"

"تو اب انجم کے ابّا سے ملاقات آگرہ میں ہوگی ؟" اماں نے سوال کیا۔

"ہاں اماں جان !" انور بولا۔

"میں تو نہیں جا سکوں گی وہاں۔ ساجدہ اور نرگس کو لے جانا۔"

"آپ بھی تو چلیں گی ؟" میں نے کہا۔

"نہیں۔ میں اس آزاد اور بے باک شخص کو ایک قیدی کی شکل میں نہیں دیکھ سکتی۔" یہ کہتے ہوئے اماں کی آواز بھرا گئی۔ اور وہ اُٹھ کر اندر چلی گئیں۔ میں بھی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نرگس اور انور کچھ دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے اور پھر وہ چلا گیا۔

اگلے دن آکر انور نے بتایا کہ وہ پروفیسر گرودر کے گھر راشن ڈال آیا تھا۔ اور بجلی اور پانی کے بل بھی جمع کرا آیا تھا۔ لیکن اسے معلوم ہوا تھا کہ پروفیسر گرودر کا راشن کارڈ کینسل کیا جا رہا تھا۔ اُسے نوکری سے معطّل کر دیا گیا تھا۔ اور ابھی تک اُس کی تنخواہ

کا ایک پیسہ بھی اُس کے گھر والوں کو نہیں ملا تھا۔ ظاہر تھا کہ انجم کو بھی معطل کر دیا گیا ہوگا اور اُس کی تنخواہ بھی روک دی گئی ہوگی۔ یہ عجیب بات تھی کہ بے چینی اور فکر کی شدّت میں ہم سب سے کسی نے بھی اس کے بارے میں نہ سوچا تھا۔

تین ماہ تک انجم اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔

اِس دوران نرگس اور میں انور کے ساتھ آپا جان سے ملاقات کے لئے آگرہ گئی تھیں میرے آپا ہمارے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن انجم کی امّاں نے روک دیا تھا۔ اب ایک وہی تو تھے جن کا سہارا باقی تھا۔ خدانخواستہ کہیں وہ بھی گرفتار کر لئے گئے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔ وہ ہمیں ٹرین میں بٹھا کر واپس چلے آئے۔

میں نے تو کئی مہینوں کے بعد آپا کو دیکھا تھا۔ وہ بظاہر خوش تھے لیکن لگتا تھا کہ اُن کی صحت ٹھیک نہیں تھی۔

"آپ اپنی صحت کا دھیان رکھا کریں ابا جان۔" میں نے کہا۔

"میں یہاں سسرال میں نہیں جیل میں ہوں۔" وہ زور سے ہنسے

"آپ کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" نرگس نے پوچھا۔

"سب کو الگ الگ جیلوں میں بھیج دیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی سزا ہے۔ لیکن ارشد کہاں ہے؟" اُنھوں نے تشویش کا اظہار کیا۔

"بھیّا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا اب تک"۔ نرگس نے جواب دیا۔

"قُریشی صاحب کا تو بڑا رسوخ ہے"۔

"آپا نے بہت کوشش کی ہے لیکن کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں۔" میں نے کہا۔

"تم لوگوں کا گذارا کیسے چل رہا ہے؟"

"ٹھیک چل رہا ہے آپا جان۔ کوئی پریشانی نہیں"۔ نرگس بولی۔

"میں جو کاغذات تمہیں دے آیا تھا اُن میں ایک لفافے میں چار ہزار روپے بھی تھے۔ اُن میں سے خرچ کرو۔ میں اسی لئے یہ رقم چھوڑ کر آیا تھا۔"

یہ بزرگ نیشنلسٹ مسلمان جو صرف ایک کریانے کی معمولی سی دُکان پر بیٹھ کر

شطرنج کی بازی لگاتار رہتا تھا۔ کتنا باشعور آدمی تھا۔ اور اُس کے ذہن میں کتنی ترتیب تھی۔ میں نے بڑی عقیدت سے آباجان کو دیکھا۔ وہ مسکرا دیئے۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ساحرہ"۔

"ہمیں معلوم ہے آباجان!"

"تو اس رقم کو استعمال کرو"۔

"بہت اچھا آباجان" نرگس بولی۔

انور بھی پاس کھڑا یہ بات سُن رہا تھا جس کے گھر میں آبا کی پوٹلی اور تمام کاغذات اور روپوں کا وہ لفافہ بھی محفوظ پڑا تھا۔

"اب تم ارشد کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ وہ پکڑا گیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مجھ سے بعد میں گرفتار ہوا"۔

یہ کہتے ہوئے آباجان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ کیا باپ تھا جو اپنے بیٹے کو اپنے سے پہلے جیل بھجوا کر خوش ہوتا۔ میں سوچنے لگی۔

پھر ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔

پلیٹ فارم کے ایک بنچ پر ہم چائے کی پیالی ہاتھوں میں پکڑے خاموش بیٹھے تھے گاڑی آنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ میں نے یوں ہی غیر ارادی طور پر نظر اُٹھائی تو دیکھا سامنے سُکھ پال کھڑا تھا۔

"وہ سُکھ پال سنگھ نہیں ہے کیا"؟ میں نے انور سے سرگوشی میں کہا۔

"وہی ہے۔ بلاؤں؟"

"نہیں۔ نرگس بولی۔

"تم ذرا اِدھر اُدھر ٹہلو۔ تمہیں دیکھ لے گا تو خود ہی چلا آئے گا"۔ میں نے کہا۔

انور بڑی بے نیازی سے چائے کی پیالی لئے پلیٹ فارم پر گھومتا رہا۔ مجھے لگا سُکھ پال نے اُسے دیکھ لیا تھا لیکن وہ اُس کے قریب نہیں آیا۔

اُس نے ایک نظر مجھ پر اور نرگس پر بھی ڈالی تھی لیکن وہ ہماری طرف آیا نہیں تھا۔

Scanned by CamScanner

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

ٹرین سے آنے کے کچھ ہی لمحے پہلے پلیٹ فارم پر پولیس کے درجنوں سپاہی گھوم رہے تھے۔ جب ہم ٹرین میں بیٹھ گئے تو پولیس کے سپاہی بھی ڈبوں میں چڑھ گئے تھے۔ اور جب ٹرین اسٹارٹ ہوئی تو کوئی بھی سپاہی پلیٹ فارم پر نہیں تھا۔ شاید سبھی مختلف ڈبوں میں گھس گئے تھے۔

سکھ پال سنگھ کہیں نظر نہ آیا۔

اگلے دن انور اتاکے کاغذات میں سے وہ لفافہ نکال کر لے آیا جس میں چار ہزار روپے کے نوٹ تھے۔ اور اُس کے ساتھ ہی ایک خط بھی دے گیا۔ یہ خط جگی سیال کا تھا جو انور کی غیر حاضری میں اُس کے گھر آیا تھا۔

وہ خط میں نے پڑھا۔ کسی کو مخاطب نہیں کیا گیا تھا۔ صرف ایک جذباتی قسم کی تحریر تھی۔

> شاعر آج کل حصار میں ہے۔ یہ ہریانہ کا وہ شہر ہے جسے فیروز تغلق نے آباد کیا تھا۔ یہاں آج میں اُس محل کے آثار میں جس کے نیچے زمین دوز سُرنگ ہے اس سُرنگ میں اُتر کر وہ ہر روز اپنی ایک گجری محبوبہ کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ میں آج کی رات اِس محل میں گذار رہا ہوں اور اپنے آپ کو فیروز تغلق سمجھ رہا ہوں۔ لیکن میری گجری میرے پاس نہیں۔ تم لوگ کبھی اِدھر آؤ تو اِس محل کو ضرور دیکھنا۔
>
> ہیر سیال کا عاشق

اُس خط کو پڑھنے کے بعد میں نے اُسے نرگس کی طرف بڑھا دیا اور اُس نے اماں کو دے دیا۔

"ہیر سیال کا عاشق واقعی بڑا دلیر آدمی ہے۔"

"دلیر نہ ہوتا تو ہیر کا عاشق کیسے بنتا۔" میں نے نرگس کی بات کا جواب دیا۔

جگی سیال تین ماہ کے بعد الجم کے بارے میں کوئی خبر بھیج سکا تھا۔ بے چارہ کہاں کہاں گھومتا رہا ہوگا۔

Scanned by CamScanner

انجم کے جانے کے بعد نرگس میرے ہی کمرے میں سونے لگی تھی۔ ہم نے اماں سے کئی بار کہا کہ وہ نیچے کے کمرے کی بجائے اوپر نرگس کے کمرے میں سو جایا کریں۔ لیکن وہ نہیں مانیں۔ انہیں صبح سویرے جاگ کر نماز ادا کرنا ہوتی تھی۔ اور قرآن کی تلاوت کرنا ہوتی تھی۔ انہیں ہم گناہ گار لڑکیوں کے پاس سونا پسند نہیں تھا۔

اُس دن ہم خوش تھیں کیوں کہ اتنی مدت کے بعد انجم کی خیر ملی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ہم نے اکٹھے بیٹھ کر چائے پی اور اپنے ملنے والوں کے بارے میں باتیں کیں

"انور میں کل حضرت سرور کی درگاہ پر جانا چاہتی ہوں"۔

"میں لے چلوں گا ساحرہ آپا"

"تم بھی چلو گی نرگس؟"

"میں کیوں نہیں جاؤں گی۔ تمہارا سایہ تم سے کیسے الگ رہ سکتا ہے!"

وہ مسکرائی۔

"اور تمہارا سایہ؟"

"وہ تو میرے ساتھ ہو گا ہی"

انور ہماری گفتگو سن کر شرما گیا۔ کتنا شریف لڑکا تھا وہ کتنا ذمہ دار بھی۔

انور کے جانے کے بعد میں اور نرگس اوپر آ گئیں۔ اور بہت دیر انجم کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔

"سکھ پال سنگھ کل ایک بار نظر آ کر کہاں غائب ہو گیا؟" نرگس نے پوچھا۔

"میرے خیال سے پولیس اُس کا پیچھا کر رہی تھی"۔

"لیکن وہ آگرہ کس کام سے گیا ہو گا؟"

"انجم کے کچھ ساتھی ضرور آگرہ جیل میں ہوں گے۔ اُنہی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے گیا ہو گا"۔

"تو کیا وہ اُسی ٹرین میں تھا۔ جس سے ہم لوگ آئے تھے؟"

"نہیں نرگس وہ پولیس کو چکمہ دے گیا۔ بڑا جاندار آدمی ہے"۔

Scanned by CamScanner

"اِس کا مطلب ہے وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آیا۔"

"مجھے یقین ہے وہ کسی طرف نکل گیا ہوگا۔"

اور پھر ہوا یہ کہ اماں جان اوپر آئیں اور کہا کہ سکھ پال سنگھ آیا تھا۔ اور ہمیں فوراً نیچے آنے کو کہا تھا۔

کمال ہوگیا۔ کیسا طلسماتی آدمی تھا وہ سکھ نوجوان۔

ہم نیچے گئیں تو وہ شیروانی پہنے اور سر پر ترکی ٹوپی سجائے برآمدے میں کھڑا تھا۔

"ساحرہ بھابھی میں معافی مانگنے آیا ہوں کہ کل آگرہ اسٹیشن پر آپ لوگوں سے نہیں ملا۔"

"بیٹھو تو سہی۔"

"نہیں میں جلدی میں ہوں۔ پولیس میرے پیچھے تھی اس لئے آپ لوگوں سے ملنا آپ کو بھی مصیبت میں ڈالنا تھا۔"

"آگرہ کیوں گئے تھے آپ بھائی صاحب؟" نرگس نے پوچھا۔

وہ لوگ انجم کے ساتھیوں کو الگ الگ کرکے ورغلا رہے ہیں اور اُن سے ایک دوسرے کے بارے میں پوچھ تاچھ کر رہے ہیں اور ہم لوگوں کے نام اور پتے پوچھ رہے ہیں۔ جوانڈر گراونڈ ہیں۔"

"آپ نے کیا کہا؟"

"جو جہاں جہاں ہے اُسے بتادیا ہے کہ مضبوط رہے اور کسی کو کچھ نہ بتائے"

"انجم کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ حصار جیل میں ہے۔ جگی نے آپ کو اطلاع دے دی ہوگی۔"

"آج ہی اطلاع ملی ہے۔"

"جائے وائے تو پی لو بیٹا۔" اماں نے کہا۔

"نہیں اماں جان۔ مجھے انور سے ملنا ہے اور پھر آج ہی رات پنجاب جانا ہے۔"

"رُکو گے نہیں؟"

"نہیں اماں جان۔ اچھا ست سری اکال۔"

Scanned by CamScanner

"ست سری اکال" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور سکھ پال سنگھ پل بھر میں تنگ نیم اندھیری گلی میں غائب ہو گیا۔

اگلے دن انور مجھے اور نرگس کو سرور کی درگاہ لے گیا۔ ہم دونوں سجدہ ادا کر کے لوٹیں تو جامع مسجد کے سامنے عورتوں کا ایک جلوس جا رہا تھا۔ انہی گلی کوچوں کی عورتیں تھیں۔ جو جامع مسجد کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ عورتیں برقعوں میں تھیں کچھ برقعوں کے بغیر۔ جو برقعوں کے بغیر تھیں وہ قریب قریب سبھی جوان عورتیں تھیں بڑے بڑے الفاظ میں لکھے بینر اٹھائے ہوئے تھیں کچھ عورتیں جن پر لکھا تھا۔ "عورتوں کا راج زندہ باد" بازوؤں کو لہرا لہرا کر پورے گلے کی آواز سے وہ عورتوں کے راج کے نعرے لگا رہی تھیں۔ میں اور نرگس ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ اور جلوس کو دیکھتی رہیں۔ انور کچھ دیر کے لئے ہم سے الگ ہو گیا جب ہم گھر کی طرف لوٹیں تو تھوڑی دیر کے بعد انور بھی ساتھ مل گیا۔

"دیکھا آپ نے یہ نیا انقلاب؟"

"ہاں۔ گھروں سے باہر نہ نکلنے والی عورتیں اب بازاروں میں مردوں کے خلاف نعرے لگا رہی ہیں" نرگس نے کہا۔

"اور کہہ رہی ہیں عورتوں کا راج زندہ باد"۔

"لیکن ایک مزے کی بات بتاؤں؟"

"بتاؤ"

"میں آپ سے الگ ہو کر ادھر ادھر پھیلی مردوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔ ان مردوں نے اپنی اپنی عورتوں کو اپنے خلاف نعرے لگانے کے لئے خود ہی جلوس میں شامل کیا ہے اور ان کے لئے معقول معاوضہ بھی لیا ہے"

"سچ!"

"ہاں آپا"

مجھے اور نرگس کو ہنسی آ گئی۔ سیاست میں کیا کیا چلتر کئے جاتے ہیں۔

"جب یہ عورتیں اس سے فارغ ہو کر گھر جائیں گی تو ان کے مرد جلوس کے عوض

کی رقم سے گوشت، پھل، سبزیاں خرید کر لے جائیں گے۔ اور عورت راج کی کامیابی کے لئے جشن منائیں گے۔ انور نے یہ کہہ کر زور کا قہقہہ لگایا۔

اِس قہقہے کی آواز پولیس کے اُن سپاہیوں نے بھی سُنی ہو گی۔ جو عورت راج کی حفاظت کے لئے گشت کر رہے تھے لیکن وہ یہ نہ جان پائے ہوں گے کہ انور کے اس بھرپور قہقہے میں طنز کی کتنی پھلجھڑیاں شامل تھیں۔

انجم سے ملاقات کی اجازت حاصل کرنے میں کئی دن لگ گئے۔ جس دن میں نے ملاقات کا دن اور وقت مقرر کرنے کے لئے درخواست دی اُس سے پہلے میں نے انور کو مسز گرودر کے گھر بھیجا تاکہ اُس کی طرف سے بھی پروفیسر گرودر سے ملاقات کرنے کی درخواست دلوا دوں۔ پروفیسر گرودر ابھی تک حصار جیل ہی میں تھا۔ انور نے واپس آ کر بتایا کہ مسز گرودر اپنے والدین کے پاس امرتسر چلی گئی تھی کیوں کہ اُس سے کوارٹر خالی کرا لیا گیا تھا۔ اور اُس کا راشن کارڈ بھی کینسل کر دیا گیا تھا۔ مجھے یہ سُن کر بہت دُکھ ہُوا۔ مسز گرودر بے چاری اب اپنے خاوند سے کیسے ملاقات کرے گی؟ جب تک اُسے معلوم ہو گا کہ پروفیسر گرودر حصار جیل میں تھا اور وہ اُس سے ملاقات کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے کوشش کرے گی جب تک تو پروفیسر گرودر کسی دوسری جیل میں منتقل ہو چکا ہو گا۔ اُس بے سہارا عورت اور اُس کی معصوم بچیوں کا جانے کیا حشر ہو گا؟

ملاقات کا وقت دن کے گیارہ بجے کا تھا۔

دہلی سے حصار تک بس کا سفر چار گھنٹوں کا تھا۔ ہم کہیں صبح پانچ بجے گھر سے نکلیں تو حصار جیل میں وقت پر پہونچ سکیں گے۔ مجھے تمام رات نیند نہ آئی۔ اماں بھی جاگتی رہی تھیں۔ اور رات میں کئی بار انھوں نے بجلی جلا کر وقت دیکھا تھا۔ میرے ابا نے بھی ہمارے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ وہ انجم سے مل تو نہیں پائیں گے۔ لیکن ہمیں حفاظت سے ساتھ لے جائیں گے اور واپس تو لے آئیں گے۔ اس لئے یہی طے ہوا کہ وہ ساڑھے پانچ بجے تک بس اسٹینڈ پہونچ جائیں گے۔ البتہ انور نے یہیں ہمارے گھر آ جانے کی تجویز رکھی تھی وہ ہم تینوں کو خود ہی بس اسٹینڈ لے جائے گا۔ اماں تو خیر بہت جلدی جاگ گئی تھیں۔

اور جب تک نرگس اور میں تیار ہوئیں۔ وہ نماز بھی پڑھ چکی تھیں اور قرآن کی تلاوت بھی کر چکی تھیں۔

ٹھیک پانچ بجے زور کی بارش ہو گئی۔ یہ موسم برسات کی شاید آخری بڑی بادو شغی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل ہو گیا۔ اور رکم بخت کو بھی آج ہی برسنا تھا۔ اب ہم لوگ حصار کیسے پہونچیں گے۔ ملاقات کا وقت نکل گیا تو جیل کے افسر ہمیں انجم سے بالکل نہیں ملنے دیں گے۔ ملاقات کی اجازت حاصل کرنے ہی میں کتنی مشکلیں پیش آئی تھیں۔ یہی حال نرگس کا تھا۔ اماں بے چاری تو بدحواس ہو رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے آسمان پھٹ پڑا تھا۔ ہائے اللہ اتنی تیز بارش اور اس کے ساتھ اتنی ہی تیز آندھی!

"شاید اللہ کو منظور نہیں ہے کہ ہم ارشد سے ملیں۔" اماں نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا اتنا نامہربان نہیں ہے اماں۔" نرگس نے جواب دیا

لیکن میرے دل کی حالت تو اتنی بری تھی کہ میں کچھ بول نہ سکی بہت ہی کڑے امتحان کا وقت تھا

اس لمحہ دروازے پر زور کی دستک ہوئی۔

"انور آیا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے بارش سے بھیگتی نرگس نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھولا۔

"انور سر سے پاؤں تک بری طرح بھیگ رہا تھا"۔

یوں تو صبح ہو گئی تھی لیکن کالے گھرے ہوئے بادلوں کے باعث اب تک اندھیرا تھا۔

"جلدی کیجئے۔ میں دو اسکوٹر لے آیا ہوں!"

ہم تینوں ڈیوڑھی سے باہر نکلیں۔ انور نے ڈیوڑھی پر تالا ڈالا۔ جب تک ہم اسکوٹر میں بیٹھیں بری طرح بھیگ چکی تھیں۔ انور اماں کے ساتھ بیٹھا اور میں اور نرگس دوسرے اسکوٹر میں بیٹھ گئیں۔ اسکوٹر جب آصف علی روڈ سے نکل کر راج گھاٹ کے سامنے سے گزرے تو سڑک پر ندیاں بہہ رہی تھیں۔ خیریت ندی کے راستے میں اسکوٹر خراب نہیں ہوئے۔ جب ہم بس اسٹینڈ پر پہونچے تو میرے ابا بڑے پریشانی سے بس اسٹینڈ کے شیڈ کے نیچے کھڑے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

"میں نے سوچا تھا، تم نہیں آپاؤگی" انھوں نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ ہم پہونچ گئیں"۔ اماں نے جواب دیا۔

Scanned by CamScanner

تمام بس اسٹینڈ پانی سے بھرا تھا۔ کوئی اکّا دکّا مسافر ہی اِدھر اُدھر کھڑا نظر آ رہا تھا۔ ورنہ بس اسٹینڈ سنسان تھا۔ اور بارش لگاتار ہو رہی تھی۔

"ہمیں چھ بجے والی بس مل جائے گی"۔ ابّا بولے۔

"ٹھیک ہے ابّا جان"۔ میں نے کہا۔

اتنی دیر میں اندور بارش میں بھیگتا ہوا حصار جانے والی بس کا نمبر پوچھ آیا تھا۔ ہم پانچوں بس میں بیٹھ گئے۔ میں اور ابّا ایک سیٹ پر بیٹھ گئے اور سامنے والی سیٹ پر نرگس اماں اور انور بیٹھ گئے۔ بس اسٹارٹ ہونے سے پہلے اور بھی پانچ سات مسافر بیٹھ چکے تھے۔ کنڈکٹر نے ٹکٹ بس کے اندر ہی دیئے۔ بس اس طرح چنگھاڑتے ہوئے اسٹارٹ ہوئی۔ جیسے کوئی سرکش اونٹ نکیل کھینچنے پر شور مچاتا ہے۔

میں نے پہلی بار دلّی کے مختلف علاقوں سے گذرتے ہوئے برسات کا وحشت ناک منظر دیکھا تھا۔ سنسان سڑکیں بنا کناروں کے بپھری ہوئی ندیاں بنی ہوئی تھیں۔ کھڑکیوں کے شیشے چڑھانے کے باوجود پانی بس کے اندر آ رہا تھا۔ اوپر سے چھت بھی ٹپکنے لگی تھی۔ اور پانی کی بوندیں ہمارے سروں پر گر رہی تھیں۔ ہم نے چلتی بس میں اپنی سیٹیں بدلیں لیکن ان سیٹوں پر بھی چھت سے بوندیں اُسی طرح ٹپک رہی تھیں۔ جب ہم یونیورسٹی کے سامنے سے گذر کر آزاد نگر سے ہوتے ہوئے نکلے تو بارش اور بھی تیز ہو گئی۔ ستمبر کے ان دنوں میں مجھے سردی لگنے لگی۔ اور اماں نے بُری طرح کھانسنا شروع کر دیا۔

ابّا پریشان ہو گئے۔

کنڈکٹر ڈرائیور کے پاس یونٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

جب پون گھنٹہ کے بعد بس بہادر گڑھ پہونچی تو آسمان ایک دم صاف ہو گیا۔ اُدھر تو بارش کی ایک بوند بھی نہ برسی تھی۔ یہیں سے ہریانہ کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔

"یہاں بس دس منٹ رُکے گی"۔ کنڈکٹر نے اعلان کیا۔

ہم سب کی جان میں جان آئی۔ ابّا اور انور بس سے نیچے اُتر گئے اور ہم سب کے لئے گرم گرم چائے کی پیالی لے آئے۔ چائے پینے کے بعد لگا کہ ہم لوگ زندہ تھے یہاں سے اتنے مسافر

چڑھے کہ کئی لوگوں کو سیٹ بھی نہ ملی۔ سیٹوں کے درمیان والی پانی سے بھری جگہ پر سیٹوں کو تھامے کئی مسافر کھڑے ہو گئے۔ بس چلی تو بیڑیوں کے دھوئیں سے دم گھٹنے لگا۔ اماں کی حالت تو پہلے ہی خراب تھی۔ انہیں اور زور کی کھانسی آ گئی۔ اور انھوں نے اپنے آپ کو برقعے کی پرتوں میں لپیٹ لیا۔

"بھائی صاحب بیڑی بجھا دو"۔ انور نے اپنے پیچھے بیٹھے مسافروں سے کہا۔ ایک نے تو خوب سارا لمبا کش لے کر بیڑی بجھا دی لیکن دوسرے نے ٹھیٹھ ہریانوی میں کہا۔

"ہم تو نوں ہی پیویں گے بیڑی (ہم تو اسی طرح بیڑی پئیں گے)

ابا کو اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔

"چودھری صاحب بیڑی بجھا دو۔ عورتوں کو تکلیف ہو رہی ہے۔

"ہمیں گھنی تکلیف ہو رہا ہے" (ہمیں ان سے بھی زیادہ تکلیف ہو رہی ہے)

"ارے مسل دنیا بیڑی۔ کیوں بواد کر رہیا ہے؟" (بیڑی بجھا کیوں نہیں دیتے تکرار کیوں کر رہے ہو؟) ایک بزرگ مسافر نے ٹوکا جس کی اپنی سفید مونچھوں کے بال لگا تار تمباکو پینے سے زرد ہو رہے تھے۔ اور پھر مسافروں سے ٹھسی ہوئی بس میں سے پسینے کی تیز بو کا بھپکا ہماری طرف لپکا تھا۔ جیسے مجھے متلی ہونے کو تھی۔

حصار کے بس اسٹینڈ تک پہونچتے پہونچتے تو ہم نڈھال ہو چکے تھے۔ میں نے گھڑی دیکھی گیارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔

دھوپ اتنی تیز تھی کہ آنکھیں نہ کھلتی تھیں۔ اماں نے برقعے کی پرت نیچے کر لی۔ اور میں نے اور نرگس نے گاگلز لگا لئے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ جیل کس طرف تھی۔ انور ایک رکشا والے سے بات کر رہا تھا کہ ایک نوجوان لمبا کرتہ اور ٹنڈتوں جیسی دھوتی باندھے میرے قریب آ گیا۔

"کہاں جاؤ گی ری چھوری؟"

میں گھبرا گئی۔ لگا جیسے کوئی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی یا کوئی بدمعاش تھا۔

"کون ہو تم؟" نرگس نے غصہ سے پوچھا۔

میں نے اس کے چہرے پر پھیلی لمبی لمبی مونچھوں کو دیکھا تو ڈر گئی۔ میں ابا کو آواز دینے ہی لگی تھی کہ انور آ گیا۔

Scanned by CamScanner

"جیل جاوے گا رے چھورے ؟" اُس آوارہ آدمی نے انور سے پوچھا۔

"نہیں"۔

یہ کہہ کر انور نے اُسے غور سے دیکھا۔

"آپ یہاں ہیں"۔

"ہاں"

انور نے میرے قریب رک کر مجھے بتایا کہ وہ جگی سیال تھا۔ مجھے اور نرگس اور اماں کو ہنسی آگئی۔

"یہ رکشا والے تمہیں لے جائیں گے۔ جلدی کرو وقت بہت کم رہ گیا ہے"۔

جگی سیال نے تین رکشا والوں کو اشارہ کیا۔

"انہیں گجری محل میں واپس لے آنا"۔ اُس نے رکشا والوں کو ہدایت دی۔ اور ہم رکشا میں بیٹھ کر انجم سے ملاقات کرنے چل پڑے۔ میرے من میں راستہ بھر عجیب وغریب خیالات آتے رہے۔ جانے کیا ہوگا انجم کو؟ جانے جیل میں اُس سے کیسا سلوک کیا جا رہا ہوگا؟ وہ جیل کی کال کوٹھڑی میں کیسے دن گذار رہا ہوگا؟

اور پھر تینوں رکشا جیل کے باہر سڑک پر رُک گئیں۔

"میں یہیں کھڑا ہوں۔ تم لوگ جاؤ"۔ ابا باہر سڑک پر ہی رُک گئے اور انور ہمیں ساتھ لے کر جیل کے احاطے میں داخل ہو گیا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ پورے گیارہ بجے تھے۔ صاف نیلے آسمان سے آگ برس رہی تھی۔

اور میں نے پھر اپنے سامنے انجم کو دیکھا۔ اِن تین مہینوں میں جیسے اُس کے اوپر سے ایک صدی گذر گئی تھی۔ وہ تو پہچانا بھی نہیں جاتا تھا۔ وہ مسکرایا تو مجھے لگا کہ جیسے ایک ادھ کھلا زخم مسکرایا تھا۔ میں رو پڑی۔

"ارے ترکمان گیٹ کی شہزادی رو رہی ہے؟ شہزادیاں بھی روئی ہیں کبھی؟" اُس کی بات سُن کر میری چیخ ہی تو نکل گئی۔

اور مجھے یہ بھی دھیان نہ رہا کہ اماں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ میں تو کل سے انہیں سمجھاتی رہی تھی کہ

انجم کے سامنے اپنے اوپر پورا قابو رکھیں نہیں تو اُسے دکھ ہوگا۔ اور اب حالت یہ تھی کہ میں خود پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔ وہی ہوا۔ اماں بھی پھوٹ پڑیں۔ اور نرگس بھی۔

"انور، اگر جیل میں اس طرح کی ملاقاتیں ہوں تو قیدی تو زندہ ہی نہ رہ سکیں"۔ انجم انور سے مخاطب ہوا۔

"بھائی جان ہم بھی مجبور ہیں۔ آپ نے حالت دیکھی ہے اپنی؟"

"مجھ سے بھی بُری حالت ہے لوگوں کی۔ ابا جان سے کب ملے تھے۔ کہاں ہیں وہ؟"

"کچھ ہی روز پہلے مل کر آئے تھے ہم سب اُنہیں۔ وہ آگرہ جیل میں ہیں۔"

"اُن کی صحت کیسی ہے!"

"بہت اچھی نہیں"۔

بعد میں انور کو محسوس ہوا کہ اُسے انجم سے ابّا کی خراب صحت کے بارے میں نہیں کہنا چاہیئے تھا۔

جتنی دیر انجم اور انور آپس میں بات چیت کرتے رہے میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"کوئی نیا شعر سناؤ ارشد"۔

نرگس کے کہنے پر انجم پھر مسکرایا۔ وہی زخموں بھری مسکراہٹ اور پھر کہا۔

"سنو ایک شعر

خطائیں ڈھونڈ کر لاؤ میرے انصاف کی خاطر
سبھی منصف سبھی نوشیرواں بیکار بیٹھے ہیں!

"واہ کیا حقیقت نگاری ہے بھائی جان۔" انور نے داد دی۔

"کیسا لگتا ہے تمہیں یہ ماحول انجم؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے آج کل بنگلہ دیش کے شیخ مجیب الرحمان کا خیال آتا رہتا ہے آج سے چار برس پہلے جس شخص کے لئے پھانسی کا پھندہ تیار تھا اور جس سے اُسکی کوٹھڑی میں اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھدوائی گئی تھی۔ ایک رات میں موت کے منہ سے بچ کر دُنیا کی عظیم ترین ہیرو بن گیا تھا۔ اُس شخص کو اُس کے اپنے ساتھیوں نے ۱۵ اگست کی صبح کو گولیوں سے ہلاک کر دیا اور اُس

کے خاندان کے سبھی افراد کو قتل کر دیا۔ ایسی ہی موت ۱۹۶۱ میں کانگو کے ہیرو پیٹرس لمبومبا کی ہوئی تھی۔ بنگلہ دیش کے جنم داتا کو کوئی لانے والا بھی نہیں تھا۔ اگر اُس کی بڑی لڑکی حسینہ اور چھوٹی لڑکی ریحانہ یورپ میں نہ ہوتیں تو آج شیخ مجیب الرحمان کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ ہوتا۔"

انجم پر جذباتی ہو گیا تھا۔ اور اُس کی آواز بھرا گئی تھی پھر اُس نے کہا۔

"ایک بار مسولینی نے کسی جگہ لکھا تھا۔"

Attemted assassination are the accidents of kings, just as the feeling of chimneys are the accidents of masons. If we need to weep, set us weep for the masons.

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ معمار کون ہیں جو اِن حادثوں کے ذمہ دار ہیں۔ یہی سوال تاریخ نے بار بار پوچھا ہے۔"

"اور اس سوال کا جواب تاریخ کو کبھی نہیں ملا۔" نرگس نے کہا۔

"یہی سوال تاریخ اب ہم سے کر رہی ہے۔ جب تک ہم، تم اور ملک کے ساٹھ کروڑ انسان اس سوال کا جواب نہیں دیں گے۔ تب تک آنگ سانگ، اور لمبومبا، اور ایلنڈے اور فیصل اور مہاتما گاندھی قتل ہوتے رہیں گے اور وقت ہم سے ان قتلوں کا خون بھی مانگتا رہے گا۔ اِس سوال کا جواب تلاش کرو۔ انور، نرگس، ساحرہ، اور امّاں جان۔ اسی میں ہم سب کی نجات ہے۔"

اور پھر انجم خاموش ہو گیا۔ اور پھر دھیرے سے مسکرایا۔ اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے چوم لیا۔ پھر اُس نے نرگس کے گالوں کو تھپتھپایا۔ اور پھر امّاں کے ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اُن پر اپنا ماتھا ٹیکا دیا۔ اور پھر اُس نے انور کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"دنیا کا مستقبل تمہارے ہاتھ میں ہے۔ کیوں کہ تم نئی نسل کے نمائندے ہو!"

Scanned by CamScanner

اور پھر انجم نے بڑے پیار سے ہم سب کو دیکھا اور پھر اچانک اندر لوٹ گیا۔ جیل کی تاریک اور تنگ اور دم گھونٹ دینے والی فضا میں شاید اب وہ بول نہیں سکتا تھا۔ شاید آنکھوں کے آسمان میں کوئی گھٹا چھا گئی تھی۔

جب ہم جیل کے احاطے سے باہر آئے تو میرے ابّا نیم کی درخت کی چھاؤں میں کھڑے سگرٹ پی رہے تھے۔

ہم سب رکشا میں بیٹھ گئے۔ بھری دوپہر کی دھوپ اور گرم ہوا کے ریت اڑاتے ہوئے ریلے۔ رکشا والوں نے تو دہی ہُڈ چڑھا لئے تھے۔ کول تار کی جلتی ہوئی سڑک پر رکشا چلانے والوں نے اپنے سر اور گردنیں موٹے کپڑوں سے ڈھک رکھی تھیں۔ اور پھر کچھ دیر کے بعد تینوں رکشا ایک سنسان جگہ پر سڑک کے کنارے رُک گئیں۔ ہمیں رکشا سے اُترتے دیکھ کر جگی سیال سامنے کے اونچے کھنڈر کی ڈھلان سے پھسلتا ہوا نیچے آگیا۔

"کیوں مل آئے ہمارے ہیرو سے؟"

"مل آئے" انور نے جواب دیا۔

"آپ بھی ملنے گئے تھے ابّا جان؟"

"نہیں۔ میں نہیں گیا۔ بس سڑک پر کھڑا باہر یانہ کی کھلی ہوا کا لطف لیتا رہا۔"

"بہت لطف آیا ہوگا۔" اُس نے پوچھا۔

"بے حد۔ میں سوچتا ہوں اگر باہر یہ حال ہے تو جیل کے اندر کیا حال ہوگا؟"

"یہ سب سوچنے سے تعلق رکھتا ہے ابّا جان۔ آئیے اب آپ تاریخ کے ایک شہنشاہ کی عیاشی کا نمونہ دیکھئے۔"

جگی سیال آگے آگے چلتا گیا۔ اور ہم چڑھائی چڑھنے لگے۔ کنکروں پر پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ اوپر پہونچے تو ایک بارہ دری تھی۔ اور اُس کی ایک طرف ایک زمین دوز سرنگ اور ایک طرف دو چھوٹے چھوٹے مقبرے جن پر ایک درخت، کی گھنی چھاؤں پڑ رہی تھی۔ وہیں تین چار نوجوان کھڑے تھے۔ ہمیں دیکھ کر اُنھوں نے سلام کیا۔ اور پھر ہمیں بیٹھنے کو کہا۔

بارہ دری کے فرش پر انہوں نے تین دریاں بچھا رکھی تھیں اور پانی کا ایک گھڑا اور تین

چار گلاس دھرے تھے۔

ہم دریوں پر بیٹھ گئیں۔ پھر ہم نے گھڑے کا پانی پیا۔

جگی سیال نے یہاں ہمارے کھانے کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ کچھ سینڈوچز، کچھ پھل، ٹھنڈی کافی۔

"یار تم نے تو پوری دعوت کر رکھی ہے۔"

"ابّا جان، فیروز تغلق کے محل میں آئے ہیں آپ لوگ۔ کچھ تو ہونا ہی چاہیئے۔"

اُن جوان لڑکوں نے ہمیں کھانے کی چیزیں پیش کیں۔ کھانے کے دوران جگی سیال نے کہا۔

"یہاں کچھ نوجوان لڑکے بڑی لگن سے کام کر رہے ہیں۔"

"یہ سب اُنہی کی مہربانی ہے"۔ اُن میں سے ایک نے جگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ وہ راجپوت لڑکا ہے جس کے گاؤں میں پولیس نے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم کئے ہیں۔"

"آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا۔ ہریانہ کے ایک گاؤں میں پولیس نے ایک اسّی سال کی بڑھیا کو جلا کر مار ڈالا تھا اور اُس کی لڑکی کو تھانے میں اُس کے دونوں بھائیوں کے سامنے ننگا کیا تھا۔ وہ لڑکا بولا۔

"اس واقعہ کی خبر پڑھ چکا ہوں۔"

ابّا بولے۔

"میں اُسی گاؤں کا رہنے والا ہوں جس نے مظالم کے ایک مثال سانحے کو دیکھا ہے۔ آج بھی اُس گاؤں کے لوگ اس واقعہ کو یاد کر کے لرز اُٹھتے ہیں۔"

"لیکن اب وہ اِن مظالم کا حساب چُکائیں گے"۔ جگی نے کہا۔ ظلم کی صرف ابتدا ہوتی ہے انتہا نہیں ہوتی۔

"لیکن صبر کی انتہا ضرور ہوتی ہے بھیّا" نرگس بولی۔

"وہ مسیحا آجائے تو پھر لوگ صبر نہیں کرتے۔ بغاوت کرتے ہیں۔"

ہریانہ کے ایک دور دراز گاؤں میں رہنے والا پڑھا لکھا لڑکا بول رہا تھا۔

Scanned by CamScanner

اُس کے صحت مند چہرے پر جو جلال میں نے اُس وقت دیکھا اُس سے تو انقلابوں کی کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔

پھر جگی سیال نے ہمیں گجری محل کا تاریخی پس منظر بتایا اور پھر اُس گھنی چھاؤں والے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

"اس درخت میں بیلو لگتے ہیں کبھی کھائے ہیں آپ نے بیلو؟"

اُس نے مجھے مخاطب کیا۔

"نہیں۔"

"ایسے درخت تو پرانی درگاہوں میں دیکھے ہیں میں نے۔" اماں بولیں۔

"ان کی چھاؤں بہت گھنی اور ٹھنڈی ہوتی ہے اس لئے انہیں مقبروں پہ لگایا جاتا ہے۔"

"یہ مقبرے کن کے ہیں؟" ابا نے پوچھا۔

"اس کی پوچھ تاچھ ابھی کر رہا ہوں۔ جب آپ اگلی بار آئیں گے تو بتاؤں گا۔"

ابا مسکرا دیئے۔

پھر وہ اُٹھ کر گھنے اور بہت کم اونچے درخت کے قریب چلا گیا اور بولا۔

"جھنگ میں بیلو کے درخت بہت ہیں۔ جھنگ سے مجھے اس لئے پیار ہے کہ ہیر وہاں کی تھی۔ اس درخت کو اُدھر کی زبان میں ون کا درخت کہتے ہیں۔ ایک شاعر نے پنجابی میں اس پیڑ کے بارے میں بڑے اچھے شعر کہے ہیں۔"

"سنائیے" میں نے کہا۔

"لیکن آپ پنجابی سمجھ لیں گی؟"

"مطلب آپ بعد میں سمجھا دینا۔" نرگس بولی۔

اور پھر جگی سیال نے جھنگ کے مخصوص لہجے میں ایک مختصر سی نظم سنائی۔

میں ون دا سنگھنا بوٹا
ٹھنڈیاں میریاں چھاواں
مٹھیاں میریاں بیلو

اوڈا ہیا جھٹ گھُسا ے
اوبیلو میریاں کھا ے !
یں ون دا سنگھونا لُوٹا
ٹھنڈیاں میریاں چھاواں
جیون پنیڈا ڈونگا منیاں
پر اینج ڈُبھے سڑیاں
دھول بھیکیاں کجھ نہیں بندا
اوڈا جھٹ سُیا نے
جیہڑے چھاواں بیٹھ رہیا نے!
اوڈا ہیا جھٹ گھُسا لے
او بیلو میریاں کھا لے
یں ون دا سنگھنا لُوٹا
تے ٹھنڈیاں میریاں چھاواں

بہت کچھ مطلب تو جگی کے نظم پڑھنے سے ہی سمجھ میں آگیا تھا۔ لیکن جب اُس نے نظم کا ترجمہ اُردو میں کر کے بتایا تو اور بھی لطف آگیا۔ واقعی دھوپ میں لگاتار تھکان ہونے سے اور گرم ریت میں چلنے سے تو زندگی کا طویل اور دشوار گزار راستہ طے نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں کسی گھنی چھاؤں میں رُک کر سستانے ہی سے تو سفر جاری رکھا جا سکتا ہے۔ مجھے لگا انجم کی زندگی کا فلسفہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

مجھے اپنی بیاہتا زندگی کی پہلی رات یاد آگئی۔ جب کچھ ہی ماہ پہلے اپنے گھر کے تنگ اور گرم کمرے کی فضا میں اُس نے مجھے کہا تھا "ساحرہ اس تپتے ہوئے صحرا میں منزل کی تلاش میں سرگرداں اب مجھے اُس نخلستان کی ضرورت تھی جو تمہارے گیسوؤں کے جنگل میں ہے۔ اور تمہاری کمر کی ڈھلوان میں ہے اور تمہاری آنکھوں کے ٹھنڈے چشموں میں ہے۔"

"کیا سوچنے لگ گئیں آپ؟" جگی سیال نے ٹوک دیا۔

"پیلو کے اس پیڑ کی بات ہی سوچ رہی تھی۔ جب کبھی اس کے پیلو پکیں تو مجھے ضرور بھجوایئے گا۔"
میں نے اُس خوب صورت لڑکے سے کہا۔

"ضرور بھجواؤں گا جیجی!"

"ہریانوی میں بہن کو جیجی کہتے ہیں۔" جگی بولا۔

"تم تو اچھے خاصے ہریانوی بن گئے ہو۔" ابّا نے کہا۔

"اسی لئے تو یہاں کام کر سکا ہوں"۔ وہ بولا۔

پھر انور نے گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے۔

"اب ہمیں چلنا چاہیئے"۔ امّاں نے کہا۔

"ہاں امّاں جان"۔ لو بھائی آج کا کھیل ختم۔ اب میں اتوار کو ملوں گا۔ یہاں نہیں۔ اُس کھیت میں جہاں ہم پرسوں چلے تھے" اُس نے اپنے ساتھی لڑکوں سے کہا اور ہمیں ڈھلان سے دھیرے دھیرے نیچے سڑک پر لے آیا۔ تینوں رکشا والے اپنی اپنی رکشا کی سیٹ پر سو رہے تھے۔

"بس یہی ہے زندگی۔ تھک جائے تو آرام سے سو جاتی ہے۔ جاگ جائے تو کول تار کی جلتی ہوئی سڑکوں پر سرپٹ دوڑتی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے جگی سیال نے اُن تینوں کو جگایا اور مست سوتے ہوئے محنت کش لمحہ بھر میں چاک چوبند ہو گئے۔

جگی سیال نے ہمیں بس اسٹینڈ کے باہر ہی چھوڑ دیا۔

"یہ میرے بچے آپ کو بس میں بٹھا دیں گے۔ بچو اُجرت میرے کھاتے میں ڈال دینا۔"

تینوں محنت کش بالکل بچوں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور میں نے دیکھا جگی سیال سامنے مڑی ہوئی سڑک پر گھوم گیا تھا۔

جب ہم دہلی کے بس اسٹینڈ پر پہونچے تو رات کے نو بجنے والے تھے۔ انور ہمیں گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

اُس رات میری ذہنی حالت بڑی عجیب تھی۔

میرے ساتھ والے پلنگ پر، جس پر انجم سویا کرتا تھا، نرگس گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔

Scanned by CamScanner

دن بھر کی تھکاوٹ کی وجہ سے میں کچھ دیر تو سو گئی۔ پھر اچانک نیند ٹوٹ گئی۔ ایک بڑا سرار قسم کی غنودگی اور بے حسی سی چھائی ہوئی تھی میرے ذہن پر۔ میں یہ بھول گئی کہ میرے ساتھ والے پلنگ پر انجم نہیں تھا۔ بلکہ نرگس تھی۔ میں نے جانے کس جذبے کے تحت نرگس کے گالوں کو دھیرے دھیرے سہلانا شروع کیا۔ اور پھر اچانک میں نے ان جانے میں غیر محسوس طور پر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اپنی طرف سے تو میں انجم کے گال سہلا رہی تھی۔ اور میں نے انجم کے ماتھے پر اپنے ہونٹ رکھے تھے اور اسی نشے کی کیفیت میں میں اپنے ہونٹ نرگس کے ہونٹوں پر رکھنے ہی کو تھی کہ چونک کر جاگ اٹھی۔

"کیا ہے ساحرہ؟"

مجھے لگا جیسے میں چوری کرتے پکڑی گئی تھی۔ میں شرم اور ندامت کے کارن پسینے سے نہا گئی۔

"کچھ نہیں؟"

"کیا ہوا؟"

"مجھے معاف کر دو۔ یہ خواب کی بے ہودگی تھی۔"

نہیں۔" یہ کہہ کر نرگس نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور بولی۔

"ساحرہ میں تمہارا درد پہچانتی ہوں۔"

اور میرے آنکھوں سے ویسی ہی برسات ہونے لگی۔ جیسے آج صبح دہلی میں ہوئی تھی۔ پھر سسکتے ہوئے میں نے کہا

"نرگس اگر انجم جلدی رہا نہ ہوا تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"خدا پر بھروسہ رکھو ساحرہ!"

اور نرگس نے ایک بار پھر مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور مجھے لگا جیسے میرا سارا درد دھیرے دھیرے لمحوں میں گھٹتا جا رہا تھا۔ اور رات کے اندھیرے میں جذب ہوتا جا رہا تھا جانے کب یہ رات کٹے گی اور ایک صبح ہو گی؟ جانے کب؟

اُس رات میں بہت دیر تک جاگتی رہی اور مجھے ہرمن سیپی کی ایک نظم کے مصرعے یاد آتے رہے۔

Scanned by CamScanner

اب ہم خاموش ہیں،
بند ہو گئے ہیں ہمارے ہونٹوں کے گیت
دھیرے دھیرے بھاری قدموں سے چل رہے ہیں ہم
یہ وہ رات ہے جس کا آنا ناگزیر تھا!
مجھے اپنا ہاتھ دو،
اس لئے کہ ابھی ہمیں بہت طویل راستہ طے کرنا ہے!!

انہیں بہت دنوں سے اِدھر نہیں آیا تھا

دراصل سوائے اتوار کے باقاعدگی سے کوئی بھی اب ہمارے گھر نہیں آتا تھا۔ ہم تینوں عورتیں بے کار پڑی رہتیں۔ بہت ہوتا تو کھانے کے وقت اماں سے کچھ بات چیت ہو جاتی اور نہ میں اور نرگس ہی آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتیں اور کبھی کبھی تو یہ نوبت بھی آجاتی کہ ہم دونوں چپ چاپ ساتھ ساتھ لیٹی رہتیں اور آنکھیں بند کئے اپنا اپنا ذہنی دائروں کے اندر گھومتی رہتیں۔

ان دنوں اس بات کے چرچے تھے کہ جامع مسجد کے ارد گرد نئی دکانیں اٹھائی جا رہی تھیں۔ اتوار کے دن جو ایک میلہ سا بھر جاتا تھا مسجد کے آس پاس اب وہ اُکھڑ جائے گا۔ ان چھوٹی چھوٹی دکانوں پہ سلائی مشین سے کر ہوائی جہاز کے پرزوں تک بڑی واجبی قیمتوں پر مل جاتے تھے۔ یہ دکانیں اب کسی بھی دن اٹھائی جا سکتی تھیں۔ لوگوں میں گھبراہٹ تھی۔ یہ عام خیال تھا کہ دلی اور خاص طور پر پرانی دلی کو خوب صورت بنانے کی جو مہم جاری کی جانے والی تھی۔ اُس کی قیادت پرنس کر رہا تھا۔ اور اس سارے پلان میں ترمیم و تنسیخ کرنا صرف اُسی کے اختیار میں تھا۔ میرے ابا ایک دن ہمارا حال چال پوچھنے آئے تو انھوں نے بتایا کہ جامع مسجد کے علاقے کے دکاندار ایک ڈیپوٹیشن لے کر پرنس سے ملنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اُس سے ملاقات کے لئے

وقت ہی نہ مل رہا تھا۔ وہ پرنس سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر یہ چھوٹی چھوٹی دُکانیں اُٹھا دی گئیں تو بیسیوں خاندانوں کی روزی چھن جائے گی۔ اس لئے اُن کی دُکانوں کو نہ گرایا جائے۔ کسی پارٹی کا کوئی لیڈر اُن کے ساتھ جلنے کو تیار نہ تھا۔ اُن کی اس کڑی اقتصادی لڑائی میں کوئی اُن کا ساتھ نہ دے رہا تھا۔ اس لئے نچلے طبقے کے وہ نمائندے خود ہی اپنی لڑائی لڑنے پر آمادہ تھے۔ میرے ابّا نے یہ بھی بتایا کہ پرنس کا اقتدار اس وقت اپنی پوری بلندیوں پر تھا۔ اس لئے اُن فلک بوس بلندیوں تک جامع مسجد کی سیڑھیوں میں پڑے ہوئے اُن مجبور نادر لوگوں کا پہونچنا مشکل تھا۔ عوام بے چارے تو ہمیشہ ہی سیڑھیوں پر پڑے رہے ہیں۔ میناروں تک پہونچنے کی تو اُنہیں کبھی توفیق ہی نہیں ہوئی۔

مجھے بہت دن ہو گئے تھے۔ بلی ماراں گئے ہوئے۔ ابّا نے بتایا کہ امّی اور رحمان اور ثریا بھی مجھے ملنے کو بے تاب تھے۔

"کسی روز اُدھر بھی آجاؤ سامرہ"۔ انھوں نے کہا۔

"میں خود بھی آنا چاہتی ہوں ابّا جان"۔

"کہو تو تمہیں کل خود اکر لے جاؤں یا رحمان اور ثریا کو بھیج دوں"۔

"میں دو ایک روز میں نرگس کو ساتھ لے کر خود ہی آجاؤں گی"۔

پھر ابّا جان انجم کی اماں سے بات چیت کرتے رہے۔ اُن کی صحت کے بارے میں پوچھتے رہے اور جانے سے پہلے بولے

"یہ آزمائش کا وقت ہے۔ استقلال اور ہمت سے ہی گذرے گا"۔

"آپ ٹھیک فرما رہے ہیں"۔ نرگس نے جواب دیا تھا۔

"حکیم صاحب سے دوا دارو لانا ہو تو مجھے فرمائیے"۔ وہ اماں سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کی مہربانی ہے۔ انور بے چارہ بھاگ دوڑ کرتا رہتا ہے"۔ اماں نے جواب دیا۔

پھر نرگس اور میں ابّا جان کو ڈیوڑھی تک چھوڑنے گئیں۔ میں ڈیوڑھی میں کھڑی کچھ ملگجے اس تنگ گلی کو دیکھتی رہی۔ گلی کتنی اداس اور ویران لگ رہی تھی۔ گلیاں اور آنگن اور گھر بھی تو لوگوں ہی سے آباد ہوتے ہیں۔ اب گھروں اور آنگنوں کی جگہ قید خانے آباد ہو رہے تھے۔ بستیاں اُجڑتی ہیں تو ویرانے بستے ہیں۔ گھروں پر تالے لگتے ہیں تو جیل خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھریاں

آباد ہوتی ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے! مجھے لگا جیسے ترک مان گیٹ کے اندر اس گلی کے دونوں سروں پر تالے ڈال دیئے گئے تھے۔ اور ان تالوں کو دیکھ کر لوگوں نے اپنے گھروں کے کواڑ خود ہی بند کر لئے تھے۔ اور اپنے ہونٹوں کو سی لیا تھا۔ اور اپنے ذہنوں کو مفلوج کر لیا تھا۔ وہ اپنی پھٹی پھٹی حیران اور بے جان آنکھوں سے اپنے ماحول کو دیکھتے تھے۔ اور پھر خود ہی آنکھیں بند کر لیتے تھے اور اپنی اپنی ذات کی چادر اوڑھ کر سو جاتے تھے۔

اُس شام ایلن آیا تھا۔

"بہت دنوں میں آئے ایلن صاحب؟"

"آپا بہت الجھا ہوا ہوں ان دنوں"۔

"کس سے اُلجھے ہوئے ہو شبنم سے؟"

"اُسے ملے تو ایک زمانہ ہو گیا نرگس"!

"کیوں؟"

"اس کا کچھ اتا پتہ ہی نہیں"!

"آپ کو بھی پتہ نہیں، تو پھر کسے ہو گا؟"

"پولیس کو"۔

"کیسے؟"

"آج کل جس بھی شخص کا پتہ نہ لگے سمجھو کہ وہ پولیس کی حراست میں ہے"۔ ایلن بولا۔

"کچھ لوگ لاپتہ ہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ کی نہیں سینکڑوں کی بات کیجئے۔ یونیورسٹیاں خالی ہو گئی ہیں۔ ایک شام پولیس جنھیں لے گئی آج تک کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں"۔

"مگر ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟" نرگس نے سوال کیا۔

"تمہیں معلوم ہے آج سے چار سال پہلے بنگلہ دیش میں ایسا کیوں کیا گیا تھا؟ دانشوروں کو ختم کر دو تحریک خود ہی مر جائے گی۔ ایلن نے کہا۔

"لیکن وہ سب تو کسی دوسرے ملک کے ہاتھوں ہوا تھا"۔

"دوسروں کے ڈھاتے ہوئے مظالم میں تو کہیں عقل اور دلیل کی بھی گنجائش رہ سکتی ہے!"
اپنوں کے مظالم تو اندھے اور گونگے اور بہرے ہوتے ہیں۔ جو نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں"۔ ایلن نے جواب دیا۔

"ہم کچھ دن ہوئے انجم سے ملنے گئے تھے"۔ میں نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے"۔

"آپ کو کیسے معلوم ہے؟"

"سکھ پال سنگھ نے بتایا تھا۔

"کب؟"

"کئی روز ہوئے جب میں راجستھان جا رہا تھا۔ پولیس بُری طرح اُس کے پیچھے پڑی ہے"۔

"انجم کیسا تھا ساحرہ آپا؟"

"بہت کمزور لگ رہا تھا"۔

"انڈر گراؤنڈ لوگوں کے ایڈریس پوچھنے کے لئے سبھی کو بہت ٹارچر کیا جا رہا ہے"۔

"وہ نازک اور حساس آدمی یہ سب کیسے برداشت کرتا ہوگا"۔ نرگس بولی۔

"امتحان کے لمحوں میں صرف خدا ہی مدد کرتا ہے"۔ اُس نے یہ کہتے ہوئے سونے کی زنجیر میں اپنے گلے میں پڑی صلیب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور دھیرے دھیرے اُسے سہلانے لگا۔ جیسے اُس سے استقلال حاصل کر رہا ہو۔

"کہیں کیا ہو رہا ہے کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ اخباروں میں تو کچھ چھپتا ہی نہیں" میں نے کہا۔

"آپ کی اپنی گلی میں کیا ہو رہا ہے آپ کو تو اس کے بارے میں بھی علم نہیں ہوتا۔ جب تک سنسر کسی خبر کو اوکے نہ کر دے کسی اخبار میں چھپ ہی نہیں سکتی۔ آپ کو معلوم ہے ہیبیس دلی کی جیل میں دو اکتوبر کو کیا ہوا؟"

"بالکل نہیں"۔ نرگس بولی

"آپ کو کیسے معلوم ہوا ایلن صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"جیل سے ایک خط اسمگل کیا گیا تھا"۔

"واقعہ کیا تھا؟"

"جیل میں سیاسی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کیا جا رہا تھا۔ انہیں معمولی سی سہولتیں بھی نہ دی جا رہی تھیں بلکہ اُن سے مشقت کے کام لئے جا رہے تھے۔ کسی سیاسی قیدی کو اسپتال تک بھی لے جانا ہو تو ہتھکڑی ڈال دی جاتی تھی۔ ان ناقابلِ برداشت حالات کے خلاف احتجاج کے طور پر دو اکتوبر کو جو بابائے قوم کا جنم دن ہے رات کے دس بجے ایک وارڈ کے تمام قیدیوں نے زور زور سے تھالی پیٹنا شروع کر دیا۔ جیل کا الارم بجایا گیا۔ جیل کا تمام اسٹاف ہاتھوں میں لاٹھیاں اور بچھڑے کی پیٹیاں لئے اُس وارڈ کے سامنے اکٹھا ہو گیا۔ پولیس کو بھی بلا لیا گیا۔ آدھی رات کے وقت جب ساری دلی سو رہی تھی جیل کے وارڈ میں بے قصور نظر بندوں کو بے رحمی سے پیٹا جا رہا تھا۔ جیل کی دیواریں چیخوں اور کراہوں سے گونج رہی تھیں۔ کچھ قیدیوں کو سنگین کوٹھڑیوں میں بھی بند کر دیا گیا۔ اپنے ساتھیوں پر ڈھائے گئے اس ظلم کے خلاف بڑے بڑے لیڈروں نے جو اس وقت جیل میں بند ہیں، بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ یہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا۔ لیکن اخباروں کو یہ ہدایت جاری کر دی گئی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہ چھاپیں۔ چنانچہ دلی میں رہنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ ہی روز پہلے یہاں کی جیل میں نہتے سیاسی قیدیوں پر کیسی قیامت ٹوٹی تھی۔"

ایلن کی زبان سے اس واقعے کی تفصیل سُن کر میرے بدن میں کپکپی ہونے لگی۔

"دوسری جیلوں میں بھی تو قیدیوں سے یہی سلوک کیا جا رہا ہو گا؟"

"میں تو ایسا ہی سوچتا ہوں۔"

"ارشد تو یہ سب برداشت نہیں کر پائے گا۔" نرگس بولی۔

"تو معافی مانگ کر گھر آ جائے گا اور اُس کے دوسرے ساتھی جو انڈر گراؤنڈ میں جیل میں بند کر دیئے جائیں گے۔"

"وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا ایلن۔" نرگس چیخی۔

"تو پھر یہ سب کچھ خاموشی سے سہے گا۔"

"وہ سہہ رہا ہے ایلن صاحب۔" میں نے کہا۔

Scanned by CamScanner

"مجھے یہ سب معلوم ہے۔ اسی لئے مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے کاز کو کبھی نقصان نہیں پہونچنے دے گا۔ ہو سکتا ہے ــــــــ" یہ کہہ کر ایمن خاموش ہو گیا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟ خاموش کیوں ہو گئے آپ؟"

"ہو سکتا ہے کہ دو چار روز میں میری باری بھی آ جائے۔ اور مجھے حراست میں لینے کے بعد میرے بوڑھے ماں باپ کو بھی پریشان کیا جائے۔"

"آپ کو کیوں پکڑا جائے گا؟"

"پولیس نے حراست میں لئے جانے والوں کی جو لسٹ تیار کی ہے اُس میں میرا نام پہلے یا دوسرے نمبر پر ہے۔"

"اور کون کون ہیں سٹ میں؟"

"شاہنواز اور شبنم اور تم"۔ اس نے نرگس کی طرف اشارہ کیا۔ نرگس سہم گئی۔

"میں؟"

"ہاں۔ اس لئے کہ تم شیخ نور الہٰی کی بیٹی ہو اور ارشد الحم کی بہن ہو۔"

"اس کا صرف یہی قصور ہے؟" میں بولی۔

"اس کا کچھ تو قصور ہے۔ یہاں تو وہ بھی پکڑے جا رہے ہیں جن کا کوئی قصور نہیں جنہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ سیاست کیا ہوتی ہے اور میڈم اور پرنس کون ہیں! ور ایمرجنسی کس بلا کا نام ہے۔ ایک آدمی گھر سے اپنے بچوں کی فیس دینے اُن کے اسکول جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسکول پر تالا ڈال دیا گیا ہے۔ اور جب گھر واپس آتا ہے تو اُس کے دروازے پر پولیس کھڑی ہوتی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اُس کے بچے ایک ایسے اسکول میں پڑھتے تھے جہاں اسکول کے بچے نو بجے صبح سویرے حاضری کے بعد پرنس کے گن گایا کرتے تھے۔ یا صاف صاف اعلان کرتے تھے کہ اسکول کی ٹیچر سجنے کیا سے اُنہیں حاضری کے بعد پرنس کے حمد و ثنا نہیں کرتے۔"

"اٹ از سلی!" نرگس بولی۔

"ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے گھر سے لوٹ کر اپنے گھر جاؤں تو میرے دروازے پر بھی

پولیس کھڑی ہو۔"

"شانتا پُوانہ اور شبنم کا کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"شانتا پُوانہ کو میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے فارم پر بٹھنڈہ چلی جائے۔ شبنم دلی چھوڑنے کو تیار نہیں!"

"تو؟"

"وہ پکڑی جائے گی۔ اور شاید اُسے بھی اُن نازک بدن عورتوں کے ساتھ جیل کی بیرکس میں رہنے کا موقع ملے۔ جو کسی زمانے میں مہارانیاں کہلاتی تھیں۔ اور اپنے محلوں میں عیش و آرام کی زندگیاں گذارتی تھیں!"

ایلین یہ بات کہہ کر زور سے ہنسا۔

"آپ ہنس رہے ہیں؟"

اس لیئے کہ شبنم کو جیل کی ہوا کھانی پڑی تو اُسے معلوم ہوگا کہ شاعری کرنا اور بات ہے اور جیل کاٹنا دوسری بات!"

"اور آپ جیسے آدمی سے محبت کرنا؟" میں نے طنزاً کہا۔

"یہ تیسری بات ہے اور اسی بات کا اُسے یقین نہیں" اُس نے کہا۔

"آپ نے اُسے یقین دلایا ہی کب ہے؟" نرگس بولی۔

"جب کبھی محبت کی بات ہوتی ہے تو آپ مذہب اور رفارم درمیان میں لے آتے ہیں۔ اور آئی اونچی اونچی باتیں کرنے لگتے ہیں کہ وہ بے چاری کچھ بھی نہیں سمجھ پاتی۔" میں نے کہا۔

"عورت سب کچھ سمجھتی ہے۔ اگر وہ کچھ نہیں سمجھ سکتی تو صرف عقل کی بات!"

وہ ہنسا۔

"عورتوں کے بارے کے اس دور میں آپ یہ بات کہہ رہے ہیں؟"

"لگتا ہے آپ نے اندور عورتوں کے جلوس دیکھے ہیں"۔ وہ بولا۔

"ہاں ایک جلوس دیکھا تھا جس میں مردوں نے خود ہی اپنی عورتوں کو اپنے خلاف نعرے لگانے کے لیئے مجبور کیا تھا!" میں نے کہا۔

"کچھ اور بھی سنا ہے آپ نے؟"

"نہیں تو"

"شاہجہاں کی پرانی دلی کی گنجان آبادیوں میں آجکل ایک نئی لیڈر ابھر رہی ہے۔"

"کون؟"

"فرزانہ آپا۔"

"وہ کون ہے؟"

"دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے آپ کے طبقے کی نمائندگی کرنے والی یہ خاتون۔ مجھے بھی ابھی دیدار کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔"

"پکڑے جانے سے پہلے فرزانہ آپا کو ضرور دیکھیئے گا۔" نرگس بولی۔

"اگر خدا نے اتنی توفیق دی" ایلن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر اچانک جانے اُسے کیا خیال آیا کہ اچھا بھلا باتیں کرتا ہوا ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں چل دیئے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ساحرہ آپا" وہ کیا شعر ہے۔

"اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا"

اور وہ جلدی میں پھر آنے کا وعدہ کر گیا

اُسی شام شانتا یونہ ملنے آئی۔

"ارے یہ چاند کہاں سے نکل آیا؟" نرگس نے کہا۔

"چاند اب ڈوبنے جا رہا ہے!"

"کہاں؟"

"جہاں طلوع ہوا تھا۔ میں رات کی گاڑی سے بٹھنڈہ جا رہی ہوں۔ اپنے بھائی کے فارم پر۔"

"کیوں؟"

"ایلن کی یہی رائے ہے۔"

Scanned by CamScanner

"تو تمہارا نام بھی پولیس کی فہرست میں ہے۔"

"ہاں۔ میں تو نہیں جانا چاہتی لیکن وہ زور دے رہا ہے کہ میں چلی جاؤں۔"

"اور شبنم؟"

"وہ نہیں جانا چاہتی۔ میں نے تو اُسے کہا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے میرے ہی ساتھ بٹھنڈہ چلی جائے۔ لیکن وہ نہیں مانی۔"

"کیوں؟"

"وہ ایلن کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ وہ آج کل میں تمہیں ملنے آئے گی۔"

پھر شانتا بُوا نہ کچھ دیر اماں کے پاس بیٹھی اُن کی صحت کے بارے میں پوچھتی رہی۔ چائے پیتی رہی۔

"ابا جان کیسے ہیں؟"

"اُن کی صحت اچھی نہیں" نرگس نے جواب دیا۔

"اور انجم؟"

"جیل کی سختیاں برداشت کر رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو شبنم کے ایڈریس پر خط لکھوں گی۔" اُس نے کہا۔

اُسے رات کی گاڑی پکڑنا تھی اس لئے جلدی میں تھی۔ وہ چلی گئی تو اماں نے کہا۔

"۱۹۴۲ میں بھی لوگوں کا یہی حال تھا۔ دن رات پکڑ دھکڑ ہوتی تھی لیکن پھر بھی لوگ ڈرے ہوئے نہیں تھے۔ ارشد کے ابا تو کھل کر انگریزوں کے خلاف تقریریں کرتے تھے۔ لیکن اب لوگوں کے دلوں میں ڈر ہے۔ کوئی کسی سے کھل کر بات بھی نہیں کرتا۔ کیا یہ وہی آزادی ہے۔ جس کی خاطر لوگوں نے اتنی قربانیاں دی تھیں؟" اماں نے کتنا سیدھا لیکن اہم سوال کیا تھا ہم سے!

اس سوال کا جواب ہمارے پاس نہیں تھا۔ دراصل اس تمام نسل کے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے جس سے ہمارا تعلق ہے۔ اس کا جواب تو اُن لوگوں کے پاس تھا جنھوں نے آزادی کے حصول کے بعد اقتدار حاصل کیا تھا۔ اور بابائے قوم کی سمادھی پر یہ حلف لیا تھا کہ

وہ رہتی دنیا تک اس کے وضع کیے ہوئے اصولوں پر قائم رہیں گے۔ امّاں کے اس سوال میں اُن سب ماؤں کے سوال شامل تھے۔ جن کے بیٹوں نے پھانسی کے پھندے چوم کر اپنی گردنوں میں ڈالے تھے کہ انہیں آزادی کی تلاش تھی۔ اس میں اُن سب دُلہنوں کے سوال بھی شامل تھے جن کے دُولھے اُن سے ایک بار جُدا ہو کر پھر نہیں لوٹے اور جن کی کلائیوں میں پڑی کانچ کی چوڑیاں ایک دم بے دردی سے توڑ دی گئیں کیوں کہ اُن کے گبرو شہید ہو گئے تھے۔ اس سوال میں اُن معصوم بچوں کی مسکراہٹیں اور جوان بہنوں کے ارمانوں کے خون کی سرخی بھی شامل تھی۔ جنھیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ آزادی کسے کہتے ہیں۔ اور اس کے حصول کے بعد لوگوں اور قوموں کی تقدیر میں کیا نکھار آتا ہے۔ جن لوگوں کو امّاں کے اس سوال کا جواب دینا چاہیئے تھا۔ اُن کے پاس اتنی فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ ایسی فضول باتوں پر وقت ضائع کریں۔ اُن کے لئے اپنی انفرادی اور ذاتی آزادی اور اقتدار کو ہر قیمت پر قائم رکھنا۔ ملک۔ اور قوم کی آزادی سے کہیں زیادہ ضروری تھا۔

کاش امّاں جان کے اس سوال کا جواب کوئی دے سکتا!

کاش!! کسی کو معلوم ہی کہاں تھا کہ ترکمان گیٹ کی ایک تنگ سی گلی کے ایک چھوٹے سے مکان میں ایک بزرگ خاتون یہ سوال کر رہی تھی جس کا خاوند اور لڑکا دونوں جیل کی کوٹھریوں میں بند تھے۔ اس لئے کہ اُنھوں نے اُن تخریبی قوتوں کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ جن کے ذریعے سارے ملک کی آزادی کو چند گنے چُنے لوگوں کی شخصی آزادی اور اقتدار پر قربان کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔

اُسی شام انور بھی آیا تھا۔

انور نے سری واستو کا ایک خط دیا۔

خط میں خاص کچھ نہیں تھا۔ ایک سیدھی سادھی اطلاع تھی۔

"میں کچھ دنوں میں اُدھر آرہا ہوں
اتنا کچھ دیکھا ہے کہ صرف بول کر
بتا سکتا ہوں۔ لکھ نہیں سکتا۔"

Scanned by CamScanner

میں نے پڑھ کر وہ خط نرگس کو دے دیا۔

"لگتا ہے تشدد اور جبر کی لہر سارے ملک میں پھیلی ہے۔"

"پھیلی نہیں ہے، پھیلائی گئی ہے نرگس۔ سب کچھ ایک طے شدہ پلان کے مطابق ہو رہا ہے۔ میں سوچتا ہوں کچھ دنوں کے لئے تم دہلی سے باہر چلی جاؤ۔"

"کیوں؟"

"حالات سازگار نہیں۔"

"حالات ناسازگار ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ میں، اماں کو اور ساحرہ کو اکیلی چھوڑ کر چلی جاؤں تم مجھے بزدل بننے پر اکسا رہے ہو۔"

"تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔"

"سوال غلط یا ٹھیک سمجھنے کا نہیں۔ میرا باپ جیل میں ہے، میرا بھائی قید ہے اور میں اس لئے بھاگ جاؤں کہ مجھے بھی حراست میں لیا جا سکتا ہے۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

انور بے چارہ چپ ہو گیا۔ مجھے لگا اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"انور نے تو اپنی رائے دی ہے۔ یہ حق تو اسے ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے غلط رائے دینے کا کسی کو بھی حق نہیں۔"

"مجھے بھی نہیں؟"

میں نے نرگس کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کون ٹوک سکتا ہے سٹکو؟" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کی بات سن کر میں نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

"انور اس گھر کو چھوڑ کر کوئی نہیں جائے گا۔ ہم دونوں اس جنگ میں کوئی میدان نہیں چھوڑیں گے۔ ہم بھی ڈٹے رہیں گے۔ تم اور تمہارے دوسرے ساتھیوں کی طرح۔" میں نے کہا۔

"آئی ایم سوری آپا۔" انور کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ کتنا جذباتی لڑکا تھا۔

میں نے انور کو لاکھ روکا۔ بے چارے نے چائے کی پیالی بھی نہیں پی تھی۔ چائے کی پیالی بھی میز ہی میں چھوڑ کر چلا گیا۔

Scanned by CamScanner

اُس رات مجھے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ ہمارے گھر کا ڈھانچہ کسی بھی دن ٹوٹ سکتا تھا۔ حالات کا ایک بھی اور پھر بلند ہتھوڑا پڑا تو سارا گھر زندہ ہی مسمار ہو جائے گا۔ میں کھلی آنکھوں سے اندھیرے کمرے کی چھت اور دیواروں کو دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کہ اس گھر پر مصیبت کے جو بادل گھر آئے ہیں وہ کھل کر برس پڑے تو یہ پُرانا گھر طوفان کا سامنا کر پائے گا۔ لیکن میں نے اپنے منہ سے ایک لفظ نہ نکالا۔ کئی بار یہ خیال آیا کہ پلنگ سے اُٹھ کر باہر چھت پر چلی جاؤں اور تھوڑی دیر ٹہلتی رہوں۔ اور سوچتی رہوں۔ لیکن اس خیال سے پلنگ سے نہ اُٹھی کہ میرے ساتھ کے پلنگ پر سوئی نرگس کی نیند اُچٹ جائے گی۔ بس یوں ہی بے کار سوچتی رہی اور کُڑھتی رہی۔

بہت دنوں کے بعد میں ملی ماراں آئی تھی۔

نرگس کچھ وقت یوں گذارنے کے بعد جامع مسجد کے آس پاس کے علاقوں میں رہنے والی اپنی دوستوں سے ملنے چلی گئی۔ یہ طے ہوا کہ وہ شام کو واپس آئے گی تو ہم دونوں گھر چلیں گی۔

ابّا گھر پر نہیں تھے۔ امّی کچھ بیمار رنگ رہی تھی۔ رحمان اور ثریا اسکول گئے ہوئے تھے۔ وہ تو اب شام ہی کو لوٹیں گے۔ اتنے دن بعد امّی سے گلے ملی تو بڑا سکون محسوس ہوا۔ امّی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"تم نے تو اس طرف آنا ہی چھوڑ دیا ہے بیٹی"۔

"یہ بات نہیں ہے امّی۔ ویسے ہی سست سی گھر میں پڑی رہتی ہوں"۔

"انجم سے کب ملنے جاؤ گی اب؟"

"اگلے ماہ جاؤں گی۔ اب تو اس کے ابّا جان سے ملاقات کرنے جانا ہوگا"۔

"شیخ صاحب کی طبیعت خراب ہے کیا؟"

"پچھلی بار جب ہم لوگ اُن سے ملے تھے تو وہ بہت کمزور لگ رہے تھے۔"

"اِس بار تو میں بھی جانا چاہوں گا شیخ صاحب سے ملنے۔" ابا بولے۔

"ضرور چلئے گا۔ وہ بھی آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"

"بھئی سچ بات تو یہ ہے کہ وہ ہیرا آدمی ہے۔ اتنا نڈر اور دلیر اور پھر یاروں کا یار۔"

"انجم کی اماں کو تو اُن سے شکایت ہے کہ وہ رات دن دوستوں کے ہی ساتھ مصروف رہتے ہیں۔"

"سبھی بیویوں کو اپنے خاوندوں سے کوئی نہ کوئی شکایت رہتی ہے۔"

"امّی کو تو آپ کے خلاف کوئی شکایت نہیں؟"

"اسی سے پوچھ لو۔ اس کے خیال سے تو میرے جیسا نکما آدمی ہی کوئی نہیں۔"

"ٹھیک ہی تو ہے۔ کچھ کیا ہے زندگی بھر آپ نے؟" امّی نے طنزاً کہا۔

"بیگم اپنی بیٹی کا تو خیال کرو۔ کتنے دنوں کے بعد آئی ہے۔ آج تو نوک جھونک نہ کرو۔"

"جیسے ہر روز میں آپ سے جھگڑا کرتی ہوں۔"

"کوئی کافر اس سچائی کو کہہ سکتا ہے۔ اور وہ بھی ایمرجنسی کے زمانے میں" ابا نے قہقہہ لگایا۔

"سنا ہے پرانی دلی کے علاقے میں ایک نئی لیڈر اُبھر رہی ہے آج کل" میں نے کہا۔

"تم اُبھرنے کی بات کر رہی ہو۔ اُس کا اقتدار تو نصف النہار پر پہنچنے کو ہے۔" ابا بولے۔

"وہ خاتون ہے کون؟"

"کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ کئی ورشنز ہیں۔ لیکن حقیقت کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔" کل مٹیا مل گیا تھا۔ وہاں کسی نے بڑی مزے دار بات کہی۔"

"کیا؟"

"ہماری گفتگو سن کر امّی بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئیں۔

"دیکھا کتنا شوق ہے تمہاری ماں کی باتیں سننے کا؟"

"آپ اپنی مزے دار باتیں سنائیے۔"

میں اور ابا خوب زور سے ہنسے۔

"وہ صاحب ایک قصہ سنا رہے تھے۔"

کسی ملک کا بادشاہ مر گیا بادشاہ کی کوئی اولاد نہ تھی تخت کے بہت سے دعوےدار تھے۔ چنانچہ وزیروں اور فوج کے سپہ سالاروں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ اگلی صبح شہر کے بڑے دروازے سے جو بھی شخص سب سے پہلے داخل ہو اُسے بادشاہ بنا دیا جائے۔

"فیصلہ تو بڑا احمقوں تھا" میں نے کہا۔

"تم بات سنو گی یا اپنی تنقید جاری رکھو گی" امّی نے مجھے بظاہر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں ابّا جان پھر کیا ہوا؟"

"ایک تھکا ہارا غریب آدمی اپنے مریل سے گدھے پر سوار منہ اندھیرے شہر کے اندر داخل ہوا۔"

"کون تھا وہ آدمی؟" امی نے پوچھا۔

"ایک بیچارہ دھوبی تھا۔ جسے اُسکی دھوبن نے گھر سے نکال دیا تھا بے چارہ پناہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔"

میں زور سے ہنسی اور کہا۔

"اور سورج طلوع ہوتے ہی اُسے ملک کا بادشاہ بنا دیا گیا؟"

"اور کیا۔ دُھوبی صاحب کا مریل گدھا قومی جانور قرار دے دیا گیا۔"

اب کی ابّا نے کھُل کر قہقہہ لگایا۔

"تو اس کا مطلب ہے آپ کا مستقبل بھی روشن ہے"۔ امّی بولیں۔

"بادشاہ نہ بنا۔ کم سے کم تم سے نجات ملیگی"۔ ابّا بولے۔

"جب بہت سے دعوے دار ہوں تو یہی ہوتا ہے"۔ میں نے کہا۔

"تو اس مزے دار بات پر چائے کی ایک پیالی ہو جائے"۔ ابّا نے کہا۔

"جب سے تم گئی ہو ڈھنگ کی چائے بھی نہیں ملی"

"کھانا بھی کہاں ملا ہے آپ کو ڈھنگ کا؟" اس نے سوال کیا۔

"کھانا تو خیر کبھی کبھی ہوٹل سے بھی کھا آتا ہوں"

"اور چائے کیوں نہیں پی آتے ہوٹل سے"؟

"اس لئے کہ تم پر حرف نہ آئے ہوٹل والے کہیں گے کہ قریشی کو اپنے گھر میں چائے تک نہیں ملتی۔"

ابّا پھر زور سے ہنسے

میرے آنے سے گھر کا ماحول کتنا بدل گیا تھا۔

میں باورچی خانے میں چائے بنانے گئی تو امّی بھی پیچھے پیچھے چلی آئیں۔

"تم بیٹھو۔ تمہارے ابّا تو ویسے ہی انٹ سنٹ مارتے رہتے ہیں۔"

لیکن میں باورچی خانے سے باہر نہ آئی اور امّی نے اور میں نے مل کر چائے بنائی اور بہت دنوں کے بعد چائے کا پانی اُس ٹی پاٹ میں ڈالا۔ جسے میں نے خود فتحپوری کی دُکانوں میں گھوم کر چُنا تھا۔ لگا جیسے کئی دنوں کے بعد اُن برتنوں میں چائے پینے لگی تھی۔ جو میرے اپنے تھے اور جن کی سطح پر میری اُنگلیوں کے نشان تھے اور جن پیالیوں پر میرے ہونٹوں کی چھاپ تھی۔

"آج لطف آیا ہے چائے کا" ابّا نے چائے پیتے ہوئے سگرٹ بھی سُلگالی اور بڑے اطمینان سے کُرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور میں بھی چائے پینے لگیں۔

"انجم کے ہاں تو سارا دن چائے چلتی ہے۔ نرگس کو تو چائے پینے کا کوئی بہانہ چاہیئے۔"

"اتنی چائے تو اچھی نہیں ہوتی"۔ امّی نے کہا۔

"عادت کی بات ہے۔ چائے میں پانچ دس منٹ دیر ہو جائے تو سب کے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ میں نے کہا۔

"ایک تجویز ہے۔ بیگم اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟"

"اجازت ہے" امّی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"دوپہر کا کھانا ہوٹل سے منگوالیا جائے میرا مطلب تمام کھانے سے نہیں صرف مُرغ مُسلم اور شامی کباب اور بریانی سے ہے۔"

"تو گھر میں کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری امّی چپاتیاں بنائیں گی"۔

"میں کیوں بنانے لگی چپاتیاں؟" وہ بولیں۔

"میں یہی تو سُننا چاہتا تھا۔ چپاتیاں بھی ہوٹل سے ہی آجائیں گی"۔ رومالی روٹیاں۔ ابّا

شرارت سے ہنسے۔

کتنی ہی دیر ہم اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں کر کے خوش ہوتے رہے۔ سکون کے یہ لمحے کئی دنوں کے بعد ملے تھے۔ اپنے گھر میں تو انجم اور اُس کے ابا جان کی گرفتاری کے بعد اور نت نئی چیزیں سنتے سے گھر کا ماحول بڑا بوجھل رہنے لگا تھا۔ میں اور نرگس تو پھر بھی کبھی ہنس کھیل لیتی تھیں۔ اماں جان تو ہر وقت پریشان اور اُداس رہتی تھیں۔

شام کو رحمان اور ثریا اسکول سے آئے تو گھر کا ماحول اور بھی اچھا ہو گیا۔

"کہو بھئی تمہاری اسکول میں جو جلسہ تھا وہ ٹھیک رہا"! ابا نے پوچھا۔

"ٹھیک رہا ابا جان" رحمان بولا۔

"کیا ہوا تھا جلسے میں؟"

"انعام بانٹے گئے"۔ ثریا نے جواب دیا۔

"تمہیں بھی ملا کوئی انعام؟"

"جی ہاں ابا جان"۔

ثریا نے اپنے بستے میں سے ہرے کاغذ میں لپٹا ہوا اپنا انعام نکالا۔ صابن کی ایک ٹکیا ایک چھوٹی سی خوب صورت کنگھی، ایک چھوٹا سا رنگدار تولیہ تھا۔ اور اُن سب کے گرد چھپے ہوئے کاغذ ہی کی کئی تہیں تھیں۔ میں نے وہ چھپے ہوئے کاغذ اُس کے ہاتھ سے لے لئے۔ وہ فیملی پلاننگ کے پوسٹر تھے۔ جن میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ لوگ اپنے محلے اور اپنی گلی میں لگے نس بندی کیمپ میں فوراً جا کر اپنی نس بندی کرا لیں۔ میں نے وہ کاغذ ابا جان کی طرف بڑھا دیئے۔

"کتنا کروڈ طریقہ ہے میرا پیگنڈہ کا"۔ وہ بولے۔

پھر رحمان نے اپنے انعام کی چیزیں ہمیں دکھائیں۔ اُن کے ساتھ بھی اسی نوعیت کے پوسٹر لپٹے تھے۔

"انعام کس نے بانٹے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"فرزانہ آپا نے؟" ثریا بولی۔

"میں اور ابا اُس کے مُنہ کی طرف دیکھ رہے تھے"۔

"وہ جب اپنی کار سے اُتر کر اسکول کے گیٹ پر پہونچیں تو اسکول کے بچوں نے اُنہیں سلامی

دی۔ اور ہماری اسکول کی ساری ٹیچرز نے اُن کے گلے میں ہار ڈالے۔" رحمان نے تفصیل سے بتایا۔

"کوئی اور بھی تفصیل چاہیئے تمہیں؟" ابّا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"زندہ باد کے نعرے بھی تو لگے ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"سارا اسکول فرزانہ آپا زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا اور جب تک وہ کار میں بیٹھ کر چلی نہ گئیں سب بچے نعرے لگاتے رہے۔" رحمان بولا۔

اس طرح پرانی دلّی کے اس علاقے میں ایک نئی لیڈر دھیرے دھیرے لیکن مضبوطی سے اپنا تسلط جما رہی تھی۔

"شام کو جب نرگس اپنی دوستوں سے مل کر واپس آئی تو ابّا ہمیں گھر تک چھوڑ آئے۔"

کئی ہفتوں کے بعد شبنم آئی تھی آج۔ لیکن بے حد پریشان اور تھکی ہوئی سی۔ اُسے دیکھ کر تو میں سناٹے میں آگئی۔ اُس کا چہرہ ایک دم بجھا ہوا تھا۔ اُس نے اماں کو جھک کر آداب کیا اور نرگس سے ایسے لپٹ کر ملی۔ جیسے برسوں کے بعد ملی ہو۔

"شبنم ہم نے تو سمجھا شاید تمہاری شادی ہو گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسے سمجھ لی آپ نے ساحرہ آپا یہ بات؟"

"شادی کے بعد لڑکیوں کے گھومنے پھرنے پر پابندی لگ جاتی ہیں۔"

"آپ پر لگ گئی ہے کیا؟"

"جبھی تو کہہ رہی ہوں۔"

"نہیں ابھی شادی کا کوئی امکان بھی نہیں۔"

"ایلن کیسا ہے؟" نرگس نے شرارتاً پوچھا۔

"کل تک تو ٹھیک تھا۔"

"اور آج؟" میں نے پوچھا۔

"آج صبح پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا۔" اُس نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"یہ شاید پولیس کو بھی معلوم نہیں۔ پوچھو تو جواب ملتا ہے۔ اوپر سے حکم آیا ہے۔" وہ بولی۔

Scanned by CamScanner

"کچھ تو تفصیل بتاؤ۔"

"کل شام ہم کافی ہاؤس میں چلے تھے۔ اُس کے ساتھ دو تین اور دوست بھی تھے۔ وہ چلے گئے تو ہم انڈیا گیٹ کی طرف نکل گئے اور بہت دیر باتیں کرتے رہے۔ وہ مجھے کئی دنوں سے کہہ رہا تھا کہ وہ کسی بھی دن پکڑا جا سکتا ہے۔ اُس نے کچھ کاغذات مجھے اپنے پاس رکھنے کو کہا تھا اور یہ بھی کہا کہ آج صبح دس بجے میں اُس سے ملوں"

"کہاں؟"

"رینگل کے سامنے۔ میں ڈیڑھ گھنٹہ وہاں کھڑی رہی۔ لیکن ایلن نہیں آیا۔"

"تو تم اس کے گھر چلی جاتیں؟" نرگس نے کہا۔

"ساڑھے بارہ بجے کے قریب اُس کے گھر گئی۔ گھر میں صرف اس کی ممی تھی اور وہ بری طرح رو رہی تھی۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایلن صبح ساڑھے نو بجے گھر سے نکلا ہی تھا کہ پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اور جیپ میں بٹھا کر لے گئی۔ اس کے ڈیڈی بھی سے گئے ہوئے تھے اور اُس وقت تک نہیں لوٹے تھے۔ میں دو بجے تک ایلن کے گھر ہی پر تھی۔ اُس کے ڈیڈی جب تک واپس نہیں آئے تھے۔ وہیں سے ادھر آ رہی ہوں۔"

"واپس پھر دوبارہ اُدھر جاؤں گی۔" شبنم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اُس کے پاس وہ کاغذ بھی تو ہوں گے جو وہ تمہیں دینا چاہتا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"کیسے کاغذ تھے وہ؟"

"یہ اُس نے نہیں بتایا تھا۔ اگر اُس کے پاس وہ کاغذ بھی ہوتے تو پولیس اُسے بہت ستائے گی" وہ بولی۔

"اب تو کوئی بھی محفوظ نہیں ہے شبنم۔" نرگس نے کہا۔

"ایلن کی ممی نے بھی یہی بات کہی تھی۔ اور مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اب اُن کے گھر نہ آؤں۔ ایسا نہ ہو کہ پولیس مجھے بھی پکڑ لے۔"

میں نے شبنم کی ڈھارس بندھائی۔ اُس سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن اُسنے تو

اتنا حد سے ہوا تھا کہ اُس کے آنسو رُکتے ہی نہ تھے۔

"بیٹی تم نے تو کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہوگا۔" اماں نے اُسے کہا اور پھر خود ہی اُس کے لئے چائے بنائی اور ایک ٹوسٹ سینک کر دیا شبنم نے چپ چاپ چائے پی لی اور پھر نرگس سے بولی۔

"میں نے تو سوچا تھا میں ہر دوسرے تیسرے روز آپ سے ملنے آیا کروں گی لیکن حالات ایسے عجیب ہو گئے ہیں کہ کوئی نہ کوئی پرابلم بنی ہی رہتی ہے۔"

"ہمت سے کام لو۔ تم ہماری طرف دیکھو۔ ہم کس پریشانی کے عالم میں دن کاٹ رہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ایلن کے بارے میں جو بھی خبر ملے بتانا۔" نرگس نے کہا۔

"کیسے بتا سکوں گی؟"

"انور کو بھیجوں گی کل صبح تمہارے گھر۔"

"ٹھیک ہے۔"

شبنم جس طرح اُداس اور پریشان آئی تھی ویسی ہی پریشان اور اُداس واپس چلی گئی۔

انور منہ اندھیرے گھر آیا تھا۔

نرگس اور میں ابھی سو رہی تھیں۔ اماں فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی ہی تھیں کہ دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ انور تھا۔ اماں کو ایک رقعہ دے کر فوراً چلا گیا۔ سوئی ہوئی گلی میں سے گذر کر آیا تھا۔ اور اُسے سویا ہوا ہی چھوڑ کر واپس بھی چلا گیا۔

نرگس جب بیڈ ٹی بنانے نیچے گئی تو اماں نے اُسے انور کا رقعہ دیا۔ انور انہیں بتا بھی گیا تھا کہ اُس میں کیا لکھا تھا۔

تپائی پر چائے رکھتی ہوئی نرگس نے کہا۔

"انور منہ اندھیرے یہ رقعہ اماں کو دے گیا تھا۔"

"پڑھو۔"

نرگس نے پڑھ کر سنایا۔

"دس بجے راج گھاٹ آجاؤ۔ سری واستو ملے گا۔"

"اسے پھاڑ دو۔" میں نے کہا۔

نرگس نے وہ کاغذ پھاڑ دیا۔ اور پیالیوں میں چائے کا پانی انڈیلنے لگی۔ چائے پیتے ہوئے اُس نے کہا۔

"سری واستو کو چلے جانا چاہیئے؟"

"کیا حرج ہے؟"

"فائدہ بھی کیا ہوگا؟"

"وہ جانے کہاں کہاں گھوم کر آیا ہے۔ اُس سے کئی ایسی خبریں ملیں گی جن کے بارے میں لوگ کچھ نہیں جانتے۔"

"لیکن مجھے وہ آدمی پسند نہیں۔"

"یہ تمہاری ذاتی وجہ ہے۔ لیکن تم اُسے غلط مت سمجھو۔"

"وہ بہت منہ پھٹ ہے۔"

"لیکن اُس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگ بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں نرگس!"

نرگس کو سری واستو اس لئے پسند نہیں تھا کہ وہ پہلا آدمی تھا جسے انور اور نرگس کے آپسی تعلقات کا علم ہوا تھا۔ انجم کو بھی بہت بعد میں معلوم ہوا تھا اس کے بارے میں۔ لیکن اس کی شرافت اس سے ظاہر تھی کہ جب تک انور کو خود اس بات کا علم نہ ہوا اُس نے کبھی اُس سے ذکر نہ کیا۔ جب انجم کو معلوم ہو گیا کہ نرگس انور کو چاہتی تھی اُس کے بعد ہی سری واستو نے اُن سے کبھی کبھی ہلکا سا مذاق کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن وہ بھی انھیں چھیڑنے کیلئے اور کسی وجہ سے نہیں۔

میں اور نرگس اماں سے اجازت لے کر کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب راج گھاٹ گئیں جہاں گاندھی کی سمادھی پر چڑھانے کے لئے پھولوں کے ہار ہم نے راستے ہی میں لے لئے تھے۔ راج گھاٹ پر اب لوگ آنے لگے تھے۔ بھیڑ تو خیر نہیں تھی لیکن لوگوں کی تعداد کم بھی نہیں تھی۔ گیٹ کے اندر داخل ہو کر ہم سمادھی کی طرف چلیں تو دیکھا انور سامنے کھڑا تھا۔ وہ ہمیں اپنی طرف آتا دیکھ کر سمادھی کی طرف بڑھ آیا۔ سامنے سری واستو اپنے کاندھے سے تھیلا لٹکائے اور گاگلز لگائے کھڑا تھا۔ وہی سفید کرتہ پاجامہ، وہی سانولا رنگ جو اب ذرا زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ قریب پہونچیں تو لگا جیسے وہ کچھ کمزور بھی ہو گیا تھا۔ ہم نے سمادھی پر پھولوں کے ہار چڑھائے تو وہ

بھی قریب آگیا۔

"آداب عرض"۔

میں نے اور نرگس نے آداب کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اتنے میں انور بھی آ گیا۔ ایک طرف سری واستو تھا اور دوسری طرف انور اور ہم سمادھی کے احاطے سے نکل کر گھاس کے وسیع خطوں کی طرف نکل گئے۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ ہم ایک طرف چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ ہم اپنے ساتھ چائے کی فلاسک اور کچھ بسکٹ بھی لے آئیں تھی۔ ذرا پکنک کا بھرم رہے گا۔

چائے پیتے ہوئے میں نے کہا۔

"آپ تو جوگیوں کی طرح ایسے نکلے کہ کچھ خبر ہی نہ دی"۔

"کچھ نہ پوچھیئے۔ بس جان بچاتا پھرتا ہوں۔ اور جہاں جہاں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے نوٹس لے رہا ہوں"۔

"نوٹس کیوں لے رہے ہیں؟"

"کبھی تو آنکھوں کی پٹیاں کھلیں گی اور ہونٹوں کی مہریں ٹوٹیں گی۔ بس اُس وقت اُس دور کی یاد میں ایک کتاب لکھوں گا"۔

"کس کے نام انتساب کریں گے اُس کتاب کو؟"

"نرگس کے نام"۔ اُس نے نرگس کی طرف مسکرا کر دیکھا جو اب تک خاموش بیٹھی تھی۔ اور اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے نیم گیلی گھاس کو مسل رہی تھی۔ اپنا نام سُن کر وہ چونکی۔

"میرے نام!"

"ہاں۔ اس لئے کہ نرگس ہی ایک ایسا پھول ہے جو خوشبو کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی رکھتا ہے۔

"شکریہ"۔ مجھے لگا سری واستو نے نرگس اور انور دونوں کو جیت لیا تھا۔

"میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ کیرل اور مہاراشٹر کے کچھ نوجوان انڈر گراؤنڈ ہو کر یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اُن سے ملنا ہے۔ سوچا پہلے تم لوگوں سے مل لوں پھر شاید وقت نہ ملے"۔

"آپ کی مہربانی ہے"۔ انور بولا۔

"اب تو انور کی زبان بھی کام کرنے لگی ہے !"

"زبان تو پہلے بھی کام کرتی تھی لیکن اُس کی کاٹ کم تھی۔" انور ہنسا۔

"اماں جان کیسی ہیں ؟"

"اچھی ہیں۔"

"اُن کے پاؤں چھونے کو من کر رہا ہے۔ لیکن اُدھر جاؤں گا نہیں۔"

"اماں بھی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔ اُنھوں نے دُعائیں بھیجی ہیں۔"

"بھائی جان کیرل اور مہاراشٹر میں بھی حالات یہی ہیں ؟" انور نے پوچھا۔

"میں تم لوگوں کو دونوں علاقوں کے دو ایک واقعے سُناتا ہوں جو میں نے اپنی کتاب کے لئے چُنے ہیں۔ ویسے تو اس طرح کے واقعات اَن گنت ہیں۔"

پھر سری واستو نے کیرل کے دو واقعات بیان کئے جن میں ایمرجنسی کے خلاف کئے گئے ستیہ گراہیوں کو اتنی اذیتیں دی گئیں کہ اُن میں سے کچھ مر بھی گئے۔ اُس نے خاص طور سے کالی کٹ یونیورسٹی کے انجینئرنگ کالج کے ایک اسٹوڈنٹ کے بارے میں بتایا جسے پولیس نے ٹارچر کر کر کے مار ڈالا تھا۔ اور اُس کے باپ کو جو خود ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہے۔ یہی کہتی رہی کہ پولیس نے اُس کے بیٹے کو گرفتار نہیں کیا۔ سری واستو نے بتایا کہ جب کبھی ایمرجنسی اُٹھائی گئی تو ایسے ایسے بھیانک واقعات سامنے آئیں گے جنھیں سُن کر لوگ لرز اُٹھیں گے۔

اِس قسم کا ایک دردناک واقعہ اُس نے مہاراشٹر کے علاقے کا بھی سُنایا۔ بمبئی میں میسا کے تحت ــــ ستّر کے قریب پکڑے گئے آدمیوں کو ۱۰ ۱۵ ایسی دس بارہ آدمیوں کے لئے ایک بیرک میں بند کر دیا گیا تھا۔ اتنے آدمیوں کے لئے رات کو سونا تو کیا بیٹھنا بھی مشکل تھا چنانچہ وہ رات کو باری باری سوتے تھے۔ اِسی بیرک کے ایک قیدی کو اُس دِن بھی ایک دِن کے لئے پیرول پر رہا نہیں کیا گیا جس دن اُس کی بیٹی کی شادی تھی۔ جب دوسرے قیدیوں نے اِس کے خلاف آواز اُٹھائی تو انہیں بھی جی بھر کر زدوکوب کیا گیا۔

"ساجرہ بھابی۔ میں نے ایسے ایسے واقعات سُنے ہیں کہ سُنتے سُنتے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ آزادی کے دعویدار اسے مٹا دینے کے لئے کیا کیا کر سکتے ہیں۔ جب کبھی یہ باتیں

تاریخ کے صفحوں میں لکھی گئیں تو دنیا دنگ رہ جائے گی۔"

"انسان خاموش رہ سکتا ہے تاریخ خاموش نہیں رہ سکتی بھائی صاحب"۔ نرگس نے کہا تھا۔

اور پھر بیری داستو اُٹھ کر ایک طرف چل دیا جہاں اُس نے اپنے دو ایک ساتھیوں کو دیکھ لیا تھا۔ جاتے جاتے صرف اتنا کہہ گیا۔

"کچھ دنوں میں یہ بھی آپ لوگوں کے سامنے آئے گا کہ گرو دیو پر کیا کیا ستم ڈھائے جا رہے ہیں"۔

انور میں اور نرگس کچھ دیر وہیں بیٹھے رہے۔ انور نے چائے کی خالی پیالیاں اکٹھی کر کے بیگ میں ڈالیں اور خالی پلاسٹک کو بھی تہہ کر کے بیگ ہی میں ڈال دیا۔

راج گھاٹ سے واپس نکلتے وقت میں نے نرگس سے کہا۔

"باپائے قوم کے مرنے کے بعد بھی عدم تشدد میں یقین کرنے والے مجاہد اپنی جد و جہد کے لئے اُسی سے طاقت حاصل کرتے ہیں"۔

لیکن جن لوگوں کو اُس کی قربانیوں کی وجہ سے اقتدار ملا وہ اُس کی سالگرہ کے دن اُس کی سمادھی پر پھول چڑھانے کے علاوہ کیا کرتے ہیں؟

"کچھ بھی نہیں کرتے"۔ میں نے کہا اور پھر میں نے چلتے چلتے پل بھر کو رُک کر انور اور نرگس کو ہرمن ہیس کی ایک نظم کی یہ سطریں سنائیں۔

وہ اکیلا آدمی جو چپ چاپ
دیکھ رہا ہے سونی آنکھوں سے
وہ جو بنی نوعِ انسان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی ترجمانی کرتا ہے
آج اُس کی کسی کو ضرورت نہیں
اُس کی سمادھی پر لدے ہیں پھولوں کے بے شمار ہار
لیکن وہ کون تھا، لوگ اُسے بھول گئے ہیں۔

Scanned by CamScanner

جامع مسجد کی چاروں طرف بنی چھوٹی چھوٹی دُکانوں کو مسمار ہونے سے بچانے کے لئے ان لوگوں کا جو ڈیپوٹیشن بغیر کسی سیاسی لیڈر کے پرنس سے ملنے کی بار بار کوشش کر رہا تھا آخر اُس سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن نتائج حوصلہ افزا نہیں نکلے تھے۔ ایک بڑے ہوٹل میں جہاں اس وقت پرنس اپنے خوشامدیوں سے گھرا ہوا تھا۔ مجبور اور کمزور طبقے کے لوگوں کے اس ڈیپوٹیشن کو لگ بھگ دو گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ اور جب وہ بڑے ہی قیمتی صوفے پر بیٹھے ہوئے پرنس سے ملنے کے لئے ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئے تو اُس نے اُن کے آداب عرض کا بھی جواب نہ دیا۔ اور اُس کے سامنے بیٹھے ایک شخص نے اُنہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اُدھر تم سادہ لوح لوگوں کی بغاوت پر اُکساتے ہو اور اِدھر ہمارے سامنے آکر گڑگڑاتے ہو۔"

اُنہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ وہی شخص تھا جو اُن کے علاقے کی نمائندگی کا دم بھرتا تھا۔ اور جس کے پاس جب وہ لوگ اپنی تکلیفیں لے کر گئے تھے تو اُسی نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔

"کسے اُکساتے ہیں ہم بغاوت پر؟" ڈیپوٹیشن میں سے ایک آدمی نے پوچھا۔

"ہمیں سب معلوم ہے"۔ وہی آدمی بولا۔

"ہم تو یہ درخواست لے کر آئے ہیں کہ ہماری دُکانوں کو نہ گرایا جائے۔ ہم دو وقت کی روٹی کو بھی محتاج ہو جائیں گے۔"

"ہم نے تمہاری روٹی کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا"۔ پرنس کے ایک دوسرے خوشامدی نے کہا۔

پرنس اُسی طرح خالی نظروں سے اُن لوگوں کو دیکھتا رہا اور اُس کے پہلو میں بیٹھی ایک خوبصورت خاتون پل پل بعد اُس کی تائید میں مسکرا کر اُسے دیکھ لیتی تھی۔ اُن لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فرزانہ آپا تھی۔

"ہم بات پرنس سے کرنے آئے ہیں۔ آپ سے نہیں۔"

"تم لوگ دفع ہو جاؤ۔ میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ پرنس نے بڑی ہی غصیلی نظروں سے ڈیپوٹیشن کے لوگوں سے کہا۔"

اور اُن لوگوں کے صدمے اور حیرت کی انتہا نہ رہی جب پرنس کے خوشامدیوں نے اُنہیں ہوٹل کے کمرے سے باہر دھکیل دیا۔ دروازہ بند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بھرپور قہقہہ بھی گونجا۔

Scanned by CamScanner

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد برسوں سے جامع مسجد کی دیواروں کے سائے میں پناہ لیئے ہوئے یہ لوگ اس آسرے سے ایک ایک کر کے محروم کئے جانے لگے۔ سب سے پہلے اُن لوگوں کی دُکانیں گرائی گئیں جو اُس ڈیپوٹیشن کے ممبر تھے جس نے پرنس سے ملاقات کی تھی۔ ان میں سے دو ایک کو پولیس نے حراست میں بھی لے لیا تھا۔

انور کئی روز تک شبنم کے اور ایلن کے گھر جاتا رہا لیکن کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ایلن کو کہاں لے جایا گیا تھا۔

"ایلن کی ممی نے بتایا کہ جب ایلن گھر سے نکلا تھا تو اپنے ساتھ کاغذوں اور فائیلوں سے بھرا بریف کیس بھی لے گیا تھا۔" انور نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے وہ تمام کاغذات بھی پولیس کے قبضے میں آ گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں آپا۔"

"شبنم نے کچھ بتایا ہے کہ اُن کاغذات میں کیا تھا؟"

"اُسے خود معلوم نہیں۔"

"تو معاملہ تشویشناک ہے۔"

"جب اُسے معلوم تھا کہ پولیس اُس کے پیچھے پڑی ہے تو اُس نے اُن کاغذات کو ٹھکانے کیوں نہیں لگا دیا تھا؟" نرگس نے پوچھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"شبنم کا کیا پروگرام ہے؟"

"اُس کے گھر کے لوگ بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔ اُس کے والد سرکاری ملازم ہیں۔ کہیں نوکری ہی سے نہ نکال دیئے جائیں۔" وہ بولا۔

"یہ تو اور بھی بُرا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں نے تو اُسے رائے دی تھی کہ وہ کچھ روز کے لئے دہلی سے باہر چلی جائے لیکن یہ اُسے منظور نہیں۔"

"تو اُسے یہ منظور ہے کہ اُس کے والد ناحق مصیبت میں پڑیں۔" نرگس نے چیختے ہوئے کہا۔ "اتنی بھی جذباتیت کیا ہوئی۔"

"تم اس سے کہو وہ مجھ سے ملے۔ میں اُسے سمجھاؤں گی" میں نے کہا۔

لیکن اس سے ملنے کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ شبنم مجھ سے ملی۔ میں نے اور نرگس نے اُسے بہت سمجھایا لیکن وہ اس ضد پر اڑی رہی کہ جب تک اُسے امین کے بارے میں صحیح خبر نہ ملے گی اور جب تک وہ خود اُس سے ایک بار نہیں مل لیتی وہ دلی چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی۔

پھر ایک دن اخبار میں یہ خبر چھپی کہ گرودیو بہت سخت بیمار تھے۔ اور انہیں رہا کر دیا گیا تھا۔ پھر خبر ملی کہ وہ بمبئی کے ایک بہت اچھے اسپتال میں ایڈمٹ ہو گئے تھے۔ اور اُن کے گردے اتنے خراب ہو چکے تھے کہ اُن کے جسم میں تازہ خون ہی نہیں بن رہا تھا۔ یہ خبر بہت تشویشناک تھی۔ اخباروں میں، نہ تو گرودیو کی کوئی تصویر چھپی تھی اور نہ ہی ان کی بیماری کی تفصیلات شائع ہوئی تھیں۔ کیونکہ اخباروں پر بڑی سخت پابندیاں تھیں۔

کچھ دن بعد سری واستو نے گرودیو کی ڈائری کے کچھ اوراق میں تحریروں کا اختصار بھیجا تھا۔ جو اُنھوں نے جیل میں لکھی تھی۔ ان تحریروں کے اقتباسات کو جو انھوں نے دیئے تھے۔ میں نے اور نرگس نے کئی بار پڑھا تھا۔ اس شخص کے کمزور جسم میں اب تک کتنا بے پناہ ولولہ تھا۔ اور ملک بھر میں اُبھرتے ہوئے منفی قدروں کا جائزہ کتنی گہرائی سے لیا تھا۔

۳۱ جولائی ۷۵ء

......میری تمام دُنیا میرے اِرد گرد ٹوٹ کر بکھر گئی۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اپنی زندگی میں ان ٹکڑوں کو دوبارہ جُڑا ہوا نہیں دیکھ پاؤں گا۔ کہاں تو میں جمہوریت کو زیادہ وسیع اور مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس عمل میں عوام کو زیادہ گہرے سے گہرے طریقے سے شریک کیا جائے اور کہاں میں اب جمہوریت کا گلا گھٹتے ہوئے دیکھنے پر مجبور ہوں......

۶ اگست ...... جمہوریت کی تو تعزیت ہی ہو گئی۔

'......' نے اپنے خلاف دیئے جانے والے عدالت کے متوقع فیصلے سے خود کو بچانے کے لیے Representation of people Act میں رد و بدل کروایا ہے۔ کانسٹی ٹیوشن میں بھی کئی بہت بڑے تبدیل کئے

جانے کی توقع ہے۔ یہ سب اپنے آپ کو بذاتِ خود ملک کے محافظ سمجھنے والوں کی تاناشاہی کی بنیاد کو مضبوط کرنے کی خاطر کیا گیا ہے .....

۱۸ اگست ..... یہ جدوجہد اور تحریک ایک مکمل انقلاب لانے کے لئے تھی۔ ایک ایسا انقلاب جو سماجی زندگی کے تمام ڈھانچے کو بدل ڈالے گا۔ کیوں کہ یہ انقلاب پُرامن تھا اس لئے نہ تو اچانک اور نہ ہی تیزی سے آسکتا تھا۔ اس میں وقت لگنا لازمی ہے۔ کیوں کہ یہ ایک انقلابی دور ہے اس لئے اس کے آنے میں بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ بس یہی دس بیس سال .....

۳۰ اگست ..... سوال اور بھی زیادہ اہم ہے۔

سوال یہ ہے کہ سماج کے تمام ڈھانچے کو کس طرح سے بدلا جائے اور ایک مکمل انقلاب کیسے لایا جائے؟ ایک ایسا انقلاب جو سماج کے ہر شعبے پر اثر انداز ہو۔ اسی صورت میں یہ سوال اور بھی زیادہ اہم اور مشکل ہو جاتا ہے۔ جب اس بات کا بھی دھیان رکھا جاتا ہے کہ یہ مکمل اور مجموعی انقلاب پُرامن طریقے سے لایا جائے۔ اس طرح سے کہ ملک کے جمہوری ڈھانچے کو بھی نقصان نہ پہونچے۔ اور جمہوری طرز زندگی پر بھی کوئی غلط اثر نہ پڑے۔ اس انقلاب کو لانے کے عمل میں سول نافرمانی، پُرامن پروٹیسٹ عدم تعاون، مختصر یہ کہ ہر قسم کا ستیہ گرہ شامل ہے .....

اب تک میں نے جن عوامی انقلاب کے بارے میں ذکر کیا ہے یا اس کا تصور کیا ہے وہ دو طریقوں سے عمل میں لایا جا سکتا ہے یا تو عوام کے سرکار کے ساتھ تعاون سے یا پھر اس کی مخالفت اور سنگھرش سے .....

۳۱ اگست: مستقبل میں کئے جانے والے سنگھرش کو ماضی میں کی گئی جدوجہد سے جوڑنا لازمی ہے اور اس عمل کو اس نقطے سے شروع کرنا چاہیئے جب کہ لوگوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ اور ملک بھر میں ایمرجنسی سختی سے لاگو کر دی گئی تھی جتنی زیادہ دیر لوگوں کو جیل میں قید رکھا جائے گا سنگھرش کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے حالات اتنے ہی زیادہ سازگار ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

'.......؛ نے پچھلے دو مہینوں کی اپنی تقریروں اور انٹرویوز میں چناؤ کرانے کے ارادے کو بار بار دہرایا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ چناؤ کب کرائے جائیں گے ؟

اُن کے خیال سے وہی وقت مناسب ہوگا جب مخالف سیاسی پارٹیوں کے اخلاقی حوصلے پست ہو جائیں گے اور عوام اُن کے بیس نکاتی پروگرام، میٹھی باتوں اور چکا چوند کرنے والی پالیسیوں کے اعلانوں سے سرکار کے سر تھک ہو جائیں گے۔

...... لیکن اُن کے لئے ہندوستانی اور دوسرے ملکوں کے عوام کو اس بات پر قائل کرنا مشکل ہوگا کہ ان حالات میں کئے جانے والے چناؤ جمہوریت کی کسوٹی پر پورے اُتریں گے.......

اُنہی دنوں گورو دیو نے اسپتال سے اُن تمام لوگوں کے نام ایک پیغام دیا تھا جو جیل میں قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے۔

میں شرمندہ ہوں کہ آپ سب قید ہیں اور میں آزاد ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سندیش دوں۔ یہ حالات میری بیماری نے پیدا کئے ہیں۔ یہ بیماری میں قید سے بھی زیادہ بے بسی ہے۔ اس لئے اتنا ہی لکھ کر سنتوش کر دوں گا کہ ہزاروں کی، شاید اُن کی تعداد لاکھوں ہو، قربانیاں بے کار نہیں جا سکتیں۔ اور بھارت کا لوک تنتر موجودہ چنوتیوں کا سپھل مقابلہ کرتا ہوا اپنی ورتمان اگنی پریکھشا سے نکل کر سونے سے ہوئے سونے کی طرح نکھر آئے گا۔

آپ سب کو ہاردک شبھ کامنائیں

گورو دیو

ہم اباّ سے ملاقات کے لئے آگرہ جانے کی سوچ رہے تھے کہ ایک دن ہمیں اطلاع ملی کہ ابّا بیمار تھے اور یہیں دلی کے ایک اسپتال میں اُن کا علاج ہو رہا تھا۔ ہماری حیرت اور دُکھ کی حد نہ تھی۔ اماں جان کو تو غش آ گیا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اور اُن کے سر او ماتھے کو دیر تک دباتی رہی تو تب کہیں جا کر اُنہیں ہوش آیا۔ میں نے اور نرگس نے اُن سے کہا کہ وہ گھر پر آرام کریں ہم دونوں

اسپتال جاکر ابا کو دیکھ آتی ہیں لیکن وہ نہیں مانیں ۔ یہ تو اچھا ہوا کہ اُس وقت اچانک انور بھی آگیا ۔ ورنہ ہمارے لئے اماں کو اس حالت میں لے کر اسپتال جانا تو بہت ہی مشکل ہو جاتا ۔

اسپتال پہونچ کر انور نے ہم تینوں کو باہر گھاس کے ایک خطے پر بٹھا دیا اور خود ابا کے وارڈ کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے چلا گیا ۔ وہ گھنٹہ بھر تو واپس ہی نہ آیا ۔ اس دوران میں اماں بے حد گھبرا گئی تھیں ۔ میں اور نرگس الگ پریشان تھیں ۔ ایک بار تو یہ بھی سوچا کہ اماں کو وہیں چھوڑ کر میں اور نرگس بھی ابا کا وارڈ دریافت کرنے کے لئے چلی جائیں ۔ لیکن یہ ارادہ اس لئے ترک کر دیا کہ ہمارے جانے کے بعد اماں ایک دم اکیلی رہ جائیں گی ۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ گذارنے کے بعد انور واپس آیا تو بے حد پریشان تھا ۔

"بہت دیر کر دی انور؟" میں نے کہا ۔

"آپا اتنی پابندیاں ہیں کہ کہیں کچھ پتہ ہی نہیں چلتا ۔"

"کچھ بتاؤ گے بھی یا یوں ہی بولے جاؤ گے!" نرگس نے بے تابی سے کہا ۔

"آؤ لے چلوں"!

اور ہم انور کے پیچھے پیچھے چل پڑیں ۔ ایک برآمدے سے دوسرے برآمدے میں ۔ ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر ۔ اماں تو لڑکھڑا کر گرنے لگیں ۔ انور نے انہیں سہارا دے کر ایک جگہ بٹھا دیا ۔

"تم دونوں یہیں رکو ۔ میں ابا کو دیکھ کر آتی ہوں" ۔ نرگس نے کہا

میں اور اماں برآمدے میں دیوار کے سہارے بیٹھ گئیں ۔ مجھے لگا کہ اماں زندہ واپس گھر نہ جا سکیں گی ۔

نرگس نے واپس آنے میں بڑی دیر کر دی ۔ واپس آئی تو بُری طرح رو رہی تھی ۔

"کیا ہوا؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا

"کمرے کے باہر پولیس کے سپاہی ہیں کسی کو اندر جانے نہیں دیتے ۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ ابا کو انجکشن دی جا رہی ہے اور اُن کی حالت خراب ہے ۔"

نرگس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اماں دھاڑ کر روئیں ۔

"مجھے لے چلو اُن کے پاس ۔ پولیس والے کون ہوتے ہیں روکنے والے؟"

Scanned by CamScanner

اماں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ پل بھر میں جانے اُن میں اتنی طاقت کیسے آ گئی تھی۔ انور نے اور میں نے اُنہیں سہارا دیا۔

"کون ہے مجھے روکنے والا؟" اماں نے کمرے کے سامنے کھڑے سپاہیوں کو چیختے ہوئے کہا۔ اور برقع کی پرٹ اُلٹ دی۔

"کس کی ہمت ہے میرا راستہ روکنے کی۔ جلادو میرے خاوند کو مار ڈالا ہے تم نے۔"

اُنھوں نے کڑک کر کہا اور بند دروازے کو ڈھکیل کر اندر داخل ہو گئیں۔ پولیس کے کسی سپاہی کو ہمیں روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ابا بیڈ پر بے ہوش پڑے تھے اور بچانے بھی نہ جا رہے تھے۔ اماں زور سے چیخیں۔ بیڈ کے پاس کھڑی نرس نے اُنہیں سنبھال لیا۔ کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر نے ہم سب کو کمرے سے باہر نکال دیا۔

نرگس اور میں نے ابا کو اُس دن آخری بار دیکھا تھا۔

اماں کو تو پولیس والوں نے بعد میں بھی دو تین بار تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اندر جانے دیا۔ لیکن ہم میں سے کسی کو بھی دوبارہ اُن کے دیدار نصیب نہ ہوئے۔ چار دن تک ابا کی حالت ایسی ہی رہی۔ میرے ابا اور امی اور محلے کے کچھ لوگ اور ابا جان کے کچھ دوست جو گرفتار نہیں کیے گئے تھے ابا کی صحت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے اسپتال آتے رہے اور برآمدے میں کھڑے رہ کر اور نرگس سے اور مجھ سے بات کر کے چلے جاتے رہے۔ صرف میرے ابا اور امی تمام دن ہمارے ساتھ رہتے اور شام کو گھر جاتے۔ ہم اماں جان کو بڑی مشکل سے کچھ دیر کے لئے گھر لے جاتیں تاکہ غسل وغیرہ کر لیں۔ اور نماز پڑھ لیں۔ ورنہ تو وہ کمرے کے سامنے والے برآمدے سے ہلتی ہی نہ تھیں۔ پولیس کے سپاہی دن بھر سگرٹ پھونکتے رہتے اور آپس میں گندے گندے مذاق کرتے رہتے۔ کوئی اُنہیں ٹوکنے والا نہیں تھا۔ میرے ابا نے اپنے ملنے والوں کی مدد سے انجم کو بیرون پر رہا کرانے کی کوشش کی۔ لیکن بہت دیر سے کامیاب ہوئے۔

چار دن کے بعد ایک سہ پہر کو جب میں اور نرگس اماں جان کو لے کر اسپتال آئیں تو ابا والا کمرہ باہر سے بند تھا۔ اور پولیس کا کوئی سپاہی والا نہ تھا۔ اُسی وقت انور دوڑتا ہوا آیا۔

"ابا تو چل بسے۔ اُن کی لاش مارچری میں رکھی ہے۔"

میں تو ایک دم سکتے میں آ گئی۔ اور نرگس اور اماں زور سے چیخیں۔ اماں وہیں برآمدے میں لڑکھڑا گئیں۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ یہ تو اسپتال کے ڈاکٹروں کا بھلا ہو کہ انھوں نے سنبھال لیا۔ ورنہ شاید اماں کا بھی جنازہ ہی اُٹھتا اسپتال سے۔ میرے ابا معمول کے مطابق جب اسپتال آئے تو اُس وقت تک ابا کی لاش کو حاصل کرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ ہدایت یہ تھی کہ لاش کو گھر نہیں لے جایا جائے گا۔ اور اسپتال ہی سے قبرستان لے جانا ہوگا۔

وہ شیخ نور الٰہی جس نے اپنے ہاتھوں سے جانے کتنی میتوں کو سنبھال کر ٹھکانے لگایا تھا۔ اور جانے کتنی ہی قبروں پر مٹھی بھر مٹی ڈالی تھی۔ آج اُس کے جنازے میں اُس کا اپنا لڑکا بھی شریک نہ تھا۔ اُس کے جنازے کو اُٹھانے والے غیر لوگ تھے۔ جن کی تعداد اتنی کم تھی کہ کندھا بھی نہ بدل سکتے تھے۔ ہمیں یہ بھی اجازت نہ دی گئی تھی کہ ہم انجم کے آنے کا انتظار کر سکیں۔ جس کے بیرول پر رہا کرنے کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ جب انجم اپنے گھر پہونچا اس وقت جو چند لوگ جنازے کے ساتھ گئے تھے۔ وہ ابا کے جسم کو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبا کر واپس آ چکے تھے۔

"ابا جان!" انجم جب ڈیوڑھی پر دہاڑا تو مجھے لگا دھرتی کا سینہ پھٹ جائے گا۔ میرے ابا اُسے ڈیوڑھی سے سنبھال کر اندر لائے تو مجھے لگا جیسے وہ بھی اپنی تازہ کھدی ہوئی قبر سے بھاگ کر اپنے گھر آیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنا ہونٹ زور سے دانتوں کے نیچے دبا کر کاٹ ڈالا۔ خون کی ایک آدھ بوند میری زبان پر بھی پھیل گئی تھی۔ کتنی منحوس بات سوچی تھی میں نے! لیکن وہ انجم تھا ہی کہاں! اُس کی شکل تو سر سے پیر تک مسخ ہو چکی تھی۔ ایک چیخ میرے ہونٹوں تک آئی۔ لیکن میں نے اپنے گلے کو مضبوطی سے دبا کر اُسے باہر نہ نکلنے دیا۔ میں ایک بُت کی طرح ایک طرف بیٹھی اپنے انجم کو دیکھ رہی تھی۔ جو شاید سب سے بے نیاز تھا۔ اور پٹر پٹر تکے جا رہا تھا۔ پھر اُس نے اماں جان کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور یوں چیخ کر رویا کہ اب بھی اپنی چیخ کا گلا نہ گھونٹ سکی۔ میری چیخ نکلی تو نرگس بھی چیخنے لگی۔ اور پھر ترکمان گیٹ کی تنگ سی خاموش اور بے جان گلی کی فضا ایک دم تڑپ اٹھی۔ جیسے کسی نے اُس کی شاہ رگ پر تیز چھری رکھ دی ہو۔

کئی دنوں کی نڈھال اماں جان پھر بے ہوش ہو گئیں۔

کچھ دیر کے بعد جب انجم نے اُٹھ کر نرگس کو اپنے سینے سے چمٹایا تو مجھے لگا جیسے اُس سے

ٹھیک طرح کھڑا بھی نہ ہُوا جا سکتا تھا۔ اور پھر جب اُس نے مجھے اپنے بازوؤں میں لیا تو مجھے محسوس ہُوا کہ اُس کے بازو وایک دم بے جان تھے ۔

وہ رات اس گھر میں قیامت کی رات تھی ۔

اُس رات مجھے معلوم ہوا کہ قیامت کسے کہتے ہیں ۔ اور جب گھر سے گھر کے مالک کا جنازہ اُٹھ جاتا ہے تو سارا گھر ایک قبرستان بن جاتا ہے جس میں ایک قبر نہیں سینکڑوں ٹوٹی ہوئی قبریں اپنے دہانے کھولے گھر کے ہر فرد کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے بے قرار ہوتی ہیں صرف گھر کا مالک ہی نہیں مرتا تمام گھر مرجاتا ہے ۔ اُس کے ساتھ اُس خاندان کا سارا ماضی مرجاتا ہے ۔ساری روایات مرجاتی ہیں ۔ اور تازہ مٹی سے بنی ہوئی قبر پر کسی انجانے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اُبھر آتی ہے ۔

اِس قبر میں آج ایک بھری پوری دُنیا دفن ہو گئی ہے ۔

انجم گھر میں آئے لوگوں کے پاس ، میرے ابا اور امی کے پاس اور نرگس اور لالہ چاند کے پاس دیوار کے ساتھ بیٹھ لگا کر بیٹھا رہا اور میں خاموشی سے اُوپر اپنے کمرے میں آ گئی ۔ اور روتی رہی اور سامنے کی دیوار پر اُس تحریر کو پڑھتی رہی جسے وہ انجانا ہاتھ ابا جان کی تازہ قبر سے اُٹھا کر میرے کمرے کی دیوار پر منتقل کر گیا تھا ۔

اِس قبر میں آج ایک بھری پوری دُنیا دفن ہو گئی ہے ۔

اُس رات کئی مہینوں کے بعد انجم میرے ساتھ کے پلنگ پر لیٹا تھا ۔ مجھے لگا جیسے اُس عرصہ کے دوران جب وہ مجھ سے الگ ہوا تھا اُس کا اپنے آپ سے رشتہ اس قدر مضبوط ہو گیا تھا کہ اب اُسے دوسرے کسی رشتے کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہی نہ ہوا تھا ۔ اُن مہینوں میں جن لوگوں سے اُس کا واسطہ پڑا تھا وہ اُس کی دنیا کے لوگ نہیں تھے ۔ وہ لوگ اور اُن کے نظریات اور طور و اطوار اُن سب سے جُدا تھے جن کا وہ عادی تھا ۔ وہ لوگ تھے پولیس کے افسر اور اس محکمے کا چھوٹا عملہ ۔ جیل کے افسر اور اُن کا اسٹاف اور وہ قیدی جن میں چور بھی تھے اسمگلر بھی تھے ۔ جوئے باز اور شرابی بھی تھے ۔ جیب کترے اور بدمعاش تھے ۔ اور سیکس ریکٹس کے دلال اور آرگنائیزرز تھے ۔ اور پاگل بھی تھے ۔ اور جنسی بیماریوں کے مارے اور کوڑھی بھکاری بھی تھے جن لوگوں کا انجم سے واسطہ پڑا تھا ۔ وہ زندگی کے سبھی شعبوں سے تعلق رکھنے والے تھے ۔ اگر اُسے

ایک خاص شعبے کی نمائندگی کرنے والا کوئی شخص نہیں ملا تھا تو وہ شریفوں اور ایمان داروں کا طبقہ تھا۔ اُس نے جیل میں سوائے شرافت، ایمانداری اور انسانیت کے سب کچھ دیکھا تھا۔ جن قدروں کے چوکھٹے میں اُس نے زندگی کے اتنے برس گذارے تھے وہ چوکھٹا پولیس اور جیل کے اسٹاف نے تشدد کی ضربوں سے چکنا چُور کر دیا تھا۔ اور اُسے ایک ایسے بجرے میں ڈال دیا تھا جس کی سلاخوں پر بڑے بڑے سیاہ پردے پڑے تھے۔ اور جن میں نہ ہوا آتی تھی نہ روشنی۔ نہ کوئی آواز باہر سے اندر آتی تھی۔ اور نہ اندر سے باہر جاتی تھی۔ جیسے اُس کی زندگی کو پوری طرح سے انسولیٹ کر دیا گیا تھا اور اُسے ہاتھ لگانے سے یہ احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ زندگی کی حرارت کی کوئی بھی برقی رو اُس میں موجود تھی۔ اور اس طرح وہ زندگی کے خوب صورت دھارے سے کٹ کر اپنے وجود کے پل پل سوکھتے ہوئے چشمے پر خالی ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔ اور پانی کی چند بوندوں کو ترس رہا تھا۔ جن سے اُس کے اندر سُلگتی ہوئی آگ قدرے کم ہو سکتی۔ یہی احساس مجھے کچوکے جا رہا تھا۔

نرگس بہت دیر تک ہمارے پاس بیٹھی رہی تھی۔ لیکن انجم نے کوئی بھی بات نہ کی تھی اُس سے۔ جیسے اُس کی قوتِ اظہاری ختم ہو گئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر کے کئی موضوع چھیڑے۔ شاید وہ کسی ایک میں دلچسپی لے اور اُس کا سکوت ٹوٹے۔ لیکن سب بے سود تھا۔ نرگس کو جانے کیا سوجھی۔

"ارشد ایک بات پوچھوں؟"

انجم خاموش تھا۔

"سچ بتاؤ گے؟"

وہ پھر بھی خاموش تھا۔

"ویسے مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی۔"

میں حیرت سے نرگس کو دیکھ رہی تھی لیکن انجم ایک دم پتھر بنا پڑا تھا۔

"تم ایسا کر نہیں سکتے۔"

وہ اب بھی چپ تھا۔

"ارشد اپنے اصولوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر سکتا ہے مجھے یہ اُمید نہیں تھی۔"

میرا صبر ٹوٹنے کو تھا۔ میں نرگس کو ٹوکنے ہی والی تھی کہ وہ پھر بولی۔

Scanned by CamScanner

"تم بھی معافی مانگ سکتے ہو، توبہ"

"کیا بک دی ہو؟" انجم دہاڑا اور اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا

"کہتے ہیں کہ ارشد نے اٹھ کر معافی مانگ لی ہے اور سب ساتھیوں کے پتے بتا دیئے ہیں"۔

مجھے پہلی بار نرگس سے نفرت ہوئی وہ کسی بے ہودہ بات کر رہی تھی۔

"کون اُلو کا پٹھا کہتا ہے؟" وہ چیخا۔

"بتاؤں؟" نرگس نے جس طرح سے چیلنج کیا۔ میں تو سمجھی کہ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں نے انجم کو ایسی نظروں سے دیکھا جن میں تاسف، حیرت اور درد بھرا تھا۔

"اگر معافی میں مانگتا ہوتا تو اپنی ہڈیاں کیوں تڑواتا۔" اُس نے ایک دم اپنا کُرتہ اُتار کر الگ پھینک دیا۔ "تم مجھے اتنا ذلیل سمجھتی ہو۔ میرے جسم کے انگوں کو دیکھو حرامزادوں نے کیا کیا عذاب دیئے ہیں۔" اُس نے شعلہ بھری آنکھیں نرگس پر گاڑ دیں۔

"نہیں تو میں دیکھنا چاہتی تھی ارشد"۔ اور نرگس اس کے ننگے جسم سے لپٹ گئی۔

"تم بولے تو مجھے احساس ہوا کہ تم زندہ ہو۔ ورنہ میں تو سمجھی کہ تم مر چکے ہو۔"

"میرا جسم واقعی مر چکا ہے لیکن میری روح پہلے سے زیادہ مضبوط اور جاندار ہو گئی ہے"۔

اُس نے نرگس کی برستی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھ دیا۔ اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

"ساحرہ۔ جسم کی موت کوئی موت نہیں ہوتی ہے"۔

"انجم اتنے عظیم ہو"۔ میں نے اپنی باہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں۔

"زور سے مت بھینچو، میری گردن کی رگیں ابھی تک درد کر رہی ہیں۔" میں نے اپنی باہیں اُسکی گردن سے الگ کر لیں۔

"نرگس میری ٹانگوں پر زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ تنے ہوئے پٹھے چٹخ جائیں گے"۔

نرگس بھی اس سے الگ ہو گئی۔

اب مجھے محسوس ہوا کہ انجم پر پچھلے چھ سات مہینوں میں کیا گذری تھی۔

وہ پھر لیٹ گیا۔ شاید اُس سے زیادہ دیر بیٹھا بھی نہ جا سکتا تھا۔ نرگس اور میں اُس کے جسم کو آہستہ آہستہ سہلاتی رہیں اور دھیرے دھیرے اُسکی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور وہ

Scanned by CamScanner

سو گیا۔ نرگس آہستہ سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور جاتی دفعہ بتی بھی بجھا گئی۔

انجم بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ جیسے وہ برسوں سے جاگ رہا تھا۔ اور نیند روئی کے گالوں کی طرح خاموشی سے اکٹھا ہوتی رہی تھی۔ اور اب وہ نیند کے اس نرم ڈھیر کے نیچے دبا سو گیا تھا۔ میں نے چادر اُس کے جسم پر ڈال دی۔ اور بہت دیر تک اس کے خراٹوں کی آواز سنتی رہی۔ مسلسل جاگتے رہنے سے اس کے خراٹوں کی آواز بھی کتنی کمزور ہو گئی تھی۔

وہ ہفتہ بھر کے لئے پیرول پر آیا تھا۔ وہ ایک دم اکیلا تھا۔ اور اُس کا کوئی بھی دوست یا ساتھی اُس کے پاس نہیں تھا۔ جو تھے وہ انڈر گراؤنڈ تھے۔ دوسرے لوگ خوف کی وجہ سے اُسے ملنے نہیں آتے تھے۔ اُس کے ابّا کے بہت پُرانے دوست جو ایک طرح سے خانہ نشین ہو چکے تھے ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ البتہ محلے کی عورتیں امّاں کے پاس تمام دن آتی رہتی تھیں۔ اور اُن کے بے حد سمجھانے کے باوجود امّاں دل میں کئی کئی بار روتی تھیں اور ہم سے اُن کا دُکھ دیکھا نہ جاتا تھا۔ اماں کو روتے ہوئے دیکھ کر انجم نے ایک بار کہا۔

"آپ جیسی سینکڑوں مائیں اس وقت ملک کے کونے کونے میں رو رہی ہیں۔ لیکن اُن کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں۔ آپ کب تک روئیں گی آخر؟"

"میرا شوہر مجھے چھوڑ گیا۔ میرا بیٹا چار روز کے بعد پھر جیل میں بند ہو جائے گا۔ میں روؤں نہیں تو کیا کروں؟"

امّاں نے بہت دنوں کے بعد ایک اور سوال پوچھا تھا۔ پوچھا تو ہم سے تھا۔ لیکن اس کا جواب ہمارے پاس نہیں تھا جن کے پاس اس سوال کا جواب تھا تو وہ امّاں جیسی ہزاروں معصوم اور مجبور آنکھوں کے سمندروں میں دن رات نمک گھول رہے تھے کہ آنسو اور نہیں اور یہ سمندر کبھی خالی نہ ہوں۔

"اس کے باوجود بھی تو بہت کچھ ہے تمہارے پاس جو بہت سی ماؤں کے دامنوں سے چھین لیا گیا ہے امّاں۔ تمہارے پاس ایک شریف اور وفادار بہو ہے۔ تمہاری ایک معصوم اور جانثار بیٹی ہے اور یہ چھوٹا سا پُرانا گھر ہے جس کی دیواروں کے اندر ایک بہت ہی پُرانی تہذیب اب بھی زندہ ہے اور اس میں وہ خواب ہیں جن کی تکمیل کے لئے ابّا جان زندگی بھر

جدوجہد کرتے رہے!"

"تمہیں اس ساری میراث کی حفاظت کرنا ہے۔" نرگس بولی۔

پھر ایک بار بڑی مشکل سے اماں کو دستر خوان پر سنبھلتے ہوئے انجم نے کہا۔

"ایسا کھانا تو ان سات مہینوں میں دیکھنے تک کو نہ ملا اماں۔"

"بہت بُرا کھانا ہوتا ہے کیا جیل میں؟"

"کھانے کے نام پر کیا کچھ دیا جاتا ہے قیدیوں کو، یہ دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔"

اس طرح انجم یہ کوشش کرتا رہا کہ اماں کا غم بانٹا جائے اور انہیں تسلی دی جائے۔

پھر ایک بار اُس نے مجھے اور نرگس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جب میں نے اتنی اذیتیں سہنے کے باوجود سیوا استو، سکھ پال، جگی سیال اور شفقا پولنہ کے بارے میں کچھ نہ بتایا تو جانتے ہو اُن لوگوں نے مجھے کیا دھمکی دی؟"

"کیا؟" میں نے پوچھا

"کہ وہ تمہیں بھی گرفتار کر کے میرے ہی ساتھ جیل میں بند کر دیں گے۔"

"یہ تو ایسا ہی ہوتا ہے؟"

"لیکن شرط یہ تھی کہ ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیا جائے گا۔ صرف ہمیں بتایا جائے گا کہ ہم دونوں کو وہ لوگ کس طرح ٹارچر کر رہے تھے۔"

"ہائے اللہ؟" میں بولی۔

"ادھر میرا نام بھی تو پولیس کی فہرست میں ہے۔" نرگس بولی۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"ایمن نے بتایا تھا۔ جس روز اُس نے یہ بات بتائی تھی اس سے اگلے ہی روز اُسے بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔"

"تو اس کا مطلب ہے تم بھی ہمارے ٹولے میں شامل کی جا رہی ہو۔" انجم نے دبی مرا ہوا سا قہقہہ لگایا۔ جواب پہلے سے بھی زیادہ بے جان ہو گیا تھا۔

"جگی ملا ہے کبھی تم سے؟"

Scanned by CamScanner

"ملا تو نہیں لیکن وہ باہر کی خبریں مجھے بھجواتا رہتا ہے۔ اُس نے تو اپنا دائرہ عمل ہریانا اور راجستھان میں محدود کر رکھا ہے۔ اُس نے تو ایلن کی گرفتاری کی خبر بھجوائی تھی جو آج کل بھرت پور جیل میں ہے۔"

"اُس کے گھر والوں کو معلوم ہے کیا؟" نرگس نے پوچھا۔

"شاید اب معلوم ہو گیا ہو۔" وہ بولا۔ "شبنم سے ملاقات ہوئی کبھی؟"

"بس دن ایلن گرفتار ہوا تھا اُسی دن ملی تھی۔" اُس کے بعد تو کبھی نہیں ملی۔ نرگس نے کہا۔

"وہ تو بس ایلن کے فراق میں تڑپ رہی ہے۔" میں بولی۔

"کوئی تو کسی کے فراق میں تڑپتا ہے۔" انجم کا کمزور قہقہہ گونجا۔

"مجھے لگا انجم کا ذہن اب صاف ہوتا جا رہا تھا۔"

لیکن ذہن کی اور بات تھی اُس کا جسم تو جیسے میرے وجود سے ہی بے نیاز ہو گیا تھا لگتا تھا جیسے اب اُسے جسم کے تقاضوں کا احساس ہی نہ رہا تھا۔ جیسے اب اُسے کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا تھا کہ اُس کے کمرے میں اُس کے ساتھ دل لے پلنگ پر اُس کی خوب صورت اور جوان بیوی اُس کے ہاتھوں کے لمس کو بھی ترس رہی تھی۔ میں نے ایک آدھ بار انجم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اُسے سہلایا۔ اُس کے بالوں میں اپنی انگلیاں اُلجھائیں۔ اُس کے گالوں پر بھی دھیرے دھیرے اپنی ہتھیلیاں رگڑیں۔ لیکن اُسے تو جیسے کچھ بھی احساس نہ تھا۔ میری ہتھیلیوں پر اس کی داڑھی کے بال چبھتے رہتے اور وہ خاموش پڑا رہتا۔ اُس نے جیل میں شیو کرنا اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اُسے شیو کے لئے گرم پانی نہ ملتا تھا۔ ہائے کتنا حساس اور نازک تھا میرا انجم۔ اور اب کتنا بے حس ہو کر رہ گیا تھا! ایک بار تو مجھے یہاں تک بھی خیال آیا کہ جن جن اذیتوں سے انجم گزرا ہے اُس کے نتیجے کے طور پر اُس کی سیکس ارج تو کہیں ختم نہیں ہو گئی؟ یہ بات میرے ذہن میں آئی تو میرا تمام جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ اور میرا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے الگ ہو گیا۔ اور میری انگلیاں اُس کے لمبے گھنے بالوں سے جُدا ہو گئیں۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ برسوں کی اُٹھائی ہوئی نیند کے ڈھیر کے نیچے دبک گیا تھا۔ میں نے کروٹ لے لی۔ اور میری آنکھیں رات کے سناٹے میں خاموشی سے برستی رہیں۔

اور پھر سات دن کے بعد انجم دوبارہ واپس جیل میں چلا گیا۔ جانے سے پہلے وہ ایکدم پتھر ہو گیا تھا۔ شروع کے چار پانچ دنوں میں زندگی کے جو آثار اُس میں پیدا ہوئے تھے۔ آخر کے دو دنوں میں اُس نے جان بوجھ کر اُن سب کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ وہ جب جیل سے پتھر بن کر آیا تھا تو اُسے واپس بھی پتھر بن کر ہی جانا چاہیئے۔ جیلوں میں انسانوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہاں تو جیتے جاگتے انسانوں کو پتھروں میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ پتھروں کی اُن بے جان، بے حس اور جان لیوا دیواروں کے اندر اپنے جیتے جاگتے وجود کو کیوں لے جایا جائے؟ کیوں اُن لوگوں کو اس احساس کی مسرت دی جائے کہ اُنھوں نے ایک اور جیتے جاگتے آدمی کو پتھر بنا ڈالا تھا!

جانے سے پہلے اُس نے اماں کو جھک کر سلام کیا۔ نرگس کے گالوں کو تھپتھپایا اور میرے ماتھے پر پل بھر کو اپنے ہونٹ رکھے۔ اور پھر بنا پلٹ کر کسی کو بھی دیکھے گلی میں کھڑی پولس وین میں بیٹھ گیا۔ میرے آبا کو اُس نے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے پر سلام کیا۔ اور پھر گلی کو مڑ کر نہیں دیکھا۔ گلی میں ٹاٹ لگی ڈیوڑھیوں پر کھڑی کچھ عورتوں نے انجم کو دوبارہ جیل جاتے ہوئے دیکھا اور پھر اپنی اپنی ڈیوڑھیوں کے دروازے بند کر لئے۔

انجم شاید ابھی ترک مان گیٹ تک بھی نہ پہونچا ہوگا کہ اماں کو غش آ گیا۔

انجم کے ابّا پچھلے کئی برسوں سے ہندو مسلم اتحاد کمیٹی کے ممبر چلے آ رہے تھے۔ اور یہ کمیٹی ہر سال رام لیلا منانے کا انتظام کرتی تھی۔ سات دن رام لیلا کا پروگرام ہوتا تھا جسے ہندو اور مسلمان شوق سے دیکھتے تھے اور آدھی آدھی رات کو گھر لوٹتے تھے۔ پھر دسہرے کے روز راون اور کمبھ کرن اور میگھ ناتھ کے بُتوں کو آگ لگانے کا منظر دیکھتے تھے اور اُن کا یہ یقین اور بھی مضبوط ہو جاتا تھا کہ سچائی ایک دن ظلم اور ناانصافی پر فتح حاصل کرے گی اور جبر و تشدد

کی تاریکی ایک دن ضرور مٹے گی اور سچائی کا سورج دُنیا کے کونے کونے کو منوّر کرے گا ۔ انجم کے ابّا ہندو مسلم اتحاد کمیٹی کے ممبروں کے ساتھ جامع مسجد کے اردگرد کے مسلم آبادی کے علاقوں میں جاکر چندہ جمع کرتے تھے اور خود بھی جی کھول کر چندہ دیتے تھے ۔ لیکن اس سال ہندو مسلم اتحاد کمیٹی نے نہ تو رام لیلا کا پروگرام منانے میں دلچسپی لی اور نہ ہی اس کے لئے کسی قسم کا چندہ اکٹھا کیا ۔ ہمارے گھر اس کمیٹی کا کوئی بھی ممبر چندہ لینے نہیں آیا ۔ سبھی کو تو معلوم تھا کہ شیخ نورالٰہی کا انتقال ہو گیا تھا اور اس لئے اگر ہندو مسلم اتحاد کمیٹی کے ممبر رام لیلا کرنے کا فیصلہ کر بھی لیتے ۔ شاید جب بھی چندہ لینے کوئی ہمارے گھر نہ آتا ۔ لیکن ایمرجینسی کا اثر اتنا شدید تھا کہ کمیٹی یہ فیصلہ بھی نہ کر سکی ۔

کئی برسوں کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب شیخ نورالٰہی کے گھر سے رام لیلا کمیٹی کے لئے چندہ نہیں بھیجا گیا تھا ۔

اور یہ بھی پہلا ہی موقع تھا جب ہندو مسلم اتحاد کمیٹی نے رام لیلا کا پروگرام نہیں منایا تھا ۔

" کیا وہ لوگ سچائی کی فتح پر اپنا یقین کھو چکے تھے ؟ "

کیا وہ یہ سوچنے لگے تھے کہ اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں کوئی چراغ جلانا بے سود تھا ۔ انجم کی امّاں نے کئی بار رام لیلا اور دسہرے کا ذکر کیا لیکن میں اور نرگس اُنہیں کیا جواب دیتیں ۔ ہم کیا اُن کے کسی بھی سوال کا جواب دے پائی تھیں اب تک ؟

دسہرے والے روز صرف یہ ہوا کہ خوب کھل کر مینہ برسا ۔ اور کئی بار زور کی بجلی کڑکی ۔ مجھے لگا جیسے ظلم اور تشدد کی تاریکی گھُل رہی تھی ۔ اور گندی نالیوں میں بہہ رہی تھی ۔ تاریکی جب گھُلتی ہے تو گنگا جمنا کے پانیوں میں تھوڑی شامل ہوتی ہے ۔ گندے بدبودار نالوں میں پڑی سڑتی رہتی ہے اور تعفّن کو جنم دیتی ہے اور دلدل اُگاتی ہے جس میں گندے بدبودار کیڑے پلتے رہتے ہیں ۔

اس سے اگلے روز اچانک شانتا لوانہ آگئی ۔ بغیر کسی اطلاع کے ۔

ہم لوگ ناشتہ کرنے کو تھے کہ ڈیوڑھی پر دستک ہوئی ۔ نرگس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہلکا سا بریف کیس ہاتھ میں لئے شانتا لوانہ کھڑی تھی ۔

وہ نرگس سے یوں لپٹ گئی جیسے برسوں کے بعد ملی ہو ۔ پھر اُس نے امّاں کو آداب کیا اور سب سے آخر میں مجھ سے ملی ۔

"آپ کو معلوم ہے سب سے آخر میں کس سے ملا جاتا ہے؟" اُس نے مجھ سے سوال کیا۔

"جس سے سب سے کم پیار ہو۔"

"ارے نہیں بھابی۔ اُس سے جو تمہارا محبوب ہو۔"

"کیوں؟"

"تاکہ دیر تک گلے ملے رہیں۔"

"بڑی ہوشیار ہو"۔ میں نے کہا۔

"یہ پنجاب کا عشق ہے۔ اُس کی مٹی کی طرح مضبوط۔"

میں شانتا یوانہ کا جواب سُن کر ہنس دی۔ اور وہ واقعی دیر تک مجھے اپنی باہنوں میں لئے کھڑی رہی۔ اور مسکراتی رہی۔ اُس کی مسکراہٹ میں پکی ہوئی فصلوں کا نکھار اور کھلی ہواؤں کی تازگی اور نکھری ہوئی دھوپ کی چمک تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد ہم تینوں اوپر آگئیں اور وہ آتے ہی میرے بستر پر دراز ہوگئی۔ نرگس اُس کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اور میں سامنے کرسی پر۔

"جب مجھے تمہارے ابا کی وفات کی خبر ملی میرا کلیجہ پھٹ گیا۔"

"تمہیں کس نے دی تھی یہ خبر؟"

"سکھ پال سنگھ نے۔"

"اور سکھ پال سنگھ کو؟"

"جگی سیال نے۔"

"تو اس کا مطلب ہے انجم نے سبھی دوستوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُس کے ابّا اب اس دنیا میں نہیں"۔ میں نے کہا۔

"ہاں۔ شبنم کا بھی خط ملا تھا۔ اُس نے بھی یہ خبر دی تھی۔"

"ابّا جان کی موت سے ہمارا تو گھر ہی اُجڑ گیا ہے۔" نرگس نے کہا۔

"اور بھی بہت کچھ اُجڑا ہے شانتا"۔ میں نے کہا۔

"میں جانتی ہوں۔ ابھی تین برس پہلے میرے ڈیڈی بھی ہمیں چھوڑ گئے تھے۔ گھر کے مالک

کے اُٹھ جانے سے کیا ہو جاتا ہے۔ مجھے اس کا تجربہ ہے"۔ وہ بولی۔

کچھ لمحے ہم تینوں خاموش رہیں۔

پھر شانتا نے پوچھا۔

"شبنم کب ملی تھی"۔

"اُسے تو اِدھر آئے بہت عرصہ ہو گیا ہے۔ الین کے گرفتار ہو جانے کے بعد سے تو وہ ایک دم ڈی پریسڈ ہو گئی تھی"۔ نرگس نے کہا۔

"میں اُسے اب اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور اُسے پنجابی لوک گیت سنواؤں گی اور بھنگڑہ سکھاؤں گی۔ اور اُسے ترنجن میں بٹھا کر مٹیاروں کے ساتھ چرخے پر گیت گواؤں گی۔ اور پھر اُسے کہوں گی کہ وہ ایسی شاعری کرے جو لوک گیتوں کی طرح سننے والوں کے دِلوں میں اُتر جائے۔ وہ جب تک اپنی شاعری میں فلاسفی چھانٹتی رہے گی اور بوجھل اور پیچیدہ باتیں کرے گی۔ وہ عوام کی شاعر نہیں بن سکے گی۔ عوام کا شاعر وارث شاہ ہے جس کی "ہیر" کے پٹے لوگ آج بھی گلیوں میں گاتے پھرتے ہیں"۔

"شبنم چلی جائے گی تمہارے ساتھ؟ وہ تو دہلی کو چھوڑ کر کہیں بھی جانا نہیں چاہتی"۔

"میں لے جاؤں گی ساحرہ بھابی اُسے"۔

"ضرور لے جانا۔ ورنہ وہ اپنے آپ کو مار ڈالے گی"۔

گفتگو کرتے کرتے ہی شانتا کو نیند آ گئی۔ میں اور نرگس بھی دوسرے پلنگ پر لیٹ گئیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شانتا نے بتایا کہ اُسے شام کو گوردوارہ سیس گنج جانا تھا۔ وہاں سکھ ہال سنگھ آئے گا۔

"تین دن ہوئے سکھ ہال سنگھ ہمارے فارم پر آیا تھا۔ تمہارے ابا کے انتقال کی خبر دینے۔ سری واستو نے اُسے منگوا کر بلایا ہے"۔ شانتا نے کہا۔

"کیوں؟"

"یہ اُس نے نہیں بتایا"۔

"سکھ ہال کو دیکھے بھی تو بہت دن ہو گئے ہیں"۔ نرگس نے کہا۔

"تو چلو شام کو میرے ساتھ گوردوارہ سیس گنج بھی دیکھ لینا اور سکھ پال سنگھ سے بھی مل لینا۔"

"اماں سے پوچھوں گی۔"

"آپ بھی چلیں ساحرہ بھابی۔"

"اگر اماں نے اجازت دے دی تو میں بھی چلوں گی۔" میں نے جواب دیا۔

نرگس نے جب اماں سے گوردوارہ سیس گنج جانے کی اجازت مانگی تو اُس نے کہا۔

"تمہارے ابا کو بھی تو گوردوارہ اور مندروں اور گرجا گھروں میں جانے کا شوق تھا۔ کہا کرتے تھے خدا ایک ہے۔ لیکن اُس کا نور کئی زاویوں سے نظر آتا ہے۔ وہی جلوہ جو طُور پر موسےٰ نے دیکھا تھا۔ مندروں، گوردواروں اور گرجا گھروں میں بھی نظر آتا ہے۔ بے شک جاؤ گوردوارہ سیس گنج دیکھنے۔"

اماں کی بات سُن کر شانتا بے حد خوش ہوئی۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ پانچوں وقت نماز پڑھنے والی ایک مسلمان ماں اپنے بچوں کو گوردوارے میں اس طرح خوشی سے بھیجے گی۔ میں نے ایسی پہلی ماں دیکھی ہے۔"

"میں نے یہ سب نرگس کے ابا سے سیکھا ہے بیٹی۔ اس گھر میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی لوگ آتے رہے ہیں۔ یہ سبھی لوگ نرگس کے ابا کے دوست تھے۔"

میرا خیال تھا شاید اماں ہمیں گوردوارہ میں جانے کی اجازت خوشی سے نہ دیں گی۔ لیکن جو نظریہ اُنھوں نے پیش کر کے مجھے اور نرگس کو شانتا یوانہ کے ساتھ گوردوارہ سیس گنج جانے کو کہا وہ مجھے بہت اچھا لگا۔ مجھے یہ سُن کر اور بھی خوشی ہوئی کہ اماں کو اس گوردوارے کا تاریخی پس منظر بھی معلوم تھا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اسی جگہ پر اورنگ زیب کے عہد میں گورو تیغ بہادر کا سر اُڑایا گیا تھا۔ ایک بزرگ مسلمان خاتون کو دوسرے مذہب کے بارے میں اتنی زیادہ واقفیت ہو سکتی تھی۔ یہ کتنی بڑی بات تھی کہ کم سے کم مجھے کسی بھی دوسرے مذہب کے بارے میں واقفیت نہیں۔ مجھے تو اپنے مذہب کے بارے میں بھی پوری واقفیت نہیں۔ یہ سوچ کر مجھے اپنے آپ میں بڑی ندامت محسوس ہوئی۔

Scanned by CamScanner

جب شام کو میں اور نرگس شانتا یوانہ کے ساتھ گوردوارہ سیس گنج پہونچیں تو سیڑھیوں کے نیچے ایک طرف سُکھ پال سنگھ کھڑا تھا۔ اُس نے ہلکے گلابی رنگ کا کُرتہ پاجامہ پہن رکھا تھا سر پر نیلے رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ اور اُس کے کندھے سے کرپان لٹک رہی تھی۔ اُس نے اپنی داڑھی کو ڈھیلا چھوڑ رکھا تھا۔ اور اس شکل میں وہ بالکل اجنبی لگ رہا تھا جس سُکھ پال سنگھ کو میں جانتی تھی وہ اس شخص سے بالکل مختلف تھا۔

"ست سری اکال" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

شانتا نے اور میں نے اور نرگس نے بھی جواب میں ہاتھ جوڑ دیئے۔

سامنے سنگ مرمر کی شفاف دُھلی ہوئی سیڑھیاں تھیں۔ اور نیچے کئی لوگ گوردوارے کے اندر درشن کو گئے ہوئے لوگوں کی جوتیاں صاف کر کے ترتیب سے ایک طرف رکھتے جا رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ میں اس سے پہلے کبھی کسی گوردوارے میں نہیں گئی تھی۔

"سنگت کی جوتیاں صاف کرنا بڑے پُن کا کام سمجھا جاتا ہے" سُکھ پال سنگھ نے کہا۔

پھر ہم تینوں نے اپنی جوتیاں ایک طرف اُتاریں۔ پانی سے ہاتھ دھوئے اور سنگ مرمر کی چمکتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے۔ سفید داڑھی کے ایک نور بھرے چہرے والا بزرگ گورو گرنتھ صاحب کا پاٹھ کر رہا تھا۔ لوگ سر جھکا کر ماتھا ٹیکتے تھے۔ اور پھر اسی طرح جھکے جھکے باہر چلے جاتے تھے سیڑھیوں کی طرف۔ ہم سب درشن کر کے جب باہر نکلے تو مجھے واقعی بے حد سکون ہوا۔ میں نے من ہی من میں کہا کہ جب انجم جیل سے رہا ہو کر آئے گا تو میں اُسے ساتھ لے کر یہاں درشن کرنے آؤں گی۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے شانتا نے کہا۔

"جب انجم رہا ہو جائے تو اُسے لے کر ہم یہاں آئیں گے۔"

"ضرور"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شانتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

سکھ پال سنگھ آپا کی موت پر افسوس کرنے کے لئے گھر جانا چاہتا تھا۔ لیکن ہم نے اُسے منع کر دیا وہ اُسی شام بنگلور کے لئے روانہ ہو گیا۔

جانے سے پہلے اُس نے کہا۔

"اب تو ایمرجنسی سیمنٹ کرنسی بندی ہو گئی ہے۔ افسر اپنے اپنے ٹارگیٹس پورے کرنے کے

لئے پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔ میں خود جان بچا کر بھاگا ہوں۔ نہیں تو قیمہ الگ ہوتا اور نس بندی کا شکار الگ۔"

اُس نے زور کا قہقہہ لگایا۔

"سُنا ہے پرنس بھی نس بندی کروا رہا ہے؟" شانتا نے کہا۔

"اُس کی نس بندی ہو گئی تو تخت کے دعوے دار کہاں سے پیدا ہوں گے؟" شکھ پال سنگھ نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ اور پھر وہ ہمیں چھوڑ کر چاندنی چوک کی بھیڑ میں اس طرح کھو گیا جس طرح کوئی بچہ میلے کی بھیڑ میں کھو جاتا ہے اور پھر کھو جانے پر کبھی نہیں ملتا۔

ایک عرصے کے بعد آج میں اور نرگس چاندنی چوک کے علاقے میں آئی تھیں۔ من پر تالا ٹوٹ گیا۔ میں نے نرگس کے کان میں کہا۔

"چلو کہیں گول گپے کھائیں!"

"میرے دل کی بات کہی ہے تم نے سکھو میری جان! اُس نے جواب دیا۔

جب نرگس نے اس تجویز کا ذکر شانتا سے کیا تو وہ بول اُٹھی۔

"یہ ہوئی نا بات!"

اور پھر ہم فتح پوری سے پُرانی دلی کے اسٹیشن کی طرف جاتی ہوئی سڑک کی نکڑ پر گول گپوں کی دُکان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور جی بھر کر کھٹائی اور مرچوں سے بھرے گول گپے کھائے۔ تیز مرچوں کی وجہ سے سی سی کرتی جا رہی تھیں۔ اور گول گپے کھاتے جا رہی تھیں۔ اور چہروں پر پسینہ بہہ رہا تھا۔ دُکاندار چھوکرا ہمیں گول گپے بھی دیتا جا رہا تھا اور ہمارے سُرخ ہوتے چہروں کو بھی دیکھے جا رہا تھا۔

"ہی از فیلنگ ایکسائیٹڈ"۔ شانتا نے مجھے کہا۔

"یس" میں نے جواب دیا اور جب زور سے ہنسی تو میرا آدھا گول گپا نیچے گر پڑا۔

دُکاندار چھوکرا اتنا ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا کہ اُس نے پیسے بھی غلط جوڑے تھے۔ اور رقم لیتے وقت بھی زیادہ رقم واپس کی تھی۔ دراصل وہ دُکاندار کا نوجوان لڑکا تھا جو ابھی دوکان پر بیٹھنے کی ٹریننگ لے رہا تھا۔ اُس کا باپ اس وقت کہیں انکم ٹیکس کے دفتر میں چکر کاٹ رہا تھا۔

Scanned by CamScanner

اُس رات ہم تینوں بہت خوش تھیں۔

میں اپنے پلنگ پر سوئی تھی اور نرگس اور شانتا دوسرے پلنگ پر سوگئی تھیں۔ نیند بہت دیر میں آئی۔ ہم نے جہاں بھر کی باتیں کیں۔ شانتا یوانہ کے ڈیڈی کے فارم سے لے کر انجم کی نئی غزلوں تک۔ باتوں کا یہ اتنا وسیع کینوس تھا کہ اس میں سبھی موضوع شامل ہو گئے تھے۔ گورودیو کی بیماری میڈم کی بے قابو کی تقریریں۔ پرنس کے تازہ ترین کارنامے اور دہلی میں مسلط ایک ہیروئین جسے لوگ نرزانہ آپا کے نام سے پکارتے تھے۔ گفتگو کا یہ کینوس تو چاند کی سطح جتنا بڑا تھا جہاں باتوں کی بگھی دھنس دھنس جاتی تھی۔

"اُدھر تمہارے ہاں ایمرجنسی کا کیا اثر ہوا ہے؟"

"ویسا ہی ڈر سے کوئی کسی سے دل کی بات نہیں کہتا۔ سب اندر ہی اندر سُلگ رہے ہیں"۔ شانتا بولی۔

"اتنا زیادہ خوف ہے لوگوں میں!" میں نے پوچھا۔

"ہاں بھابی۔ لیکن یہ ری پریشن زیادہ دیر نہ چل سکے گا۔"

"کیوں؟"

"دباؤ زیادہ ہے حدیں کمزور ہیں۔ کنارے ٹوٹتے ہی طوفان مزدوروں کی جھونپڑیوں اور شہزادوں کے محلوں کو ایک ساتھ بہا لے جائے گا"۔ وہ بولی۔

"تمہارا یہی اندازہ ہے؟"

"صرف میرا نہیں۔ سبھی طبقوں کے سبھی لوگوں کا یہی خیال ہے۔"

مجھے لگا گفتگو بوجھل ہونے لگی تھی۔ چاند کی سطح پر رینگتی ہوئی بگھی زیادہ گہری دھنسنے لگی تھی۔

"اچھا سونے سے پہلے کوئی پنجابی ٹپہ سناؤ"۔ میں نے کہا۔

شانتا نے بڑی ہی دھیمی آواز میں لوری لے کے ساتھ ایک ٹپہ سنایا۔

چُبتی لیا کے پنجیاں رکھیاں

دھرتی تے پھل کھڑ گئے

اُس نے جوتی اُتار کر اپنی پازیب زمین پر رکھیں تو ایسا لگا کہ
دھرتی پر تازہ پھول کھل گئے تھے۔

اُس نے ایک آدھ پیڑ اور بھی سُنایا لیکن میں شانتا کی آواز کے جادو میں اس طرح کھو گئی کہ
مجھے نیند آگئی۔

اگلی صبح شانتا بہت جلدی گھر سے چلی گئی اور جب لوٹ کر آئی تو شبنم اُس کے ساتھ تھی اور وہ
اُسی شام کو اُس کے ساتھ بھٹنڈہ جانے پر راضی ہو گئی تھی۔

شبنم کو بہت دنوں کے بعد دیکھا تھا۔ بہت دُبلی ہو گئی تھی۔ وہ مسکرائی تو لگا جیسے وہ مسکرانا
ہی بھول گئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ ایلین اب دلی ہی کی جیل میں تھا۔ اور وہ اگلے پچھلے ہفتے اُس کی ممی
کے ساتھ اُسے ملنے گئی تھی۔ وہ خاصا پریشان لگ رہا تھا۔ اور اپنا زیادہ وقت بائبل پڑھنے ہی میں
گذارتا تھا۔

"اُس کے اُن کاغذات کا کیا ہُوا۔ جو وہ تمہیں دینا چاہتا تھا؟" نرگس نے پوچھا۔

"وہ پولیس والوں نے اپنے قبضے میں لے لئے تھے۔"

"کیا تھا اُن میں؟"

"اُس کے آرٹیکلز تھے جو اُس نے ایمرجنسی کے خلاف لکھے تھے۔ اُس کے بعد اُس کے گھر کی
بھی تلاشی لی گئی۔"

"کچھ اور نکلا؟" میں نے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ تلاشی کے بعد ایلین کے ڈیڈی کو نوکری سے معطل کر دیا گیا تھا!"

"آج کل کہاں ہیں ایلین کے ڈیڈی ممی؟"

"ہیں تو یہیں، لیکن اُن کی حالت بہت خستہ ہے۔"

"تمہارا کیا ارادہ ہے اب؟" نرگس نے پوچھا۔

"اب یہ میرے ساتھ جا رہی ہے۔ اور جب تک ایلین رہا نہیں ہوتا یہ میرے پاس رہے گی۔" شانتا
نے جواب دیا۔

"یہ بہت اچھا کیا تم نے شانتا"۔ میں نے کہا۔

Scanned by CamScanner

"اس کے بعد یہ ایلن سے شادی کرے گی۔"

"کیوں شبنم؟"

"ہاں ساحرہ بھابی۔ پھر ایلن اور میں دونوں مل کر ایک چھوٹا سا اسکول کھولیں گے۔"

"ہمارا بچہ بھی ایڈمٹ کر لینا اپنے اسکول میں۔" میں نے کہا۔

"تم مذاق کر رہی ہو؟" شبنم افسردہ ہو گئی۔

"ارے میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں تمہارے اسکول میں پڑھاؤں گی بھی۔"

"آج کے اسکولوں میں جہاں بچوں کو سلامی دینے کے لئے گیٹ پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ اگلی نسل کے کام نہیں آئیں گے ہمیں اسکول بھی بدلنے ہوں گے اور پڑھانے والے بھی۔" میری بات سن کر شبنم خوش ہو گئی۔

"آپ کا بھی یہی خیال ہے؟"

"خیال ہی نہیں۔ کنوکشن ہے۔"

شبنم شاناتا یوانہ کے ساتھ جانے کے لئے گھر سے تیار ہو کر آئی تھی۔ اس لئے اب اُسے کوئی کام نہ تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ اُسے زیادہ باتیں کرنا بھی پسند نہ تھا۔ جانے شاناتا یوانہ نے اُسے کیسے دہلی چھوڑنے پر راضی کر لیا تھا۔ شبنم کا یہاں سے چلا جانا ہی اچھا تھا۔ ماحول کے بدل جانے سے اُس پر یقیناً اچھا اثر ہوگا۔ شام کے قریب انور آ گیا۔ انور بھی شبنم سے بہت دنوں کے بعد ملا تھا۔ اُسے دیکھ کر شبنم خوش ہو گئی۔

"انور بھیا تم نے تو اپنی بہن کو بھلا ہی دیا۔"

"میں نے تو کئی بار آپ سے ملنے کی کوشش کی لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔"

"میں شاناتا کے ساتھ پنجاب جا رہی ہوں۔ میری غیر حاضری میں تم میرے گھر بھی جاتے رہنا۔ امی ایلن کے ڈیڈی ممی کا بھی حال چال پوچھتے رہنا۔"

"ضرور۔ آپ کب واپس آئیں گی؟"

"نتھنگ از سرٹنگ۔ شاناتا پر ڈی پینڈ کرتا ہے۔ اب یہی میری گارڈین ہے۔" اُس نے مسکرا کر شاناتا یوانہ کی طرف اشارہ کیا۔

Scanned by CamScanner

"تم بھی تو ہمارے کسٹوڈین ہو۔ ہم خط تو تمہارے ہی ایڈریس پر لکھیں گی۔" شستا بولی۔
کچھ دیر اماں سے بھی گپ شپ ہوئی۔ شبنم اور شاشا کی وجہ سے رات کا کھانا ہم نے شام ہی کو کھالیا۔ پھر انور اُن دونوں کو اسٹیشن تک چھوڑنے اُن کے ساتھ چلا گیا۔

شاشا یُوانہ کے آنے سے دو دن اچھا خاصا ہنگامہ رہا۔ اُس کے جانے کے بعد زندگی پھر اپنے ڈھرے پہ آگئی۔

انجم کو حصار سے آگرہ جیل بھیج دیا گیا تھا۔

اماں زیادہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ باقاعدہ علاج کے باوجود اُن کی صحت گرتی جارہی تھی۔

اماں انجم سے ملاقات پر جانے کے لئے بضد تھیں۔ میں اُنھیں اس لئے روکنا نہ چاہتی تھی کہ اُنھیں بُرا لگے گا۔ میں نے اپنے ابا سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ اُنھیں بھلا کیوں انکار ہوتا۔ وہ خود بھی تو انجم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ ملاقات کا دن اور وقت مقرر ہوگیا تھا۔

لیکن ٹھیک اُس وقت جب ہم تیار ہو کر گھر سے نکلنے لگیں۔ اماں کو دل کا دورہ پڑا۔ میرے ابا اُنہیں ریلوے اسٹیشن لے جانے کی بجائے اِروِن اسپتال لے گئے۔ میں اور نرگس بھی ساتھ تھیں۔ ہم اسپتال میں بے حال ہورہی تھیں اور ملاقات کے وقت انجم جیل میں پریشان ہورہا تھا۔ سات دن کے بعد آگرہ جیل سے اُس کا ایک مختصر سا خط ملا جس میں اُس نے ملاقات کے دن ہمارے نہ آنے پر بے حد تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اماں گھر تو آگئی تھیں لیکن اب اُن کا چلنا پھرنا روک دیا گیا تھا۔ ایک بار جب وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے لئے اُٹھیں تو فرش پر ہی گر گئیں۔ اب نرگس نے اماں کے پاس نچلی منزل ہی میں سونا شروع کر دیا تھا۔ میں اوپر کے کمرے میں اکیلی پڑی دُکھی ہوتی رہتی۔ کچھ روز کے بعد میں نے بھی نیچے سونا شروع کر دیا۔ رات بھر صفدرات کا بلب جلتا رہتا اور مجھے نیند نہ آتی۔ لگتا جیسے میں رات میں نہیں دن میں سو رہی تھی۔ اور دن میں سونا مجھے زیادہ پسند نہیں تھا۔ اس لئے ذہن اور جسم دونوں بوجھل رہنے لگے۔

اماں کی بیماری طبی ہوگئی۔

میرے ابا دن میں ایک بار ضرور ادھر آتے اور اماں کے پاس کچھ دیر بیٹھتے۔ لیکن انور تو دن میں دو بار آتا۔ ایک بار صبح اور دوسری بار شام کو۔ اسپتال جاتا۔ ڈاکٹر کو رپورٹ دیتا۔ بازار سے

Scanned by CamScanner

دوا لانا۔ سب کام اسی کے ذمے تھے۔ ایک تو سردی کا موسم دوسرا شوہر کا غم اور اس کے ساتھ اپنے اکلوتے بیٹے کی مستقل جدائی۔ اماں تو کھاٹ سے ایسی لگیں کہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔ مارچ کے مہینے کے ساتھ رُت کچھ بدلی تو اماں کی صحت میں بھی فرق پڑا۔ ایک دن جب انور ڈاکٹر کو رپورٹ دکھا کر آیا تو اماں نے پوچھا۔

"انور بیٹا، ارشد سے کب ملاقات ہوگی اب؟"

"اپریل میں ہوگی اماں جان۔"

"اگلے مہینے؟"

"جی ہاں"

"اِس بار مجھے ضرور ساتھ لے جانا۔"

"سبھی چلیں گے اماں جان۔" میں نے کہا۔

ہم سب اپریل کا انتظار کر رہے تھے اور میرے ابا ملاقات کی تاریخ اور وقت مقرر کرا رہے تھے۔

اُن دنوں فرزانہ آپا کے بڑے چرچے تھے۔ اُس نے ہر گلی کوچے میں نس بندی کے کیمپ کھلوا رکھے تھے۔ اور لوگوں کو دھڑا دھڑ گھیر گھار کر کیمپوں میں گھسیڑا جا رہا تھا۔ پولیس کے سپاہی جسے چاہتے پکڑ کر لے جاتے۔ عمر کا کوئی لحاظ نہیں تھا۔ سولہ برس سے اسی برس تک جو بھی ہاتھ آ جائے ٹھیک تھا۔ اندھا، لولا، لنگڑا، اپاہج کوئی بھی ہو۔ کوئی امتیاز نہیں تھا۔ نس بندی کی اس مہم کی داستانیں تو ہمیں انور آ کر سُناتا تھا۔ ایسی ایسی کہانیاں جنھیں سُن کر افسوس بھی ہوتا اور ہنسی بھی آتی۔ ناراضگی اور غم و غصّہ کی آگ ہر کوچے میں سُلگ رہی تھی۔ ادھر دلی کو خوب صورت بنانے کی مہم بھی جاری تھی۔ لگتا تھا شاہجہاں کی پرانی دلی کا وجود ہی ختم کر دینے کے ارادے تھے اُن لوگوں کے۔

ایک دن انور نے اطلاع دی کہ ترکمان گیٹ کے باہر جتنے بھی پرانے مکان تھے اُنہیں گرانے کی اسکیم بنا رہی تھی۔ اور دو ایک دن میں بُلڈوزران مکانوں کو گرانا شروع کر دیں گے۔

"لیکن کیوں؟" اماں نے پوچھا تھا۔

"کیوں کہ پرنس ایسا چاہتا ہے۔"

"پرنس کون ہوتا ہے؟"

"وہ سلطنت کا دعوے دار۔ اور چاہتا ہے کہ اُس کی گدی نشینی سے پہلے دلی میں کہیں کوئی بدصورت

Scanned by CamScanner

جگہ نہ رہے۔"

"یہ لوگ اُجڑ کر کہاں جائیں گے؟"

"آسمان کی کھلی چھت کے نیچے"۔ انور کے اس جواب پر اماں کو بے حد غصہ آیا۔

"شاید دلی کی قسمت میں آباد ہونا لکھا ہی نہیں۔ کتنی بار تو اُجڑی ہے نصیب جلی۔ کب تک اُجڑتی رہے گی؟"

"جب تک اہلِ اقتدار ایسا چاہیں گے"۔ نرگس نے کہا۔

"ان کا دماغ خراب ہے کیا؟"

"اقتدار کے ملتے ہی دماغ خراب ہو جاتا ہے امّی جان۔ وہ ہلاکو چنگیز خاں ہو، نادر شاہ ہو کہ موٹروں کے پُرزے جوڑنے والا ایک مزدور چھوکرا ہو۔"

"سب کا حشر بُرا ہوگا۔"

یہ کہہ کر اماں نے ایک لمبی سانس لی اور کروٹ لے کر منہ دیوار کی طرف کر لیا۔

دو ہی دن بعد انور جب اسپتال سے واپس آیا تو اُس نے ڈیوڑھی کے اندر گھستے ہی چلانا شروع کیا۔

"بل ڈوزر نے مکان گرانے شروع کر دیے ہیں۔"

"ہائے اللہ!" اماں اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

میں باورچی خانے میں چائے بنا رہی تھی۔ لپک کر باہر آئی۔

"بل ڈوزر پر لکھا ہے۔ میں اندھا ہوں، بہرہ ہوں" انور کہہ رہا تھا۔

"تمام حکومت ہی اُن کے ہاتھ میں ہے انور جو اندھے اور بہرے ہیں۔ جو نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ اُنہیں معلوم نہیں کہ جو مظالم وہ ڈھا رہے ہیں اُن کا حشر کیا ہوگا۔"

نرگس چھت پر تھی۔ میں بھی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔ ہماری چھت نیچی تھی۔ اس لئے ترکمان گیٹ کے باہر کی آبادی نظر نہ آ رہی تھی۔ لیکن عورتوں اور بچوں کی ملی جلی چیخوں کی آواز ضرور سنائی دے رہی تھی۔ پھر انور بھی اوپر آ گیا۔

"لوگوں کو جانوروں کی طرح ٹرکوں میں بھر کر لے جا رہے ہیں۔ شہر سے میلوں دور ایک جٹیل

میدان میں"۔ انور کی آواز غصّے سے کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوگا نرگس اب ؟" وہ ایک گھبرائے ہوئے معصوم بچے کی طرح پوچھ رہا تھا۔

"تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا"

لیکن وہ اقبال کے اس شعر سے مطمئن نہیں تھا۔

"کب ہوگا ایسا سا حرہ آپا۔ تم بتاؤ؟" اُس کے چہرے پر کتنا کرب تھا۔

"جب لوگ سر پہ کفن باندھ کر میدان میں اُتر آئیں گے۔" میں نے کہا اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

بل ڈوزر کے گھڑگھڑ کا شور اور ملی جلی انسانی آوازوں کی گونجیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

ہم سب نیچے چلے آئے۔

امّاں بے حد پریشان تھیں۔

اندھے اور بہرے بل ڈوزروں کا جو عمل شروع ہوا تھا۔ رُکا نہیں۔ بدحال لوگوں کے نمائندوں نے حکومت کے اندھے اور بہرے کارکنوں کو یہ تباہی روکنے کے لئے اپیلیں کیں۔ وہ وزیروں اور افسروں سے بھی ملے لیکن اُنہیں بے نیل احرام واپس بھیج دیا گیا۔ غریب اور محتاج عوام کے بھوکے پیٹ پر اندھے اور بہرے برسراقتدار لوگوں نے اپنے وزنی بوٹوں سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ چوٹ گہری تھی۔ درد کی شدت پورے عروج تک پہونچنے میں کچھ وقت لگنے کا امکان تھا۔ اُدھر نئے دور کی ملکہ فرزانہ آپا پورے جاہ و جلال سے لوگوں کی نس بندی کروا رہی تھی۔ اور کچھ لوگ اس بے رحمانہ کاروائی میں مر بھی گئے تھے۔ اِدھر غریب اور نادار لوگوں کے سروں سے چھتوں کی پناہیں بھی چھینتی جا رہی تھیں۔ شاہ جہاں کی دلی ظلم کی چکی کے دو مضبوط پاٹوں میں پس رہی تھی۔

اُس شام کی خبریں بڑی ہولناک تھیں۔ انور نے کوئی نو بجے آکر تفصیلات بتائی تھیں۔ علاقے کے کئی سرکردہ لیڈر ترکمان گیٹ کے عین سامنے والے ہوٹل میں پرنس سے ملنے گئے تھے کہ اُس وقت تک اُن مکانوں کو مسمار کرنے کا عمل روک دیا جائے جب تک کہ اُن میں رہنے والے لوگوں کے لئے تسلی بخش انتظام نہیں کر دیا جاتا۔ یہ شام کے آٹھ بجے کا واقعہ تھا۔ پرنس اور اُس کے حلقے

کے خاص لوگ شام کو اسی ہوٹل میں جمع ہوتے تھے۔ بہت دیر تک علاقے کے لیڈروں کو پرنس سے ملنے نہ دیا گیا۔ بہت اصرار اور کوشش کے بعد جب وہ ہوٹل کے آراستہ کمرے میں داخل ہوئے اور درخواست کی کہ غریب لوگوں کے مکانوں کو گرانے کا کام کچھ دیر کے لئے روک دیا جائے تو پرنس نے اُن کی درخواست پر کوئی دھیان نہ دیا۔ اُس کے ایک خوشامدی نے جو دہلی کو خوب صورت بنانے کی مہم کا محرک تھا گرج کر کہا۔

"ہم جو کچھ چاہیں گے کریں گے۔ ہم یہاں ایک دوسرا پاکستان نہیں بننے دیں گے۔"

وہ لیڈر اپنے دانتوں میں اُنگلیاں دیئے واپس آ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو انجم کے ابّا کی طرح زندگی بھر نیشنلسٹ رہے تھے اور انہوں نے تقسیم کے بعد بھی اپنا وطن نہیں چھوڑا تھا۔

انور کی بات سُن کر نرگس نے کہا۔

"آج اگر ابّا زندہ ہوتے تو اُس آدمی کا خون ہو جاتا جس نے دوسرے پاکستان کی بات مُنہ سے نکالی تھی۔"

اُس وقت میرے ابّا بھی آ گئے۔

اگلا دن انجم سے ملاقات کا دن تھا۔

۱۹ اپریل۔

وہ آگرہ چلنے کا پروگرام طے کرتے آئے تھے۔

اماں کی حالت کچھ سُدھر تو گئی تھی لیکن وہ چل پھر نہیں سکتی تھیں۔

"تم اور نرگس قریشی صاحب کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"آپ کو اکیلا چھوڑنا ٹھیک نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ سائرہ چلی جائے۔" نرگس نے کہا۔

"نہیں تم بھی جاؤ۔ انور میرے پاس رہے گا۔

"میں یہیں رہوں گا آپ کے پاس امّی جان۔" انور بولا۔

یہ طے ہوا کہ انور مجھے اور نرگس کو صبح اسٹیشن چھوڑ آئے گا۔ وہیں مل جائیں گے۔

لیکن اگلے دن بھی سورج جب طلوع ہوا تو وہ پہلے جیسا سورج نہیں تھا۔ وہ صبح پہلی جیسی سینکڑوں صبحوں کی طرح نہیں تھی۔ اُس صبح طلوع ہوئے سورج کی کرنوں نے فیضِ الٰہی کی درگاہ پر

مسجدہ گذارا لیکن اس کے بعد اُن شعاعوں میں صرف تمازت ہی رہ گئی تھی دلکشی نہیں۔

میں اور نرگس آگرہ جانے کو تیار بیٹھی تھیں۔ اماں نے چائے کی پیالی کے ساتھ ایک ٹوسٹ لے لیا تھا۔ اب صرف انور کا انتظار تھا۔ انور ذرا دیر سے آیا تھا۔ نرگس نے ڈانٹ دیا۔

"انور تم میں ذمہ داری کا احساس کم ہوتا جا رہا ہے"۔

وہ بے چارا سہم گیا۔

"کچھ دیر تک ترکمان گیٹ کے باہر رُک گیا تھا نرگس"۔

"تماشہ دیکھ رہے تھے!"

"نہیں"۔

"تو کیا تھا وہاں؟" وہ چیخی۔

"چلو تمہیں دکھا لاؤں"۔

"میں نہیں جاتی کہیں بھی۔ تم نخرے کرتے رہو گے اور ٹرین چھوٹ جائے گی"۔

"تو چلو" بڑی بے دلی سے اُٹھا۔

"انہیں اسٹیشن چھوڑ کر واپس آ جانا انور"۔

"اچھا امی جان"۔

ہم تینوں ڈیوڑھی سے باہر نکل کر گلی میں آئے اور ترکمان گیٹ کی طرف چل پڑے۔

"اسکوٹر ساتھ لے آتے تو وقت بچ جاتا" نرگس بے حد بے صبری ہو رہی تھی۔

"کوئی بھی اسکوٹر والا اِدھر آنے کو تیار نہ تھا"۔

"یُو آر اے فُول" نرگس کی ڈانٹ سُن کر بھی انور خاموش رہا۔ جانے نرگس کو صبح صبح کیا ہو گیا تھا۔

ہم خاموشی سے ترکمان گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں ہمارے گھر سے کوئی زیادہ فاصلہ بھی تو نہیں تھا۔ ایک چھوٹی سی گلی ہی تو تھی درمیان میں۔ گیٹ سے باہر نکل کر دیکھا تو سماں ہی بدلا ہوا تھا۔ گرے ہوئے مکانوں کے ملبے کے ڈھیر لگے تھے۔ اور دس بارہ بل ڈوزر ایک طرف خاموش دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ مرد، عورتیں اور بچے درگاہ فیض الٰہی کی طرف جا رہے تھے۔ ایک عجیب سا پُر اسرار سناٹا تھا۔

"یہ کیا ہے انور؟" میں نے پوچھا۔

"آپ سر پر کفن باندھنے کی بات کر رہی تھیں نا ایک دن۔ لوگ سر پر کفن باندھ کر آ گئے ہیں آج۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" نرگس چلتے چلتے رُک گئی۔

"لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج وہ دھرنا دیں گے۔ اور اپنے مکانوں کو مسمار نہیں ہونے دیں گے۔"

نرگس خاموش ہو گئی۔

"ڈیلائیٹ سینما اور ہمدرد دواخانے کے قریب بھی کچھ لوگ دھرنا دینے کے لئے اکٹھا ہو رہے ہیں۔"

میرے سامنے فیض الٰہی کی درگاہ تھی جہاں انجم کے ابّا مجھے اور انجم کو شادی کے دوسرے ہی دن سجدہ ادا کرنے کے لئے لائے تھے۔ ایک دن میں اور انجم وہاں آئے تھے۔ آج سینکڑوں بے حال، محتاج اور مجبور لوگ آسرا لینے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔

اِدھر اُدھر کوئی اسکوٹر نہیں تھا۔ جو ایک آدھ تھا اُس کے ڈرائیور نے کہیں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ میرے دل کی حالت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔ ٹرین کے چھوٹنے کا وقت ہو رہا تھا۔ میرے ابّا اسٹیشن پر ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اُدھر جیل میں انجم ہمیں دیکھنے کو بے قرار ہو رہا ہو گا۔

میں من ہی من میں جھلا رہی تھی۔

"منہ کیا دیکھ رہے ہو، لے آؤ نا کوئی اسکوٹر" نرگس غصّے سے بولی۔

انور بے چارہ رام لیلا گراؤنڈ کی طرف بڑھا۔ شاید اُدھر سڑک پر کوئی خالی اسکوٹر مل جائے اُس کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

"حالات اچھے نظر نہیں آتے۔ ہمیں اماں کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے۔"

"لیکن ارشد بے چارہ انتظار کرتا رہے گا۔"

"تو کیا کیا جائے؟" میں نے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

لوگوں کی بھیڑ ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہاں اس طرح سے کھڑے رہنا بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔

"چلو" گھر واپس چلیں۔ جانے اللہ کو کیا منظور ہے!" میں نے کہا۔

اُدھر سے انور ایک اسکوٹر میں بیٹھا آ رہا تھا۔ تھوڑی دوری پر لوگوں نے اسکوٹر کو آگے آنے

سے روک دیا۔ انور منہ لٹکائے ہماری طرف آرہا تھا اور ہم ترکمان گیٹ کے اندر کی گلی کی طرف واپس جارہی تھیں۔

"تم واپس آگئیں؟" اماں نے گھبراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"حالات ٹھیک نہیں ہیں لوگ ترکمان گیٹ کے باہر جمع ہو رہے ہیں۔ ہم آپ کو اکیلی چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔"

"مجھے کون سا فرشتہ اجل لئے جا رہا تھا"۔ اماں نے نرگس کو درشتی سے مخاطب کیا۔

"یہ بات نہیں ہے امی جان!" میں نے کہا۔

"وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تمہارا انتظار کرتا رہے گا اور تم ایک بوسیدہ ٹھونٹھ کو سہارا دیتی رہو گی!"

اماں کی بات سن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

پانچ ماہ ہو گئے ہیں ارشد کی شکل دیکھے ہوئے۔ جانے کیا بیت رہی ہو گی اس پر!"

وہ جو آنسو میری آنکھوں میں سلگ رہے تھے اب اماں کی بات سنتے ہی انگارے بن کر گالوں پر بہہ نکلے۔

اس لمحہ انور آگیا۔

"اچھا کیا تم واپس آگئیں۔ پولیس فائرنگ کے لئے بہانے ڈھونڈ رہی ہے"۔

"موت آئے ظالموں کو"۔ اماں نے بد دعا دی۔

میں اپنے گالوں پر سلگتے انگاروں کو آنچل میں سمیٹے اوپر اپنے کمرے میں چلی آئی اور بستر پر پڑی جانے کب تک روتی رہی۔ میرا انجم آج پھر تڑپ رہے گا اور اسے یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ یہاں مجبور اور بے کس لوگوں پر کیا بیت رہی ہو گی۔

نرگس نے کچھ دیر کے بعد میرے کمرے میں آکر مجھے بتایا کہ اس کے ہزار روکنے کے باوجود انور چلا گیا تھا ترکمان گیٹ کے باہر مجمع بھیڑ کا حصہ بننے کے لئے۔ اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس دلخراش المیہ کا چشم دید گواہ ہو گا جو میلے سے اٹے میدان اور کھلی سڑک پر ہونے والا تھا۔ وہ صرف گواہ ہی نہیں تھا بلکہ اس صف میں بھی شریک ہوا جس کے آگے کھڑے ایک نوجوان عبدالملک نے

اپنی ننگی چھاتی سامنے کرتے ہوئے مجسٹریٹ سے کہا تھا۔

"یا تو مکانوں کو مسمار کرنا بند کر دو یا مجھے گولی مار دو"

اور انور نے دیکھا تھا کہ گولی عبدالملک کی ننگی چھاتی سے پار ہو گئی تھی اور وہ سڑک پر اپنے ہی خون میں لت پت گر پڑا تھا۔ ایک مجاہد شہید ہو گیا تھا۔

دوپہر کا سورج آگ برسا رہا تھا۔

اور مسجد الٰہی کی درگاہ کے اندر اور سامنے بیٹھے لوگ بھوک اور پیاس سے بے چین ہونے لگے تھے۔

نرگس اور میں اپنی چھت پر کھڑی تھیں لوگ تو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن پولیس کی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور پھر ہم نے اشک آور گیس کے گولوں کو پھینکے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر لوگوں کی چیخ و پکار سنی اور پھر گولیوں کی آواز بھی اور گلی میں بھاگتے ہوئے لوگوں کے قدموں کا شور۔ میرا تمام بدن کانپنے لگا تھا اور میں نے نرگس کو اپنے ساتھ چمٹا لیا تھا۔ فلک شگاف اندھے اور بہرے بلڈوزر بڑی بے دردی سے مکانوں کو گراتے جا رہے تھے۔ اور جانے کتنے ہی بھاگتے لوگ ملبے کے بے پناہ ڈھیروں میں دب کر کچلے گئے تھے۔ مجھے لگا جیسے میرے کان بہرے ہو جائیں گے۔ اشک آور گیس کا دھواں ہماری چھت کی طرف بھی بڑھ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں سوئیاں سی چبھنے لگی تھیں۔

کسی نے بڑے زور سے ڈیوڑھی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں ڈر گئی۔

"انور ہو گا" نرگس نے کہا اور جلدی سے نیچے چلی گئی۔ اُس کے پیچھے پیچھے میں بھی نیچے آ گئی۔

انور یوں اندر کی طرف بھاگا جیسے کوئی اُس کا تعاقب کر رہا ہو اُس کا رنگ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔ اور اُس کا تمام جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وہ برآمدے میں گر گیا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ ہم سب گھبرا گئیں۔

میں نے اُس کا سر اپنے گود میں لے لیا۔ نرگس نے اُس کے مُنہ میں پانی ڈالا۔ برآمدے میں لگے پنکھے کی ہوا سے دھیرے دھیرے اُس کا پسینہ سوکھنے لگا۔ پھر اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں ایک بار دھیان سے میری طرف دیکھا۔ اور پھر زار و قطار رونے لگا۔ میں نے اپنے ڈوپٹے سے اُس کے آنسو خشک کئے اور اُس کا ماتھا سہلانے لگی۔ نرگس اُس کے ہاتھ پاؤں مسلنے لگی۔ کوئی گھنٹہ بھر

کے بعد انور کے حواس درست ہوئے۔

"کیا بات ہے انور؟" میں نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ساحرہ آپا جو کچھ میں نے دیکھا ہے اُس نے میرے ہوش گم کر دیئے ہیں"۔

انور نے پلنگ پر بیٹھے بیٹھے ترک مان گیٹ کے المیہ کی جو تفصیلات سُنائیں اُنھیں سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پولیس جو عوام کی محافظ ہے کس وقت کس طرح جنگلی جانوروں کی طرح اُن کی ہڈیاں چبا جاتی ہے۔ اُس کی بات سُن کر دل دہل گیا۔ اپنی داستان سُناتے ہوئے انور نے جب آخری الفاظ کہے تھے تو اُس نے پھر رونا شروع کر دیا تھا۔

"ظالم تمہارے دروازے تک معصوم اور بے قصور لوگوں کا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ محمد حنیف جسکی دُکان سے انجم بھیا گوشت لایا کرتے تھے اُس بھیڑ میں شامل نہیں تھا۔ وہ اپنی دُکان کے تھڑے پر بیٹھا تھا۔ اور اُس کے دو بیٹے گلی میں کھیل رہے تھے۔ جب اشک آور گیس کے گولے برسنے لگے تو وہ اپنے بیٹے انور کو لانے جانے کے لئے گلی میں کودا اور اُس لمحہ گیس کا گولا اُس کے مُنہ پر گرا۔ اور پیشتر اُس کے کہ حنیف اپنے لڑکے کو اپنے بازوؤں میں لے سکتا وہ خون میں نہا چکا تھا۔ میں نے دیکھا وہ پاگلوں کی طرح اپنے بیٹے انور کی خون سے لتھڑی لاش کو سینے سے لگائے اپنے گھر کی طرف بھاگ رہا تھا اور انور کا خون گلی میں ٹپک کر جم رہا تھا۔ اُس کا دوسرا بیٹا شبیر کہاں تھا؟ اُسے تلاش کرنے کا اُسے ہوش نہیں تھا ساحرہ آپا"

ایک بھی معصوم کا خون رائیگاں نہیں جائے گا انور۔ گلی میں جمے ہوئے خون کے قطرے خود ہی قاتلوں کا سُراغ دیں گے"۔ میں نے کہا۔

کرفیو کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے جنھیں پولیس کے سپاہی توڑ توڑ کر گھروں کے اندر داخل ہوتے تھے اور پھر جانے کتنی رام دیویاں اور اللہ رکھیاں اور لچھمیاں پولیس کے سپاہیوں کے ہاتھوں بے عزت ہوئیں۔ صرف ایک احمد النسا اپنی عصمت بچانے کے لئے دیوار سے نہیں کودی تھی بلکہ جانے کتنی ہی ایسی پاک باز دوشیزاؤں نے اپنی عصمت کو بچانے کے لئے اپنی جانیں گنوائیں تھیں۔

"ڈیوڑھی کا دروازہ اندر سے اچھی طرح بند کر لو نرگس" انور نے نرگس سے کہا۔

Scanned by CamScanner

"اللہ نگہبان ہے بیٹا" اماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

انور اُس رات اپنے گھر نہیں جا سکا۔ کیوں کہ اُس تمام علاقے میں کرفیو لگا دیا گیا تھا اور پولیس کے سپاہی بھوکے بھیڑیوں کی طرح گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ انور بستر میں پڑا رات بھر بڑبڑاتا رہا تھا اور اماں ہاتھ میں تسبیح لئے رات بھر جاگتی رہی تھی۔

اُس سحر کی رات کتنی خوف ناک تھی۔

ترکمان گیٹ کی یہ تنگ گلی ایک ماتم کدہ بن گئی تھی۔

انجم نے ایک بار ترکمان گیٹ کی شہزادی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں وہ اس وقت بے حد اُداس اور پریشان ہوگا کہ آج اس کی ساحرہ، اُس کی بہن نرگس، اُس کی ماں کوئی بھی اُس سے ملنے نہیں پہونچا تھا۔ اور وہ نہیں جانتا ہوگا کہ آج ترکمان گیٹ کی کتنی شہزادیاں اپنی عصمت بچانے کی کوشش میں اپنی باہنیں تو اُچکی تھیں۔ اُس کی نرگس جیسی جانے کتنی بہنیں اپنے بھائیوں سے محروم ہوگئی تھیں اور اُس کی اماں جیسی جانے کتنی ہی شفیق ماؤں کے بیٹے گولیوں کی زد میں آکر پچھاڑیں کھاتے رہے تھے۔ اور کتنے ہی معصوم بچے ملبے کے ڈھیروں میں سوئے پڑے تھے۔

کتنی کراہیں تھیں جو رات کے سناٹے میں گھل رہی تھیں۔ کاش ایسی ہی کوئی کراہ تھی دلی کے ایک عالیشان کوٹھی میں آرام کرتی ہوئی میڈم کے کانوں میں پڑے اور اُسے معلوم ہو کہ اُس کے پرنس جیسے کتنے ہی شہزادے اُسی وقت زندگی اور موت کی دہلیز پر بے ہوش پڑے تھے۔

رات کے اس سناٹے میں جب کہ اس سارے علاقے میں کرفیو لگا دیا گیا تھا دوشیزاؤں کی لٹی ہوئی عصمتوں، معصوموں کی کراہوں اور شہیدوں کے خون سے شاہجہاں کی دلی کے ترکمان گیٹ کی ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی تھی۔ جسے آنے والی نسلیں پڑھیں گی تو انہیں ظلم و استبداد کی ایک نئی داستان کا اندازہ ہوگا۔ آج ترکمانوں کا یہ دروازہ سینکڑوں مکانوں کے ساتھ مسمار ہو گیا تھا۔ اُس کے کھنڈروں پر ایک نئے دروازے کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کی دیواروں میں پتھروں کی جگہ انسانی ہڈیاں لگائی جائیں گی۔ اور گارے کی جگہ جمے ہوئے خون کے لوتھڑے استعمال کئے جائینگے۔

شاہجہاں آباد کی فصیل کا ترکمان گیٹ مر گیا تھا۔

اور بیسویں صدی میں شخصی حکومت کے محافظوں نے ایک نئے ترکمان گیٹ کو جنم دیا تھا۔

Scanned by CamScanner

اُس رات اپنے بستر میں پڑے پڑے مجھے لگا۔ جیسے ایک ایسے طوفان کا آغاز ہو چکا تھا جس میں قیامت کے آثار پنہاں تھے۔

انتہا یہ تھی کہ اس اتنے بڑے المناک اور خوفناک حادثے کا ذکر۔ بمبئی کو چھپنے والے کسی بھی اخبار میں نہیں تھا کیوں کہ سینسر نے اس خبر کے چھاپنے پر پابندی لگا دی تھی۔ یہ بات کتنی شرمناک تھی اور انسانی گراوٹ کا کتنا گھناؤنا ثبوت۔

کچھ ہفتوں کے بعد انور میری واستو کا بنگلور سے لکھا ہوا خط لے کر آیا۔ یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ جس دن ترک مان گیٹ کا ہولناک واقعہ ہوا تھا جگی سیال وہیں گیا تھا اور وہ بھی اُس بھیڑ میں شامل تھا۔ جس پر اُس دن ظلم ڈھائے گئے تھے۔ تم نے وہ داستان جب میری واستو کو سنائی تو اُس کا دل رو اُٹھا تھا۔ مگر جگی اُس دن وہیں تھا تو وہ ہمیں ملنے کیوں نہیں آیا تھا؟ ہمارا گھر تو بہت نزدیک تھا۔ جگی کے ہمارے گھر نہ آنے کی میری واستو نے کوئی وجہ نہیں لکھی تھی۔

"اُس دردناک سانحے کے صرف تم ہی چشم دید گواہ نہیں انور۔ کوئی اور بھی وہاں موجود تھا۔" میں نے میری واستو کے خط کا کچھ حصہ پڑھتے ہوئے کہا تھا۔

"کون تھا وہ؟"

"جگی سیال!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میری واستو نے اپنے خط میں لکھا ہے جگی آج کل بنگلور میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر وہ اس دن وہیں تھا تو ہمیں کیوں نہیں ملا؟"

"اس پر تو میں بھی حیران ہوں!" نرگس بولی۔

"بھگدڑ میں اپنی جان بچاتا پھر رہا ہوگا" میں نے کہا۔

"اور کیا لکھا ہے سری واستو نے؟" انور نے پوچھا۔

"قریب آجاؤ تمام خط پڑھ دیتی ہوں۔ تم بھی پاس آجاؤ نرگس۔"

پھر انور اور نرگس نے اپنی کرسی کھینچ لی۔ اور دونوں میرے بالکل قریب بیٹھ گئے۔ اور میں نے سری واستو کا خط پڑھنا شروع کیا۔

میں پچھلے کئی مہینوں سے یہ جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایمرجنسی کی رسیائیں کہاں تک پھیلی ہیں۔ اور اس فولادی جال میں کون کون سے لوگ پھانسے جا سکتے ہیں۔ اسی تلاش میں اب تک مارا مارا پھرا ہوں۔ اور میری یہ تلاش ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اتنا کچھ دیکھا ہے اور ایسے ایسے دردناک اور ہولناک سانحوں سے دوچار ہوا ہوں کہ میری جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو اب تک پاگل ہو گیا ہوتا لیکن بڑی سخت ہڈی کا بنا ہوں میں جبھی اب تک زندہ ہوں اور میرے ہوش و حواس بھی قائم ہیں۔

آزمائش کے اس دور میں کچھ ادیبوں نے اپنے قلم بیچے ہیں۔ کچھ آرٹسٹوں نے اپنے برش اور رنگوں کا نیلام اٹھایا ہے۔ کچھ فن کاروں نے اپنا فن، اپنی آواز اور اپنے نسخے فروخت کئے ہیں صرف اس لئے کہ وہ اس فولادی جال کی گرفت سے بچے رہیں جو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیلا ہے اپنے وجود کو بچائے رکھنے کے لئے انسان کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے۔ لیکن یہ کہانی ایک ایسے فن کار کی ہے جسے اپنی زبان کی ایک فلم میں بطور ہیرو فن کام کرنے کے لئے کئی ایوارڈ مل چکے ہیں اور فن کی خدمت ہی جس کا ایمان ہے اور وہ اُن سب کی دوست ہے جو ادیب ہیں، فن کار ہیں، نغمہ نگار ہیں۔ اور اُس نوجوان نسل کی دوست ہے جو زندگی کا مقصد اور اُس کے حقیقی معنی تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ اس مشہور فن کار کا نام لتا ہے۔ اُسے یہاں کی سینٹرل جیل کی کال کوٹھڑی میں صرف اس لئے ٹھونسا گیا ہے کہ وہ زندگی کی روشن اور مثبت قدروں کی پرستار ہے۔ بہانہ یہ بنایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسے سرکردہ لیڈر کے دوستوں میں سے ہے جو ایمرجنسی کے اعلان کے بعد ہم جیسے دیوانوں کی طرح انڈر گراؤنڈ ہو چکا تھا۔ اور ہزار کوششوں کے باوجود پولیس اُسے گرفتار نہیں کر سکی۔ اور پھر بوکھلا کر پولیس نے اس کے دونوں چھوٹے بھائیوں پر بے پناہ ظلم کرنے شروع کر دیئے تھے۔ جس کی داستان بھی الگ سے لکھوں گا۔ اس لئے اذیتیں دی جا رہی ہیں کہ وہ اُس سرکردہ لیڈر کا

پتہ بتائے۔ اُسے ذہنی اور قلبی اذیت دینے کیلئے پولیس نے نہ صرف اُس کے خاوند کو بلکہ اُس کی لڑکی اور لڑکے کو بھی لاپتہ کر رکھا ہے۔ اب اس فن کار کی ذہنی اور جسمانی حالت یہ ہے کہ وہ کسی بھی وقت مر سکتی ہے۔ اذیت کے ان لمحوں میں اُس کے پاس صرف جیل کی زہریلی تنہائی ہے اور دم گھوٹنے والا اندھیرا ہے اور روح شکن سلوک ہے۔ جو جیل کے اہلکار اُس سے برت رہے ہیں۔ اور وہ ترس رہی ہے اپنی اولاد کی شکل دیکھنے کو بھی۔ ان درد بھرے لمحوں کا کرب وہ مختصر اور ٹوٹی ہوئی تحریریں ایک ڈائری کی شکل میں مڑے تڑے اوراق پر منتقل کر رہی ہے۔ اس کی تحریر کے کچھ حصے جن کا ترجمہ ذیل میں شامل ہے مجھے کسی دوست کے ذریعے ملے ہیں۔ جانے وہ ٹوٹی ہوئی اور بکھری ہوئی فن کار کب جیل کی کال کوٹھری سے باہر آئے گی اور کب اس کی یہ تحریر عوام تک پہنچے گی۔ پہنچ بھی گی یا نہیں اس بات کا بھی کیا بھروسہ ہے۔ اگر اُس کے یہ اوراق جیل کی سینہ اور اندھیرے میں ہی دفن ہو گئے تو کون جانے گا کہ اذیت کے ان لمحوں میں اُس کے دل و دماغ پر کیا گذر رہی ہے۔ اس وقت جو کچھ مجھے ملا ہے وہ تم تک پہنچا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے میرا شاعر دوست انجم بھی ایسے ہی لمحوں کی کچھ پرچھائیاں کہیں محفوظ کر رہا ہو۔

۲۵ جولائی ۸۶ء ——— اتنا طویل اور اکیلا دن۔ لگتا تھا میں موت سے صرف کچھ انچوں کے فاصلے پر تھی مجھے یہاں سے نکال دیا جائے یا پیرول پر چھوڑ دیا جائے۔

۲۶ جولائی ——— آج اپنے بیٹے کونارک سے مشکل سے آدھ گھنٹے کے لئے مل سکی ہوں آہ! میں یہاں بالکل نہیں رہ سکتی مجھے یہاں سے باہر نکالو ...... میری اس نازک حالت کی تمام تر ذمہ داری جیل کے افسروں کی ہے۔ اُنھوں نے مجھے شروع میں ہی اسپتال جانے سے روک لیا تھا۔

۲۷ جولائی ——— میں بے حد تھکی ہوئی محسوس کر رہی ہوں۔ لگتا ہے جیسے نیند آ رہی ہے اگر میں فوراً ہی لیٹ نہیں جاتی تو میرا دل دھڑکنا بند کر دے گا۔ کیا موت اتنی آسان ہے اور اتنی بے مقصد! میں شام کو کونارک سے کتنے سکون سے ملی۔ میں کونارک سے مل سکی۔ اسکے لئے بے حد شکر گذار ہوں۔

۲۸ جولائی ——— رات بے حد خراب گذری ہے۔ بے انتہا تھکن اور کرب اور درد۔ یہ سب کب ختم ہوگا۔ یہ سپرنٹنڈنٹ بہت ہی بے ہودہ آدمی ہے ——— صبح کے گیارہ بج گئے ہیں۔ میں نے ابھی تک نہ چائے لی ہے نہ ناشتہ کیا ہے۔

۲۹ جولائی ——— رات بالکل نیند نہیں آئی۔ رونے کا ہی دورہ پڑتا رہا۔ روک نہیں سکی رونے کو۔ اب تو حالت یہ ہے کہ گلاس دھونے سے بھی تھک جاتی ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ اس کورٹی ذون سے کہیں میرے دل پر تو اثر نہیں پڑ رہا۔

ساڑھے پانچ بجے شام ——— کونارک اور دوسرے لوگوں کو جو ملنے آنے والے تھے۔ انتظار کیا۔ کوئی نہیں آیا۔ میں شام کو اور رات کو بے حد ذہنی کرب میں مبتلا رہی۔ کھانا اور کپڑے تو پہونچ گئے لیکن کونارک نہیں آیا۔ جانے کیا ہو گیا ہے ؟ اُسے کہیں چوٹ تو نہیں آ گئی کہیں وہ بیمار تو نہیں پڑ گیا۔ اے خدا میری مدد کر!

۳۰ جولائی ——— میں نے بار بار اُن کے نہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ لیکن کسی نے جواب نہیں دیا میں مسلسل انتظار کرتی رہی۔ ڈاکٹر آیا۔ اور اُس نے مجھے بے حد تکلیف میں دیکھا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ سپرنٹنڈنٹ نے میرے انٹرویو رد کر دیئے ہیں کیوں کہ میں آئی۔جی کے سامنے اُس سے گستاخی سے پیش آئی تھی۔

پھر کچھ بنا تاریخوں کی تحریریں درج تھیں۔ شاید تاریخیں درج تو تھیں لیکن پڑھی نہیں جا رہی تھی میں نے اُن تحریروں کو پڑھا۔

——— روح کی گپ اندھیری رات میں لگتا ہے جیسے ہر وقت صبح کے تین بجے ہیں۔ کئی دنوں سے ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے یہ وہ اوقات تھے جب میں واقعی مرجانا چاہتی تھی ایک دم فنا ہو جانا۔

——— جیل کا سپرنٹنڈنٹ بے حد بزدل اور جھوٹا آدمی ہے۔ میں نے تمام زندگی میں ایسا گھٹیا آدمی نہیں دیکھا گھٹیا اور بداخلاق اور بے وقوف۔ اسی شخص کی وجہ سے تو میں اس حالت کو پہونچی ہوں جہاں صرف بے جان دیواریں ہیں اور دم گھونٹ دینے والی تنہائی ہے۔

اور پھر ایک آخری تحریر تھی بغیر کسی تاریخ کے اور وہ تحریر لتا کے بھرپور عزم کی گواہی دے رہی تھی۔

——— اگر آپ لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرح آپ میری روح کو کچل سکیں گے تو آپ غلط سوچ رہے ہیں۔ آپ کے یہ ستم سچائی، انسانیت اور شخصی آزادی میں میرے وشواس کو اور بھی مضبوط بنا رہے ہیں۔

ان تحریروں کے آخر میں سری واستو نے یہ بھی لکھا تھا کہ لتا کی حالت بے حد بگڑتی جا رہی تھی اور

اگر حکومت کا اُس کے خلاف یہی رویہ رہا تو اس عظیم فن کار خاتون کا جانے کیا حشر ہوگا؟

سری واستو کے اس خط کا تاثر بے حد شدید تھا۔ نرگس پر تو اس کا بہت ہی بُرا اثر ہوا۔

"جب دانشوروں پر جبر کیا جاتا ہے تو ملکوں کی تاریخ مسخ ہو جاتی ہے۔ تن مر جاتا ہے۔ ادب ختم ہو جاتا ہے اور تہذیب فنا ہو جاتی ہے"۔

"لیکن ایک نئی تاریخ بھی تو مرتب ہوتی ہے ادب اور فن کی نئی قدریں بنتی ہیں اور ایک نئی تہذیب جنم لیتی ہے"۔ انور نے جواب دیا تھا۔"

"ایک تہذیب کے فنا ہوتے اور دوسری تہذیب کے جنم لینے تک کا وقفہ بڑا جان لیوا ہوتا ہے ملکوں کے لئے انور"۔

"اور اب ہم ایک ایسے ہی دور سے گذر رہے ہیں"۔ نرگس کی بات کا جواب میں نے دیا۔

"کیا ہم نئی قدروں کے پروان چڑھنے تک زندہ رہیں گے بھی؟"

"نسبتاً زندہ رہیں گے"۔ انور نے بڑے عزم سے جواب دیا۔

"خاک زندہ رہیں گے"۔ نرگس نے بڑی مایوسی سے کہا۔

"نہیں نرگس، ہمیں انسان کی عظمت پر یقین رکھنا ہی ہوگا۔ ورنہ ارتقا کا تمام عمل ہی ختم ہو جائے گا" میں نے کہا۔

"یہ عمل اُلٹا بھی ہو سکتا ہے"۔

"وہ تو آج کل ہو ہی رہا ہے۔ اب تو وقت کا پہیہ دوبارہ گھومنے والا ہے نرگس"۔ انور میرے نظریئے کی تصدیق کر رہا تھا۔ وہ میری طرح وقتی طور پر ضرور مایوس ہو گیا تھا لیکن بنیادی طور پر وہ رجائی تھا قنوطی نہیں۔

علاج معالجہ کے باوجود اماں کی حالت بہتر نہ ہو رہی تھی۔

اس کی وجہ سے میں اور نرگس دونوں پریشان تھیں۔ پہلے وہ کچھ کھا پی لیتی تھیں لیکن اب اُن کی بھوک بھی بہت کم ہو گئی تھی۔ اور پانچ وقت کی نماز کی بجائے اب صرف ایک ہی وقت نماز پڑھتی تھیں۔ بس تسبیح کے دانے گھماتی رہتی تھیں اُنگلیوں میں دن بھر۔ لے دے کر ایک انور تھا جو دن رات ہلکان ہوتا رہتا تھا۔ اور نرگس کئی بار بے کار میں اُسے ڈانٹ دیتی تھی۔ مجھے ترس آتا تھا بے چارے پر۔ اُس نے نرگس کو چاہا تھا کہ کوئی ایسا گناہ تو نہیں کیا تھا جس کے لئے وہ

ہر گھڑی پریشان ہو۔ میں نے نرگس کو کئی بار سمجھایا بھی وہ خود محسوس کرتی تھی کہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے لیکن گھر کے حالات ہی اس طرح کے ہو رہے تھے کہ وہ بات بات پر کھیج اُٹھتی تھی۔

"اس طرح حوصلہ چھوڑنے سے تو کام نہیں چلے گا نرگس"۔

"میں جانتی ہوں ساحرہ۔ لیکن من میں تناؤ بہت بڑھ گیا ہے"۔

"جب تک ہم دونوں مل کر حالات کا مقابلہ نہیں کریں گی کچھ نہ ہو گا"۔

"تم ٹھیک ہی کہتی ہو"۔

"انور پر ہمارا کیا زور ہے۔ وہ تن دہی سے ہم لوگوں کی خدمت کرتا ہے اس کڑے وقت میں یہ کیا کم ہے"۔

"مجھے واقعی اُس سے اس طرح پیش نہیں آنا چاہیئے۔ لیکن میں اُسے پیار بھی تو کرتی ہوں"۔

"اُسے پیار کرتی ہو تو اُس کا دل تو نہ توڑا کرو"۔

نہیں اب ایسا نہیں کروں گی" نرگس نے مسکرا کر میری بات کا جواب دیا۔

اُس سے اگلے روز کئی مہینوں کے بعد میں اور نرگس پکچر گئیں۔ دراصل اماں نے ہی اصرار کیا تھا کہ ہم پکچر جائیں۔ انور ہمیں سینما گھر تک چھوڑ کر واپس آ گیا تھا اور جب تک ہم گھر نہ لوٹیں وہ اماں کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ اس ذرا سی تفریح سے من کا تناؤ کم ہو گیا تھا۔

"انور تمہارا شکریہ"۔ تم نے ایک اچھی پکچر دکھا دی۔ نرگس کی اس بات پر انور ایک معصوم بچے کی طرح کھل اُٹھا۔ یہی میں چاہتی بھی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد انجم کا ایک مختصر سا خط ملا۔ اُس نے ہم سب کے بارے میں فکرمندی کا اظہار کیا تھا۔ اور یہ اطلاع بھی دی تھی کہ اب وہ آگرہ جیل سے جھانسی جیل میں بھیج دیا گیا تھا اس خبر کا ردعمل ہم میں سے کسی پر بھی اچھا نہ تھا۔ اماں تو ایک دم سکتے میں آ گئی تھیں۔

"اب تو اس سے ملنا اور بھی مشکل ہو جائے گا"۔

"ہاں، فاصلہ بڑھ گیا ہے"۔ نرگس نے کہا۔

"وہ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ملاقات کرنے والے قیدیوں سے آسانی سے نہ مل جا سکے"۔ میں بولی۔

"ستیاناس ہو ظالموں کا"۔ اماں نے جھلا کر کہا۔

Scanned by CamScanner

"کوری بددعاؤں سے اُن کا کچھ نہ بگڑے گا اماں جان۔ کچھ اور کرنا ہوگا۔"

"لیکن کون کرے گا بیٹی؟"

"وقت کرے گا۔ عوام کریں گے۔ اور جب وقت اور عوام اکٹھے ہو جائیں گے تو پھر کوئی بھی نہ روک سکے گا راستے میں"۔ نرگس اپنا سماجی فلسفہ بیان کر رہی تھی۔ انسان جب مجبور ہو جاتا ہے اور بے بس ہو جاتا ہے تو پھر اپنا سب کچھ وقت کے ہاتھ سونپ دیتا ہے۔ اور وقت مجبور اور بے بس انسانوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ اُن کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ اُن کی جدوجہد میں ہمت بن کر اُن کے بازوؤں میں اُتر آتا ہے اور خون بن کر اُن کے دلوں میں کھولنے لگتا ہے۔ اور نعرہ بن کر اُن کے ہونٹوں پر ناچنے لگتا ہے اور پھر یہ خون، یہ نعرہ ایک نئی تاریخ لکھتا ہے۔ مجبور انسانوں کے ہاتھوں پر اور تاریخ کی اس عبارت سے نئی صبحیں جنم لیتی ہیں۔ اور نئے سورج اُگتے ہیں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر جمی برف پگھلتی ہے۔ اور ندیاں گنگناتی ہیں اور کھیت جاگتے ہیں اور نئی فصلوں کی بالیاں سرسراتی ہیں اور اُن لوگوں کے لئے نیا پیغام لاتی ہیں جو دن رات کی گردش سے تھک کر نڈھال ہو جاتے ہیں۔

"اماں جان ہمارا انجم آگ میں تپ کر نکھر رہا ہے۔ اُسے نکھرنے دو"۔ میں نے کہا۔

"اور اگر وہ اس آگ کی تاب نہ لا سکا تو؟"

"نہیں وہ جل کر راکھ نہیں ہو سکتا۔ وہ سونا ہے جو صرف کندن بن سکتا ہے فنا نہیں ہو سکتا"

"اے خدا۔ میرے بیٹے کی حفاظت کرنا!" اماں نے دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور نرگس نے اور میں نے اپنی آنکھیں عقیدت سے بند کر لیں۔

چند روز کے بعد شانتا پوانہ کا خط ملا۔ وہ اور شبنم کسی کام سے امرتسر گئی تھیں۔ وہاں جا کر اُنھوں نے سنز گردور کے بارے میں دریافت کیا۔ جب وہ اُس کے والد کا ایڈریس لے کر اُس کے گھر پہونچیں تو اُس کے بہت سے لوگ اُس گھر سے باہر نکل رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سنز گردور کی موت ہو گئی تھی۔ اور اُس دن چوتھے کی رسم تھی۔ شانتا پوانہ اور شبنم میں گھر کے اندر جانے کا حوصلہ نہ ہوا تھا۔ شانتا نے باہر کھڑے کچھ لوگوں سے پروفیسر گردور کی لاش کو پورا ایک دن برف کی سلوں میں رکھا گیا تھا۔ لیکن پروفیسر گردور نہیں آئے تھے کیوں کہ اُنھیں

پیروں پر رہا نہیں کیا گیا تھا۔ وہ اُس دن بھی اپنی دو چھوٹی چھوٹی معصوم بچیوں کے سروں پر ہاتھ نہیں رکھ سکے تھے جس دن چوتھ کی رسم تھی اور وہ معصوم بچیاں رو رو کر ہر ایک سے اپنے ڈیڈی کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں سہاگن کی چتا کو اُس کا خاوند آگ بھی نہ دے سکا تھا۔ آگ بھی کسی اور نے دی تھی۔ اور چوتھ کی رسم پر اُس کی معصوم بچیوں کے سروں پر ہاتھ اُن کے باپ نے نہیں کسی غیر ہی نے رکھا تھا۔

شانتا یو انہ کا خط پڑھنے کے بعد اُس روز ہمارے گھر میں ماتم چھایا رہا۔ کھانا تو درکار ہم میں سے کسی نے چائے تک نہ پی۔ لگا جیسے ہمارے اپنے گھر کا کوئی عزیز ترین فرد ہمیں سدا کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ رات اکیلی بستر پر پڑی میں بہت دیر تک روتی رہی اور جانے کیوں بار بار میری آنکھوں کے سامنے دو معصوم بچیوں کے افسردہ چہرے گھومتے رہے۔ جانے کیوں؟ جیسے وہ پروفیسر گردور کی بے ماں کی بچیاں نہیں تھیں بلکہ ایک ایسے طبقے کی نمائندگی کرنے والی بچیاں تھیں جن کی تقدیر میں بے بسی اور مجبوری اور محرومی لکھ دی گئی تھی۔ اور جن ہاتھوں نے اُن کی تقدیر لکھی تھی اُن پر تازہ سُرخ خون کے قطرے جمے ہوئے تھے۔ اور سوائے اُن ہاتھوں کے کسی اور کو معلوم بھی نہ تھا کہ وہ خون کس کا تھا اور اُن اُنگلیوں پر کیسے جما تھا۔

امّاں کی بیماری نے گھر کی اقتصادی حالت پر بھی بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔ انجم کے ابّا کے چار ہزار روپے تو کفن کے خرچ ہو چکے تھے۔ انجم کو گرفتاری کے بعد نوکری سے معطل تو کر دیا گیا تھا لیکن قاعدے کے مطابق تنخواہ کا جتنا حصہ بطور گذارہ الاؤنس دیا جانا چاہیئے تھا۔ وہ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ شاید دوسرے اس طرح کے لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا اس کا علم ہمیں نہ تھا۔ گھر کا تمام خرچ اور امّاں کے علاج پر صرف کی جانے والی رقم کا انتظام تو میرے

ہی ہاتھ میں تھا۔ شاید اماں اور نرگس دونوں ہی کو معلوم تھا کہ میں یہ سب خرچ کس طرح پورا کر رہی تھی لیکن بھرم قائم تھا۔ اب تک کسی نے اس بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ لیکن ایک دن نرگس صبح سویرے ہی بغیر کسی تمہید کے اچانک بول اٹھی۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ایک سمگلنگ ایکٹ کی ہیڈ ہو۔"

"میں!"

"ہاں، تم!"

میں نے نرگس کی بات پر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا۔

"لیکن سمگلر تو سبھی میسا میں اندر ہیں۔"

"کچھ باہر بھی ہیں۔"

"سمگلنگ کا مطلب سمجھتی ہو کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سمجھتی ہوں۔ اُدھر کا مال اِدھر اور اِدھر کا مال اُدھر۔" وہ مسکرائی۔

"اس تشریح کے مطابق تو تم بھی سمگلر ہو۔ تم نے بھی تو اُدھر کا کتنا ہی مال اِدھر کیا ہے۔"

"وہ تو مجبوری تھی۔ پھر انور سے کچھ لینا تو غیر مناسب بھی نہیں۔" نرگس نے میرا اشارہ سمجھ لیا تھا اور اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"اور میں نے بھی تو جو کچھ لیا ہے وہ اپنے ابّا سے لیا ہے۔ مصیبت کے اس وقت میں بھی اگر وہ میرے کام نہیں آئیں گے تو پھر کب آئیں گے۔"

"وہ تو ہر طرح سے ہم لوگوں کا خیال کرتے ہیں۔ اُن سے روپیہ پیسہ لینا تو جائز نہیں۔"

"مصیبت کے ان لمحوں میں سب کچھ جائز ہے۔ نہ میں نے کسی سے بھیک مانگا۔ نہ تم نے۔ لیکن اب میں محسوس کرتی ہوں کہ نہ مجھے ابّا سے مالی امداد لینا چاہیئے نہ تمھیں انور سے۔"

"تو کیا کرنا چاہیئے ساحرہ؟" اُس نے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دے کر نرگس کو ٹال دیا۔

اور اُسی شام میں نے انور کو اپنے کچھ زیور بیچنے کے لئے دے دیئے اور اُسے تاکید کی کہ اُسی کے بارے میں وہ کسی کو کچھ نہ بتائے۔ اگلے دن وہ زیوروں کی رقم مجھے دے گیا۔ لیکن اُس

Scanned by CamScanner

نے اس بات کا ذکر نرگس سے بھی نہ کیا۔ یہ پہلی بات تھی جو میں نے نرگس سے چھپائی تھی اور جس کا علم میرے ابا کو بھی نہیں ہوا تھا۔ ورنہ نرگس میری رازدار تھی اور اُس سے میری کوئی بھی بات چھپی نہیں تھی۔ لیکن اُسے شاید خود ہی اُس کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ اور ایک دن اُس نے مجھے اشارے سے کہہ بھی دیا۔

"گھر کا خرچ چلانا کس کی ذمہ داری ہوتی ہے؟"

"اُن سب لوگوں کی جو گھر میں رہتے ہیں۔"

"لیکن گھر کے زیور بیچنے سے تو یہ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی ساحرہ۔"

"زیوروں پر سانپ بن کر بیٹھے رہیں اور گھر میں فاقوں کی نوبت آجائے یہ بھی تو عقلمندی نہیں نرگس اپنے ہی زیور ہیں، خود ہی بیچے ہیں۔ کل حالات اچھے ہوں گے تو زیور دوبارہ بن جائیں گے۔"

"اور اگر تمہارے ابا کو اس کا علم ہو گیا تو؟"

"تو کیا ہے؟ اپنی کسی چیز کو بیچنے کے لئے مجھے ان کی اجازت لینا ضروری ہے؟"

"ضروری چیز تو نہیں لیکن غلط بھی نہیں۔"

"نرگس اُن سے اتنا کچھ لے چکی ہوں کہ اُن سے زیور بیچنے کی بات کہنے کی ہمت نہیں تھی۔"

"اور اگر انور نے اُنہیں بتا دیا؟"

"انور نے اس کا ذکر تم سے کیا ہے کیا؟"

"نہیں۔ میں نے خود اندازہ لگایا تھا۔"

"اگر اُس نے یہ راز تمہیں بھی نہیں بتایا تو وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔ وہ ذمہ دار لڑکا ہے۔ تم سے اتنی درخواست ضرور کر دی کہ اس کا علم امّاں کو ہونے پائے۔"

"امّاں نے زمانہ دیکھا ہے۔ تمہارا خیال ہے اُنہیں میرے کہنے کے بغیر یہ بات معلوم نہیں ہو گی۔"

"نہیں۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ اُنہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تم نے گھر کا خرچ چلانے کے لئے اپنے زیور بیچے ہیں۔"

"تو یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"امّاں ہی نے تو مجھے بتایا تھا۔ ورنہ میں خود تم سے اس بارے میں بات بھی نہ کرتی۔"

Scanned by CamScanner

"انہوں نے بُرا مانا ہے کیا؟"

"ہاں۔ لیکن انہیں یہ معلوم ہے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔"

"نرگس!"

"ہاں ساحرہ۔ گھر کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالنے کی ذمہ داری اب ہماری ہے۔ اور ہمیں اسے ہر حال میں نبھانا ہے۔"

"تو تم میری اس بات کی تائید کرتی ہو؟"

"سو فی صدی۔"

میں نے نرگس کا اعتماد بھرا جواب سُن کر اُسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور کہا۔

"آزمائش کا وقت ہمت اور حوصلے سے ہی گذرے گا۔ رو کر، دل مسوس کر، شکوے کر کے اور حوصلہ چھوڑ کر تو نہیں گذرے گا یہ کڑا وقت۔"

میری بات پر نرگس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تم بڑی باہمت لڑکی ہو۔" اُس نے کہا۔

"ہمت تو اس نے دی ہے۔ جو اس وقت جیل کی کال کوٹھڑیوں میں پڑا تڑپ رہا ہے۔ میرا اپنا تو کچھ بھی نہیں۔"

میں خاموش ہو گئی۔ مجھے لگا اگر میں اور بولوں گی تو میری آواز بھرا جائے گی اور میرے ضبط کا باندھ ٹوٹ جائے گا۔

جوں توں کر کے ہم اپنا بھرم قائم رکھے ہیں۔

اماں کا دوا دارو ہوتا رہا اور گھر کا گذارا بھی چلتا رہا۔ لیکن ذہن کا تناؤ کم نہیں ہوا۔ جو خبریں اِدھر اُدھر سے ملتی تھیں وہ ہرگز حوصلہ افزا نہ تھیں۔ اخباروں میں تو میڈم اور پرنس اور کیپٹ لال کی تقریروں کے سوا کچھ ہوتا ہی نہ تھا۔ کیپٹ لال نے پرنس کے ساتھ مل کر جو ایک اندرونی حلقہ بنا لیا تھا ملک میں اس وقت اُسی کا بول بالا تھا۔ کیپٹ لال وزیروں اور افسروں کی کس طرح بے عزتی کرتا تھا۔ اور اُن سے کتنی کرختگی سے پیش آتا تھا، اُس کی کہانیاں زبانی زبانی تو گاؤں گاؤں اور شہر شہر پہونچ رہی تھیں لیکن کسی بھی اخبار میں کہیں

اُن کا ذکر نہ ہوتا تھا۔ اُن کی تقریریں ہوتی تھیں۔ اور اس کی لمبی چوڑی تقریروں کی تفصیلات ہوتی تھیں۔ جن میں وہ نہایت ہی گھٹیا اور مخبول زبان استعمال کرتا تھا۔

اب ایمرجنسی واقعی سمٹ کر نس بندی پر مرکوز ہو گئی تھی۔ کچھ عرصے سے سکھ بال سنگھ نے جو بات کہی تھی وہ کتنی سچی تھی۔ لگتا تھا ایمرجنسی کے دوران ملک کی تمام آبادی نس بندی ہو جائے گی۔ اور آنے والے کئی برسوں تک کوئی نیا بچہ جنم نہ لے گا۔ کوئی نیا پھول نہ کھلے گا۔ کوئی نیا ستارہ نہ چمکے گا۔ ایک دم مجھے ایک عجیب سا خیال آیا۔ اگر جیل میں بھی قیدیوں کو جو اس وقت پولیس اور جیل کے افسروں کے کرم پر تھے۔ اُن سے کچھ بھی کہا جا سکتا تھا۔ اور کسی کو کانوں کان خبر ہونے کا بھی امکان نہ تھا۔ اگر اور اتنے مظالم کے ساتھ انجم پر یہ ظلم بھی کر دیا گیا تو کیا ہوگا؟ یہ خیال آتے ہی میرے بدن میں ایک کپکپی سی لہرا گئی۔ سارا جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ تو کیا میں ہمیشہ کے لئے اولاد سے محروم ہو جاؤں گی؟ کیا یہ لوگ میری اور میرے جیسی ہزاروں بے گناہ عورتوں کی گودیں سدا کے لئے اُجاڑ دیں گے؟ کتنا بھیانک سوال تھا جو میں خود اپنے آپ سے کر رہی تھی۔ یہ سوال میں کسی اور سے کر بھی نہ سکتی تھی۔ یہ ایک دم میرا نجی معاملہ تھا۔ میرا اور انجم کا۔ اور تو کوئی بھی شریک نہیں تھا میری اس سوچ میں۔ یہ کرب میں کس سے بانٹتی؟ میں اس ذہنی اذیت کو بہت دنوں تک خود ہی برداشت کرتی رہی اور تنہائیوں میں روتی رہی اور کسی کو نہ بتا سکی کہ میں کیوں بے وجہ روئی تھی۔ اور میرے دل میں کیوں اتنا گہرا درد تھا۔

میری یہ ذہنی اذیت اور بھی شدید ہو گئی جب جگی سیال کا ایک طویل خط آیا۔ جس کے کئی حصے تھے اور جو اس نے مختلف تاریخوں کو مختلف جگہوں سے لکھے تھے۔ لیکن سبھی کاغذوں کو ایک ساتھ پوسٹ کیا تھا کیوں کہ سبھی کا موضوع ایک تھا۔ سبھی تحریروں میں ایک ہی بات کہی گئی تھی۔ سبھی کا موضوع نسبندی تھا۔ اور اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے کیا کچھ کیا جا رہا تھا۔ اس بار جگی سیال ہریانہ سے نکل کر اُتر پردیش تک بھی ہو آیا تھا۔ ہریانہ کے جن دو گاؤں کا ذکر اُس نے اپنے خط میں کیا تھا وہ دہلی سے بہت دور نہیں تھے۔ لیکن جو کچھ ان گاؤں میں ہوا تھا وہ کسی دُور دراز، آمد و رفت کے ذرائع سے کٹی ہوئی کسی مختصر سی آبادی میں بھی ہونا ناممکن تھا۔ لیکن ایسا ہوا تھا اور اُس نے خود اُن گاؤں میں جا کر تمام باتوں کی تصدیق کی تھی۔

Scanned by CamScanner

"ایک گاؤں کا نام پیلی تھا۔ جس میں کوئی ساڑھے تین سو کے قریب گھر ہیں۔ صرف ایک ہی واقعہ نے اس چھوٹے سے گاؤں کو تاریخی حیثیت دے دی ہے۔ کچھ ایسے افراد جن کے بارے میں شاید پاس کے گاؤں والوں کو بھی واقفیت نہ تھی ایک دم تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔ قدرت کچھ لوگوں کو کس طرح تاریخ کا حصہ بنا دیتی ہے یہ ایک بڑا ہی ناقابل فہم عمل ہے۔"

پچیس برس کا ایک نوجوان ہوا سنگھ جس کی بیوی مر چکی تھی اور جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور جس کا ایک بھائی اپاہج تھا اچانک لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ ہوا سنگھ کی جیبی نس بندی کی گئی تھی لیکن آپریشن کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ زخم اتنا خراب ہو گیا کہ کچھ دنوں کے بعد اس کی موت ہو گئی تھی۔

علاقے کے افسران بضد تھے کہ زیادہ سے زیادہ نس بندی کے کیس اکٹھے کئے جائیں تاکہ اس ریس میں وہ کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ گاؤں کے لوگوں پر ہر طرح سے زور ڈالا جا رہا تھا۔ لیکن گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا جواب بڑا ہے۔ مناسب تھا کہ وہ اپنی مرضی سے زیادہ سے کیس دیں گے لیکن ان پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے۔ لیکن برسر اقتدار طبقہ کبھی عوام کی مرضی کا قائل نہیں ہوتا۔ ایک متعلقہ افسر کو تو اپنی کارگذاری دکھانا مقصود تھی چناں چہ اس نے ایک ہرجن کو جو بے چارہ اپنی جھونپڑی کے باہر بیٹھا جوتیاں گانٹھ رہا تھا زبردستی اپنی جیپ میں ڈالا اور نس بندی کے لئے لے گیا۔ اس کامیابی سے مسرور افسر اگلے دن پھر ہرجنوں کی بستی میں اور کیس لینے کے لئے آ پہونچا لیکن اب کی بار اسے عورتوں نے گھیر لیا۔ اور آپس میں تو تو میں میں کی نوبت کے بعد جھگڑا ہو گیا۔ اور افسر کو ایک عورت نے پیٹ دیا۔ نتیجے کے طور پر وہ افسر اور اس کے ساتھ گاؤں میں آئے ہوئے سپاہی گاؤں چھوڑ کر چلے گئے۔

اب سوال اہل اقتدار کی عزت کا تھا۔ گاؤں والوں سے بدلہ لینا چاہیئے۔ اقتدار اور عوام کی ٹکر تھی۔ خبر ارد گرد کے گاؤں میں پھیل گئی اور اگلی صبح پیلی گاؤں سے باہر کھیتوں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے ابھی دن بھی نہیں چڑھا تھا کہ سینکڑوں کی تعداد میں پولیس کے سپاہی اس گاؤں میں پہونچ گئے اور گاؤں والوں سے کہا کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نکل کر سڑک پر آجائیں اسی دوران میں پولیس نے گاؤں کو گھیر کر اپنی پوزیشنز لے لیں۔ گاؤں والوں نے افسروں سے کہا کہ وہ چوپال

میں آجائیں تاکہ بات چیت کر کے معاملے کو سلجھایا جا سکے۔ لیکن پولیس اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس دوران میں نعروں کی آوازیں گونجنے لگیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ صبح سویرے ہی فائرنگ ر... دے کے ساتھ ایک عورت چندرابتی جو گوبر تھاپ رہی تھی ڈھیر ہو گئی اُس کے چار بچے گھر میں اُس کا انتظار کر رہے تھے اور پھر کسی نے بتایا کہ پاس کے ایک گاؤں کا جگ موہن نام کا ایک آدمی جو وہاں بطور ہمدردی موجود تھا بھیڑ پر چلائی گولی سے ہلاک ہو گیا۔

اس وقت تک کوئی ایک لاکھ کے قریب لوگ جمع ہو چکے تھے جن کے پاس لاٹھیاں اور اس قسم کے دوسرے ہتھیار تھے۔ پولیس اور افسران نے یہ سوچ کر کہ عوام سے مقابلہ ناگزیر تھا دھیرے دھیرے گاؤں سے ہٹنا شروع کر دیا۔ مشتعل لوگوں نے پولیس کی گاڑیوں کو آگ لگا دی اور نتیجے کے طور پر پولیس گاؤں چھوڑ گئی۔

لوگوں کا یہ اجتماع تین روز تک گاؤں کے باہر اکٹھا رہا اور تین روز تک آس پاس کے گاؤں کے لوگ اُن کے لئے کھانا بھجواتے رہے۔

ایسے ہی ایک دوسرے گاؤں کی کہانی تھی۔

نام تھا اٹاودر۔

ایک بڑا گاؤں تقریباً بارہ سو گھروں پر مشتمل آبادی کی اکثریت میو مسلمان۔

پلان یہ تھا کہ جب تک اس بڑے گاؤں میں نس بندی کی مہم کو کامیاب نہ کیا گیا اُس تمام علاقے میں یہ مہم ناکامیاب ہو جائے گی۔ ایک دم فوجی قسم کا پلان تھا۔

گاؤں کی پنچایت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ گاؤں کے وہ جوڑے جو نس بندی کے قواعد کے دائرے میں آتے تھے اپنی مرضی سے آپریشن کرا لیں گے۔ اس کے علاوہ اٹاودر گاؤں کوئی کیس نہ دے گا۔ لیکن پھر بھی واقعہ کی تاریخ سے پہلے دو سو چھتر لوگ نس بندی کرا چکے تھے۔

نومبر کی چھ تاریخ۔ وقت۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کے تین بجے۔

سینکڑوں کی تعداد میں پولیس نے گاؤں کو گھیر لیا ہے اور حکم دیا ہے کہ پندرہ سال سے اوپر کے سبھی مرد گاؤں سے باہر نکل کر بس اسٹینڈ پر جا کر جمع ہو جائیں۔

پولیس کے اس حکم کی تعمیل میں جب لوگ باہر آ گئے تو پولیس نے گھروں کی تلاشی لینا شروع کر دی

Scanned by CamScanner

بظاہر یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی شخص گاؤں میں رہ تو نہیں گیا لیکن اس پروسیس میں پولیس نے جو نازیبا حرکات کیں اور جو ظلم کئے اس کی گواہی دینے کے لئے گھروں میں ٹوٹے ہوئے برتن اور غریب اور بے زبان پردہ دار عورتیں موجود ہیں۔ پولیس نے اس تلاشی کے دوران روپے بھی لوٹے اور زیور بھی اور چاندی بھی اور ریشمی کپڑے بھی۔ وہ ٹوٹی ہوئی سلائی کی مشینیں بھی موجود ہیں جن کی مدد سے عورتیں روزی کمانے کی اہل تھیں۔

پولیس نے سڑک پر کھڑے ان بے گناہ لوگوں کو کسی نہ کسی دفعہ کے تحت گرفتار کر کے مختلف تھانوں میں بھیج دیا۔ وہ غریب یہ جانتے بھی نہ تھے کہ انہیں تھانوں میں کیوں بھیجا جارہا تھا اور ان کا کیا مقصد تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ان سبھی لوگوں کی نسبندی کر دی جائے۔ گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اسی دن تقریباً تین سو لوگوں کی نسبندی کر دی گئی۔ اور نومبر کے اختتام تک تقریباً آٹھ سو آدمی اس مہم سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ اور یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اٹاور گاؤں کے سبھی مردوں کا آپریشن ہو چکا تھا۔ اس میں کتنی سچائی ہے اس کا کسی کو علم نہیں۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اس مہم کے دوران ان لوگوں کے بیان کے مطابق شادی، دینو، حسن، بشیرو، منیرا اور احمد کا ہتھکڑیاں پہنائے ہوئے ہی آپریشن کیا گیا تھا۔

اس طرح کے واقعہ کے متعلق مجھے اور کسی صوبے سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ایسا کام اسی صوبے میں ہو سکتا تھا جہاں کپٹ لال کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب لوگ اتنے خوفزدہ ہیں کہ کڑاکے کی اس سردی کے موسم میں بھی راتیں کھلے آسمان کے نیچے کھیتوں میں گزارتے ہیں اور تمام رات ٹھنڈ سے ٹھٹھرتے رہتے ہیں۔ لیکن کیا اس طرح وہ اس کپٹ لال کے ہاتھوں بچ سکیں گے جس کا جال ہر طرف پھیلا ہوا ہے؟ ایک شخص نے مجھے ہنستے ہوئے کہا کہ بندی کرن کا سرٹیفکیٹ بہت سی تکلیفوں سے نجات کا پاسپورٹ ہے۔ بہت سے لوگوں نے تو اس سرٹیفکیٹ کو گتے کے اندر چسپاں کر کے بڑی حفاظت سے رکھ رکھا ہے۔ جیسے یہ ایک ایسا تعویذ ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی بلا نزدیک نہیں آ سکتی۔

پھر جگی سیال نے اپنی تحریر ذیل میں اُتر پردیش کی دو جگہوں کی نس بندی کی کہانی بیان کی تھی۔

"اُتر پردیش کی ایک مشہور گڑ منڈی۔
مقام مظفر نگر۔
محلہ کھالاپار۔

قصہ ہی نس بندی کا۔ سبھی قوموں کے لوگ اپنی رضامندی سے نس بندی کرا رہے تھے کہ اچانک افسروں نے مہم تیز کر دی کیوں کہ اُن کا کوٹہ بڑھا دیا گیا تھا۔ نتیجہ، زبردستی پکڑ پکڑ کر لوگوں کو لے جایا جاتا۔

کھالاپار محلے میں پولیس کی جیپ آئی اور محلے کے پانچ لڑکوں کو زبردستی سوطبر بورڈ کے نسبندی کیمپ میں لے گئی اور اُن کا آپریشن کر دیا گیا۔ دوسرے دن پھر وہی جیپ آئی اور اس بار آٹھ آدمیوں کو لے گئی جن میں کچھ کی عمر ستر اسی برس کی تھی اور کچھ سولہ سترہ برس کے کنوارے لڑکے بھی تھے۔ تیسرے دن اور پھر چوتھے دن بھی ایسا ہی ہوا اور محلے کے کنوارے لڑکے بھی اس مہم کے شکار ہوتے رہے۔ اب کی بار لوگ اِس ناانصافی اور نامناسب کاروائی کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے چوک میں اکٹھے ہو گئے۔ اتنے میں پولیس اور ضلع کے افسر بھی موقع پر پہونچ گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ جن آدمیوں کو پولیس نے زبردستی جیپ میں بٹھا لیا تھا۔ اُنھیں واپس کیا جائے۔ کچھ نوجوانوں نے نعرے لگا کر اپنے غصہ اور ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر پولیس کو فائرنگ کا حکم مل گیا۔ پہلے آنسو گیس کا دھواں اور پھر گولیوں کی آواز! پولیس نے گلی کے اندر گھس گھس کر گولیاں چلائیں۔

مرنے والوں میں تیس سال کا نوجوان ستار بھی تھا جس کے باپ جبار کی عمر ستر برس کی تھی۔ دو ہفتوں کے بعد اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اُسی دن وہ اپنی طلاق شدہ بہن قصیر کی شادی لے کر کے آیا تھا۔ اور بے حد خوش تھا اور اپنی دکان پر مست بیٹھا سائیکل کا پنکچر لگا رہا تھا۔ تبھی پولیس کی گولیوں نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کی بوڑھی ماں فاطمہ نے برستی آنکھوں سے کہا۔

"ہمارے گھر میں شادی کی خوشی میں پٹے گائے جا رہے تھے۔ ڈھولک بج رہی تھی کہ اچانک محلہ گولیوں کی آوازوں سے چونک اُٹھا۔ ایک بچے نے آکر خبر دی کہ گولی چل گئی ہے۔ اور

ستار مارا گیا ہے۔ دوسرے دن ستار کی لاش نالی میں پڑی ملی۔"

ایک اور بد نصیب چھوکرا رحمت بھی تھا جس کی عمر لگ بھگ بیس سال کی تھی اور جس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ مکان کی چھت پر مست بیٹھا اپنے آپ میں مگن کچھ گنگنا رہا تھا کہ ایک گولی اُس کے سینے میں اُتر گئی۔ معاوضے کے طور پر اُس کی پچھتر سال کی بوڑھی ماں کو سرکار نے پانچ ہزار روپے دیئے تو اُس نے یہ رقم مسجد کو دے دی اور کہا۔

"میرا گذارہ تو اللہ کر دے گا۔ میں بیٹے کے عوض اِن روپوں کو لے کر کیا کروں گی؟ گلی کے مکانوں اور دُکانوں کی دیواروں پر اور ٹیلی فون کے کھمبوں پر گولیوں کے گہرے نشان آج بھی اُس خونی داستان کے گواہ ہیں جو بے گناہ معصوم لوگوں کے لہو سے لکھی گئی اور اُسے لکھنے کے لئے قلم نہیں بلکہ بارود کی بُو سے جلتی بندوقیں استعمال کی گئی تھیں۔"

اُتر پردیش کا ہی ایک اور مقام!

کیرانہ! ایک تاریخی قصبہ۔

مظفر نگر میں ہوئے مظالم کی تحقیقات کی مانگ کے لئے ایک پُر امن جلوس پر اچانک لاٹھی چارج اور پھر فائرنگ!

مسجد تاجے خاں شہید میں دوپہر کی نماز پڑھتے ہوئے نمازیوں پر پولیس کے ہاتھوں گولیوں کی بوچھاڑ!

پچھتر برس کا عبدل اور ساٹھ سال کا حاجی منظور سجدے میں ہی ہلاک ہو گئے۔ تیس سال کا نوجوان ابراہیم اپنے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا کہ گولی کا نشانہ بن گیا۔ کئی نمازی مسجد کی اونچی دیوار سے کود گئے ورنہ وہ بھی مارے جاتے۔

مسجد کی دیواریں آج بھی اپنے سینے پر گولیوں کے نشان لئے موجود ہیں اور اُن مظالم کی گواہی دے رہی ہیں کہ جو ایک سہ پہر خدا کے معصوم بندوں پر ڈھائے گئے۔

اور میرے دوست اِن میں سے کسی بھی واقعہ کا ذکر کسی بھی اخبار میں نہیں چھپا کیونکہ حکومت کی طرف سے خبریں چھاپنے پر پابندی ہے۔ لیکن میرے پاس بہت سی تصویریں موجود ہیں جن کی زبانی تم پوری داستانیں سُن سکتے ہو!

Scanned by CamScanner

ظلم کی کوئی انتہا نہیں کیوں کہ یہ ظالم کی لونڈی ہے۔ اور لونڈی کو جس طرح چاہو استعمال کر سکتے ہو۔ کبھی اُسے کوٹھے پر بٹھا دو، کبھی چوراہے پر نچوا دو۔ کبھی اُس کے کپڑے تار تار کر کے اُسے گلیوں میں ننگا گھماؤ۔ ظلم خاموش ہے کیوں کہ اُس کی زبان اُس کے اپنے پاس نہیں۔ اُس کے آقا کے پاس ہے۔ جو کبھی فرعون بنتا ہے، کبھی نمرود، کبھی ہلاکو بنتا ہے، کبھی چنگیز خان، کبھی جلیانوالہ باغ کا جنرل ڈائر بنتا ہے تو کبھی پھانسی دینے والا جلاد!

کچھ دیر اور اس ننگے ناچ کو دیکھ لو۔ یہ رات کا پچھلا پہر ہے اور برسات نزدیک ہے! تم بھی انجم اور اس کے ساتھیوں کی طرح اُس برسات کا انتظار کرو۔

"ہیر کا عاشق"

میرے ذہن کا تناؤ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ کئی دنوں سے جو ایک سوال رہ رہ کر میرے من کو چھید رہا تھا اُس کی نوک جگی سیال کی تحریروں کو پڑھ کر اور بھی تیکھی ہو گئی۔ میں نے سوچا ایک بار جب انجم سے ملاقات کرنے پھانسی جیل میں جاؤں گی تو سب سے پہلا سوال اُس سے یہی کروں گی اور اُس سے پوچھوں گی کہ جیلوں میں تو تنہائی بندی کا کوٹہ مقرر نہیں کر دیا گیا تھا؟

لیکن میں انجم سے یہ سوال پوچھ ہی نہ سکی۔ اس سوال کا زہر دل و دماغ میں ہی سرایت کرتا چلا گیا۔

میں میرے آبا مجھے اور نرگس کو انجم سے ملاقات کرانے کے لئے پھانسی لے گئے اور جب ہم جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں پہونچے تو ہمیں انجم سے ملاقات کرنے سے روک دیا گیا۔ کیوں کہ اُس نے پچھلے کئی دنوں سے جیل میں بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔

"اگر آپ یہ یقین دلائیں کہ انجم ملاقات کے دوران بھوک ہڑتال ختم کر دے گا تو میں ملاقات کرا سکتا ہوں۔"

"یہ تو بڑی عجیب شرط رکھی ہے آپ نے سپرنٹنڈنٹ صاحب"۔ میرے ابا نے پوچھا۔

"شرط کیسی ہے اس سے غرض نہیں۔ آپ کو منظور ہے یا نہیں؟"

میرے ابا خاموش ہو گئے اور انھوں نے ایک بار میری طرف اور پھر نرگس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

Scanned by CamScanner

"کہو نرگس ؟"

" ساجرہ سے پوچھیے" نرگس نے کہا۔

" فوراً جواب دیجئے۔ مجھے ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے"۔

سپرنٹنڈنٹ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہی افسروں کا اقتدار بھرا بیتیرہ۔

" ہمیں یہ شرط منظور نہیں"۔ میں نے جواب دیا۔

" آپ لوگ جا سکتے ہیں" جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے بڑے کرخت لہجہ میں کہا۔

میں اپنی آنسو بھری آنکھیں پونچھتی ہوئی اُس کے دفتر سے باہر نکل آئی۔ نرگس بھی رو رہی تھی۔ ابا نہایت ہی نڈھال قدموں سے ہمارے پیچھے چلے آرہے تھے۔

ہم نے دہلی واپس پہونچ کر یہ نہیں بتایا کہ ہمیں انجم سے نہیں ملنے دیا گیا تھا۔ میں ایک پاکباز اور بیمار ماں سے سراسر جھوٹ بولتی رہی۔

" ارشد کیسا تھا ؟" اماں نے پوچھا۔

" اچھا تھا۔"

" بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ بہت خوش ہو گیا ہوگا"۔

" ہاں۔"

" میرے بارے میں فکرمند ہوگا ؟"

" بہت فکر کر رہا تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ اماں جان سے کہو جلدی سے تندرست ہو جائیں۔ اب میں شاید جلدی رہا ہو جاؤں گا۔"

" اچھا !" اماں یہ سُن کر بہت خوش ہوئیں۔

" ہاں اماں جان !" اب میرے جھوٹ میں نرگس بھی شریک ہو گئی تھی۔

مجھے بعد میں اتنا بے بنیاد جھوٹ بولنے کا افسوس بھی ہوا لیکن اگر میں جھوٹ نہ بولتی تو اماں پر اس بات کا بے حد بڑا اثر پڑتا کہ ہمیں انجم سے ملنے سے روک دیا گیا اور اس نے جیل میں بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔

مجھے لگا جیسے آزمائش کا دور اب اپنے پورے عروج پر تھا۔ اس کے بوجھ سے کون

Scanned by CamScanner

ٹوٹے گا اور کون بچے گا یہ کون جانتا تھا۔ میں اپنے کمرے کے فرش پر دھلی ہوئی چادر بچھا کر سجدے میں گر گئی اور خدا سے دعا کی کہ وہ انجم کو آزمائش کے اس کڑے دور سے صحیح سالم گھر واپس لادے!

اگلی صبح اخبار تو دیکھا تو اتنی ڈھیر ساری طویل اور بوجھل اور نفیس خبروں کے درمیان ایک چھوٹے سے حاشیئے میں گھری ایک نہایت ہی اہم خبر تھی۔ گورودیو کو خرابی صحت کی بنا پر رہا کر دیا گیا تھا۔

اُسی دوپہر کو جب اماں غسل خانے میں جانے کے لئے بستر سے اُٹھیں تو انہیں چکر آ گئے اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر گئیں۔

حالات کہاں سے کہاں پہونچ رہے تھے۔

شبنم کی ماتا جی پہلی بار ہمارے گھر آئی تھیں۔ سفید ساڑھی میں اُن کا گورا گورا چہرہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ کالے بالوں میں کہیں کہیں چمکتی ہوئی چاندی کی لکیر اُن کی شخصیت کو بڑا وقار دے رہی تھی۔ نرگس تو شبنم کے گھر اکثر جاتی رہتی تھی۔ اس لئے انھیں جانتی تھی لیکن سب نے انھیں پہلی بار دیکھا تھا۔ اماں نے بھی انہیں اُس دن پہلی ہی مرتبہ دیکھا تھا۔

نرگس نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھولتے ہوئے جب انہیں سلام کیا تو انہوں نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کی اور نرگس کو اپنے دائیں بازو کے گھیرے میں لے لیا۔ نرگس نے پہلے انہیں اماں سے متعارف کرایا پھر مجھ سے۔

"میں تو بہت دنوں سے آپ کے درشن کرنے کی سوچ رہی تھی۔ لیکن آ ہی نہیں سکی" وہ اپنی ہندی اردو کی بھی زبان کا استعمال کر رہی تھیں۔

Scanned by CamScanner

"آپ کی مہربانی ہے۔" اماں نے بستر میں اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"آپ لیٹے رہیئے۔ مجھے شبنم نے بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت بہت دنوں سے خراب چل رہی ہے۔"

"بوڑھی عمر میں تو کوئی نہ کوئی مرض ویسے ہی چمٹ جاتا ہے۔"

"آپ نے دکھ بھی تو بہت سہا ہے۔"

میں شبنم کی ماتا جی کے سامنے اماں کے بستر پر بیٹھ گئی۔ اور نرگس باورچی خانے میں چائے بنانے چلی گئی۔

"نرگس بیٹی چائے نہ بنانا آج منگل ہے اور میرا برت ہے۔"

نرگس باورچی خانے سے باہر آگئی۔

"تو آج منگل ہے۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آپ تو پہلے ہنومان جی کے مندر جائیں گی پھر کچھ کھائیں گی۔"

"ہاں بیٹی۔ میں تو دن بھر پانی بھی نہیں پیتی۔"

"آپ نے اچھا دن چنا ہے ہمارے گھر آنے کے لئے آنٹی جی۔" میں نے کہا۔

"آ تو گئی۔ تم لوگوں میں سے تو کوئی ادھر آتا ہی نہیں۔"

"شبنم کا خط آیا کوئی ان دنوں؟" نرگس نے پوچھا۔

"پرسوں ہی آیا تھا۔ اس نے تاکید کی تھی کہ میں تمہاری اماں جی کا حال پوچھنے ضرور جاؤں۔"

"آپ کا شکریہ"۔ اماں نے کہا۔

"ایلن کے ممی ڈیڈی کا کیا حال ہے؟" نرگس نے پوچھا۔

"وہ میرٹھ چلے گئے ہیں۔ وہاں ایلن کے انکل رہتے ہیں۔ بے چارے بہت پریشان تھے۔"

"ایلن بہت اچھا لڑکا ہے۔" میں نے غیر ارادی طور پر کہہ دیا۔

"یہ تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ لیکن وہ لوگ عیسائی ہیں، ہم برہمن۔ شبنم کی شادی اس سے نہیں ہو سکتی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے انٹی۔ لڑکا اچھا ہونا چاہیئے۔" نرگس بولی۔

Scanned by CamScanner

"بہت فرق پڑتا ہے بیٹی۔ ہماری ایک ہی لڑکی ہے۔ وہ بھی عیسائیوں کے گھر چلی جائے ہمیں تو برادری والے برادری سے نکال دیں گے۔"

"بہن جی ملک میں رہنے والے سبھی لوگ ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب زمانہ مذہب کی حدوں سے بہت آگے نکل آیا ہے۔"

"ہم لوگ پرانے وچار کے ہیں بہن جی۔"

"لیکن شبنم سے بھی پوچھا ہے آپ نے؟" نرگس نے کہا۔

"وہ تو ایلن سے ہی شادی کرنا چاہتی ہے۔ دراصل وہ شانتا کے ساتھ بھی مجھ سے جھگڑا کر کے گئی ہے۔ شادی ہی کی بات چلی تھی اور وہ ناراض ہو کر چلی گئی۔"

"اُس نے ہمیں یہ تو نہیں بتایا۔" نرگس نے کہا۔

"میں جو بتا رہی ہوں۔"

"شبنم بڑی اچھی لڑکی ہے۔ سچی اور کھری اور بڑی سینسی ٹو۔ آپ اُس کی بات مان لیں۔" میں نے کہا۔

"آپ دیکھئے نرگس انور سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔ حالاں کہ وہ خاندان ہمارے خاندان سے میل نہیں کھاتا لیکن میں نے انکار نہیں کیا۔" امّاں نے کہا۔

"لیکن ایلن کا تو مذہب ہی دوسرا ہے بہن جی۔"

"آپ ضد نہ کریں، ایلن اچھا لڑکا ہے۔"

"ابھی تو بے چارہ جیل میں ہے۔ اُس کے ماتا پتا بھی پریشان ہیں۔"

"تو آپ جلدی نہ کیجئے۔ معاملے پر اور غور کیجئے۔" امّاں نے کہا۔

یہ بحث ختم ہو گئی۔ پھر انجم کا ذکر آیا۔ میرے ابّا اور امّی کے بارے میں بات چلی۔ پھر موجودہ حالات پر گفتگو ہوئی اور سب سے آخر میں امّاں کی بیماری اور علاج کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی اور پھر شبنم کی ماتا جی چلی گئیں کیوں کہ اُنہیں مندر بھی جانا تھا اور پھر گھر جا کر اپنے لئے کھانا بھی بنانا تھا۔

اُن کے جانے کے بعد کچھ دیر نرگس شبنم کے گھر والوں کے بارے میں بات کرتی رہی لیکن

اماں نے زیادہ دلچسپی نہ لی کیوں کہ دو ایک بار بستر میں اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش میں اور زیادہ بات کرنے سے وہ بہت تھک گئی تھیں اور اب آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹ گئی تھیں۔ دراصل اب اماں کی حالت اچھی تھی ہی نہیں۔ وہ بے حد کمزور ہو گئی تھیں اور کھانا پینا بھی بس واجبی سا رہ گیا تھا۔

ایک دن میں نے ابا جان سے کہا کہ وہ کسی وکیل سے مشورہ کر کے انجم کو دہلی جیل میں منتقل کرانے کی کوشش کریں۔ اماں اس لئے بڑی ڈی پریسڈ تھیں کہ انھوں نے پچھلے کئی مہینوں سے انجم کو نہ دیکھا تھا۔ جب بھی کبھی اس کا ذکر ہوتا وہ رونے تک جاتیں۔ ابا کو بھی میری رائے سے اتفاق تھا۔

"میں اپنے جاننے والوں سے مل کر بات کرتا ہوں۔"

"ابا جان اگر انجم یہاں کی جیل میں ٹرانسفر نہیں ہوتا تو اماں نہیں بچیں گی۔"

"میں کوشش کروں گا بیٹی"

"میں خود بھی تو اُسے بہت دنوں سے نہیں دیکھ پائی۔"

"مجھے بھی احساس ہے اس بات کا۔"

ابا نے اماں کی طرف سے ایک درخواست دلوائی اور اُس میں اُن کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے انجم کو جھانسی جیل سے دہلی جیل میں منتقل کئے جانے کے لئے اپیل کی۔ بڑا طویل پروسیس تھا۔ اس پر کب عمل ہوگا اور کیا فیصلہ ہوگا کوئی بھی وثوق سے نہ کہہ سکتا تھا۔ بہر حال ابا نے اپنے سبھی جاننے والوں سے اس معاملہ میں مدد لینا شروع کی۔ ایک دن جب میں نے کیس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا۔

"بڑا ہی پیچیدہ پروسیس ہے اور سوائے ہمارے اس میں کسی کو دلچسپی نہیں، کسی کی ماں مرتی ہے یا جیتی ہے ایمرجنسی کے مالکوں کو اس سے کیا غرض!"

"یہ تو ٹھیک ہے ابا جان لیکن اس کا کوئی تو حل ہوگا۔"

"فرزانہ آپا ہے اس کا حل سُنا ہے اُس نے کئی لوگوں کی جان بخشوائی ہے۔"

"آپ کہہ رہے ہیں مجھ سے یہ بات؟"

"تم نے حل پوچھا تھا میں نے بتایا ہے۔ یہ تو نہیں کہ تم اس طریقہ کار کو استعمال بھی کرو۔"

"کہیئے گا بھی نہیں ابا جان۔"

ابا نے میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"مجھ پر بھروسہ رکھو۔ قریشی نے اپنے اصولوں سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔"

"مجھے معلوم ہے ابا جان۔ میں بہک گئی تھی۔ معافی چاہتی ہوں" مجھے رُلائی آ گئی۔

"آئی انڈرسٹینڈ"۔ انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ جیسے اب مجھے ہر حملے سے محفوظ کر لیا ہو۔

اُس زمانے میں پرنس کے بڑے چرچے تھے۔

پنجاب میں تو اس کے اکثر چکر لگتے رہتے تھے۔ کہیں کسی فرلانگ بھر نہر کی کھدائی ہو تو وہ وہاں موجود ہوتا تھا۔ کبھی کسی گاؤں کی شکل بدلنے کی چھوٹی سی اسکیم ہو تو مہمانِ خصوصی وہی ہوتا تھا۔ کبھی ہریجن بستی میں کچھ چھوٹے چھوٹے مکان تعمیر ہونے کی بات ہو تو وہ وہاں بھی پہونچ جاتا تھا۔ ایک آدھ ایسی ہی تقریب میں شاناپوانہ اور شبنم بھی گئی تھیں۔ ہزاروں کی بھیڑ میں اُنہیں کون پہچانتا تھا۔ شانا نے لکھا تھا کہ حکمران پارٹی کے بڑے بڑے پرانے لیڈر جنھوں نے حصولِ آزادی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں۔ پرنس کے درباریوں کی طرح اُس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ اور وہ اُن کے ساتھ کمال بے نیازی اور تقرعونیت سے پیش آتا تھا۔ ان لوگوں نے اس کا مقابلہ شہنشاہ اکبر، چنگیز اور دوریکا نند سے کرنا شروع کر دیا تھا۔ کہاں کی اینٹ تھی اور اُسے کہاں لگایا جا رہا تھا۔

"ہندوستان کی سیاست کے آسمان پر اچانک ہی ایک نیا دُمدار ستارہ اُبھر آیا ہے۔ اُس کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ لیکن سُنا ہے کہ ستارے کبھی ٹوٹتے بھی ہیں۔ کیا یہ ستارہ بھی کبھی ٹوٹے گا۔ اور پاتال کی گہرائیوں میں گرے گا؟ شاید کبھی ایسا ہو لیکن فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں۔ کچھ دیر ملک کے نوجوانوں کا دھیان بنیادی ستون سے ہٹا کر وقتی مصلحتوں کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ بنیادی مسئلے تو حل بھی نہ ہوں۔ نوجوان ایک تنظیم میں تو آئے ہیں۔ جب کبھی یہ تنظیم ٹوٹے گی تو اُنہیں کتنی فرسٹریشن ہو گی اس کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں۔ اس طرف کسی کو دھیان دینے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ حقیقی کاروائی تو اِس تنظیم کے ٹوٹنے کے بعد ہی ہو گی۔

بس اتنا ہوا کہ اس تقریب کے بہانے ہم کچھ روز چنڈی گڑھ چلی گئیں۔ چنڈی گڑھ نزدیک ہی تو تھا۔ سوچا اپنی کچھ دوستوں سے مل آؤں۔ شبنم کو یہ شہر بے حد پسند ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اپنی شادی کے بعد وہ یہیں سیٹل ہو گی۔ وہ تو سچ اس شہر پر عاشق ہو گئی ہے۔ اگر تم بھی کسی پر

عاشق ہونا چاہتی ہو تو یہاں آ جاؤ۔ لیکن آج کل یہاں سردی بہت ہے۔ بے حد تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ کل رات ہلکی سی بارش بھی ہو گئی تھی۔ اس شہر کا موسم بالکل آج کل کی پڑھی لکھی محبوباؤں کے مزاج کی طرح ہے۔ پل میں کچھ پل میں کچھ۔

بہت دنوں کے بعد تو کھل کر جینے کا موقعہ ملا ہے۔ یہاں یونیورسٹی کی میری کچھ فرینڈز بھی مل گئی ہیں۔ نیو ایئرز ایو (New Years eve) یہیں منانے کا ارادہ ہے۔ لیکن کم بختوں کو پرنس کا کتنا کریز ہے۔ وہاں تقریب میں بھی پہونچی ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ تصویریں اتروانے کو مری جا رہی تھیں۔ اُسے خود بھی تو خوب صورت لڑکیوں کے ساتھ تصویریں اتروانے کا بے حد شوق تھا۔

اُن دنوں کے اخبارات تو یس پرنس اور میڈم اور اُن کے اندرونی حلقے کی تصویروں سے بھرے پڑے تھے۔ پرنس کی اتنی ساری تصویروں کو اخباروں میں دیکھ کر نرگس نے کومینٹ کیا تھا۔

"یہ دُمدار ستارہ تو پورا چاند بنتا جا رہا ہے۔ اس کے ٹوٹنے کے قطعی کوئی آثار نہیں"۔

"ایسا ہی لگتا ہے" میں نے جواب دیا تھا۔

اور ہمارے اس خیال کی تائید کچھ دنوں بعد سکھ پال سنگھ کے ایک خط سے ہوئی۔ جس میں اُس نے پنجاب کے ایک شہر میں آرگنائیز کی گئی ایک بہت بڑی ریلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"جتنے لوگ آج کی ریلی میں جمع ہیں اور جتنا پُرجوش استقبال پرنس کا آج ہوا ہے پنجاب کی تاریخ میں اس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کئی دنوں سے لوگوں کو دُور دُور سے ٹرکوں، بسوں اور گاڑیوں میں ڈھویا جاتا رہا ہے۔ اُن میں گاؤں کے وہ غریب اور سادہ کسان بھی ہیں جنھیں نہ پرنس سے دلچسپی ہے نا اُس کی ماں سے۔ اُن کا دھیان اس وقت بھی جب وہ اونچے اور جھوٹے اور بے مطلب نعرے لگا رہے ہیں اپنے کھیتوں کی طرف ہے جہاں کڑاکے کی سردی سے گیہوں کی فصل کو نقصان ہو رہا ہے میں پریس گیلری میں پہونچ گیا تھا۔ ایک پاس مل گیا تھا مجھے۔ اس لئے میں نے سارا تماشہ قریب سے دیکھا ہے۔

ریلی کا تماشہ تو بہت مختصر تھا۔ جلد ہی ختم ہو گیا۔ پھر پرنس کو ہیلی کاپٹر پر واپس جانا تھا۔ صوبے کے سبھی بڑے بڑے لیڈر پرنس کو ہیلی کاپٹر میں بٹھانے کے لئے جمع تھے۔ اچانک پرنس کی چپل ڈھیلی ہو گئی تھی اور پاؤں سے نکل نکل کر باہر جاتی تھی۔ تبھی میں نے دیکھا پنجاب کا ایک بہت

بڑا لیڈر نیچے جھک کر پرنس کی چپل کس رہا تھا۔

سکھ پال سنگھ کے خط کی آخری سطر پڑھ کر میں نے کہا۔

"ذلت کی انتہا ہے"۔

"پرنس کی چپل کسنے سے اُس نے اپنی کرسی کے پیچ بھی تو کس لئے ہیں"۔ نرگس نے جواب دیا تھا۔

سیاست میں کب کون سا انقلاب آجائے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کی رات میں حکومتوں کے تختے اُلٹ جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے لیڈر قتل ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے ——— ہاتھوں میں حکومتوں کی باگ ڈور آجاتی ہے۔

میرے خیال سے کچھ اس قسم کی بات ہوئی تھی ہمارے ملک میں بھی۔ لیکن یہ میری ذاتی رائے تھی۔ پرنس کی اس اتنی بڑی ہار کے تیسرے دن اخباروں میں یہ اعلان چھپا کہ نئے الیکشن ہو رہے ہیں۔ بڑے اچنبھے کی بات تھی۔ لیکن جب اس پر اور غور کیا اور ابّا سے بات ہوئی تو انھوں نے کہا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ برسر اقتدار سیاسی پارٹی کے لئے الیکشنز کا سب سے مناسب وقت یہی ہے"۔

"کیسے ابّا جان؟"

"مخالف پارٹیوں کے سبھی چھوٹے بڑے لیڈر قید ہیں۔ اس وقت چناؤ کے لئے حالات بے حد سازگار ہیں"۔

نرگس نے پوچھا۔

"آپ کا خیال ہے کہ لوگ حکمران پارٹی ہی کا ساتھ دیں گے اور بھول جائیں گے کہ پچھلے ڈیڑھ سال میں اُن کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں ہوئی ہیں"۔ وہ کیا لوگوں کو ترکمان گیٹ کا المیہ یاد نہیں رہا ہوگا۔ یہ ہزاروں لوگ میسا کے تحت قید ہیں اُن کے گھر والے اب بھی حکمران پارٹی ہی کو ووٹ دیں گے"۔ میں نے سوال کیا۔

"اور وہ بجلی کے کھمبے اور مسجدوں کی دیواریں جن پر گولیوں کے نشان ہیں۔ سب خاموش رہیں گے؟" نرگس نے پوچھا۔

"اور وہ ہونٹ جنھیں گرم گرم لہو سے بند کیا گیا ہے کبھی نہ چیخیں گے ابا جان؟" میں نے کہا۔

"اُنہیں چیخنا چاہیئے"۔

"اگر اُنہیں چیخنا چاہیئے تو پھر چیخ کی گونجیں عوام کے دلوں میں نشتر بن کر اُتریں گی ابّا جان۔ نہ عوام خاموش رہیں گے نہ وقت"۔ نرگس نے جواب دیا تھا۔

Scanned by CamScanner

"کاش ایسا ہو سکے!" ابا جان بڑی افسردگی سے بولے۔

یہ بات غالباً جنوری ۷۷ء کے تیسرے ہفتے کی تھی۔

اُس کے بعد اخباروں میں یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ مخالف پارٹیوں کے جو لیڈر گرفتار کئے گئے تھے اُنہیں رہا کیا جا رہا تھا۔

شاید انجم بھی چھوڑ دیا جائے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ابھی میسا کے تحت گرفتار کئے گئے نظر بندوں کو نہیں چھوڑا گیا۔

پھر ایک دن اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ رام لیلا گراؤنڈ میں ایک ریلی ہو رہی تھی جسے گرو دیو خطاب کرنے والے تھے۔ میں اور نرگس بڑی ایکسائیٹڈ تھیں اماں نے ہمیں اُسے جلسے میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ رام لیلا گراؤنڈ قریب ہی تو تھا۔ اپنی گلی سے نکل کر ترک مان گیٹ تک جانا اور پھر رام لیلا گراؤنڈ تو وہاں سے بالکل سامنے تھا۔

اتوار کا دن تھا۔ نرگس اور میں قریب ۲ بجے اپنے گھر سے نکل کر رام لیلا گراؤنڈ کی طرف چلی گئی تھیں انور بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ترک مان گیٹ کے باہر جہاں کبھی رونق ہی رونق ہوا کرتی تھی ایک پُر اسرار ویرانی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے تمام رام لیلا گراؤنڈ لوگوں سے بھر گیا۔ ہم دونوں چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئیں۔ میں نے اُس دن پہلی بار گرو دیو کو اتنی قریب سے دیکھا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے میڈم کو اتنا سخت خط لکھا تھا جسے کئی ماہ پہلے سری واستو نے ہمیں بھیجا تھا اور اُس دن انجم اور اُس کے دوست گرفتار کئے گئے تھے۔ یہ وہی نڈر رہنما تھا جس کی ڈائری کے کچھ صفحے جانے کیسے سری واستو نے حاصل کر کے ہمیں بھیجے تھے جب گرو دیو نے تقریر کی تو لاکھوں کے ہجوم میں پوری خاموشی تھی۔ اُن کی صحت اب بھی ٹھیک نہ لگتی تھی۔ وہ اب بھی بہت کمزور نظر آ رہے تھے۔

اُس روز ایک عجیب بات ہوئی تھی۔

ٹیلی ویژن پر شام کو چھ بجے اتوار کے دن ایک فلم دکھائی جاتی تھی۔ اعلان کے مطابق "وقت" فلم دکھانے کا پروگرام تھا لیکن ٹیلی ویژن کے افسران نے اوپر سے آئے ہوئے کسی حکم کی تعمیل میں "وقت" کی جگہ فلم "بوبی" کو دکھانے کا اچانک اعلان کر دیا تھا اور وقت میں چھ بجے کی بجائے پانچ بجے کر دیا تھا۔ یعنی گرو دیو کی ریلی کا مقابلہ "بوبی" سے کیا جا رہا تھا بعض دفعہ افسران کتنی مضحکہ خیز حرکتیں کرتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

اُنھوں نے یہ سوچا تھا کہ "بوبی" فلم کو دیکھنے کے شوق میں لوگ رام لیلا گراؤنڈ میں نہیں جائیں گے۔

جب ریلی ختم ہوئی تو جلسے کو خطاب کرنے والے لیڈروں میں سے ایک نے مذاق میں کہا۔

"آپ نے ہمیں سُن لیا ہے۔ اب گھر جا کر "بوبی" فلم دیکھئے"۔ اور اس پر ایک فلک شگاف قہقہہ گونجا جس میں ریلی میں جمع لاکھوں لوگوں کا طنز شامل تھا۔ ریلی کے دوران ایک ہوائی جہاز نے کئی بار رام لیلا گراؤنڈ کے اوپر چکر لگائے۔

جب ہم ریلی سے اُٹھ کر اپنے گھر کی طرف چلیں تو ہر آدمی کی زبان پر یہی تھا کہ دہلی میں اتنی بڑی ریلی آج تک آرگنائز نہیں ہوئی تھی۔

انور ہمیں گھر تک چھوڑ کر چلا گیا۔

پچھلے کچھ ہفتوں میں ایک اور بات بھی ہوئی تھی۔

وہ مشہور سوشلسٹ لیڈر جو اب تک انڈر گراؤنڈ تھا ایک فرضی ڈائنامائیٹ سازش کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ وہی لیڈر تھا جس کے انڈر گراؤنڈ ہو جانے کی وجہ سے اس کے دو بھائیوں پر ستم ڈھائے گئے تھے اور مشہور فن کارہ سینہہ لتا ریڈی کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئی تھیں۔ تازہ خبروں کے مطابق جب اس اداکارہ کو رہا کیا گیا تھا اُس کے کچھ ہی دن بعد اُس کی موت ہو گئی تھی۔

ظاہر تھا کہ جیل میں قید رکھے گئے لوگوں پر بے انتہا مظالم کئے گئے تھے۔ گورو دیو کے دونوں گردے خراب ہو گئے تھے اور اُنہیں اُس وقت جیل سے رہا کیا گیا تھا۔ جب یہ اُمید تھی کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں گے۔ کچھ لوگ جو بہت مشہور اور اہم نہ تھے جیل میں ہی مر گئے تھے اور اُن کے بارے میں صحیح خبریں بھی نہ دی گئی تھیں۔

ایک اور خبر جو آپا جان نے اگر دی وہ انجم کے دہلی جیل میں منتقل ہو جانے کی تھی۔ اس خبر سے جتنی خوشی اماں کو ہوئی تھیں اُتنی شاید مجھے بھی نہ ہوئی تھی۔ انجم کے دہلی میں منتقل ہو جانے کی وجہ سے اماں کی زندگی کی معیاد بھی بڑھ جائے گی۔ لیکن مجھے جانے کیوں یہ دھڑکا تھا کہ انجم کی صحت ضرور خراب ہو گئی ہو گی۔ اُس کا احساس دل و دماغ جھٹکا تو نہیں تھا لیکن وہ ٹوٹ ضرور گیا تھا۔ جانے کیوں مجھے یہی خوف دن رات ستائے جا رہا تھا۔ ہم نے انجم سے ملاقات کرنے کے لئے درخواست دی لیکن وہ نامنظور کر دی گئی۔ اس بنا پر کہ وہ اسپتال میں زیرِ علاج تھا اور ڈاکٹروں نے اُس سے ملاقات کرنے پر پابندی

لگا رکھی تھی۔ جس روز آپ نے ہمیں یہ اطلاع دی وہ رات ہم تینوں کے لئے قیامت کی رات تھی۔ جانے کتنے مہینے ہو گئے تھے انجم کو دیکھے ہوئے۔ وہ خود ہم سے ملنا نہیں چاہتا یا افسران اُسے کسی سے نہیں ملنے دیتے کون سی بات ٹھیک تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"ارشد سے ہمیں کیوں نہیں ملنے دیا جا رہا ہے ساحرہ؟" نرگس کا سوال تھا۔

"میں خود حیران ہوں۔"

"کیا وہ اتنا بیمار ہے کہ کسی سے مل بھی نہیں سکتا۔ اپنی بیوی اور بہن سے بھی نہیں؟"

"میں کیا بتاؤں نرگس۔ دل میں بُرے بُرے خیال آتے رہتے ہیں۔"

اماں تو ہم دونوں سے بھی زیادہ پریشان تھیں۔ اُن کے سوالوں کا جواب نہ میں دے سکتی تھی نہ نرگس نہ انور دے سکتا تھا نہ میرے ابا۔ اماں کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے جس ہمت اور حوصلے کی ضرورت تھی وہ ہم میں سے کسی کے بھی پاس نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ ہم سب اپنے آپ پر دُکھی ہوتے رہیں اور کڑھتے رہیں۔ کچھ بھی تو نہ کر سکتے تھے۔ جس ذہنی اذیت کا سامنا ہم جیل سے باہر اپنے گھر کی چار دیواری میں کر رہے تھے وہ اس اذیت سے کسی طرح کم نہ تھی جو جیل کے اندر رہنے والے لوگ برداشت کر رہے تھے۔ ہم آزاد ہو کر بھی مجبور تھے اور ہم بھی کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ایک دم بے دست و پا اور محتاج ہو گئے تھے ہم لوگ۔

شانتا بوا نہ کا خط آیا تھا۔ وہ اور شبنم اور سکھ پال سنگھ چنڈی گڑھ جا رہے تھے کیوں کہ گورودیو وہاں ایک ریلی کو خطاب کرنے والے تھے۔ اُنھوں نے اب تک گورودیو کو نہیں دیکھا تھا اور یہ ایک اچھا موقع تھا جب وہ اُنہیں دیکھ بھی سکتے تھے اور اُن کی تقریر بھی سن سکتے تھے۔ اب انڈر گراؤنڈ رہنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ اب تک میسا کے تحت پکڑے ہوئے لوگ بھی چھوڑے جا رہے تھے یہ خط جس روز ملا اُسی روز ہی تو چنڈی گڑھ کی ریلی تھی۔ ۲۵ فروری ۷۷ء۔ لیکن گورودیو اچانک بہت سخت بیمار ہو گئے تھے اور وہ بجائے چنڈی گڑھ آنے کے بمبئی چلے گئے تھے اُسی اسپتال میں جہاں وہ پہلے بھی زیرِ علاج رہ چکے تھے۔

شانتا نے اپنے دوسرے خط میں لکھا کہ لوگوں کو بے حد مایوسی ہوئی جب اُنہیں گورودیو کی اچانک بیماری کی خبر ملی اس عظیم الشان ریلی میں جو ۲۲ سیکٹر کے نہرو پارک میں ہوئی تھی لوگوں نے پوری خاموشی سے گورودیو کی ریکارڈ کی ہوئی اپیل سُنا تھا جس میں اُنھوں نے بیماری کی وجہ سے عوام کے سامنے حاضر

ہونے میں مجبوری اور بے بسی کا اظہار کیا تھا۔ اور اُنہیں ایک سیدھا اور صاف پیغام دیا تھا کہ وہ پچھلے تیس سال کی کارگذاریوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس بار حکمران پارٹی کے ہاتھ سے اقتدار چھین لیں کیوں کہ وہ عوام کے بنیادی مسئلوں کو بھی حل نہیں کر سکی تھی جن میں غریبی، بے روزگاری، تعلیم کے ہاتھ طاقت سونپنا شامل تھا۔ اُنہوں نے نوجوانوں سے خاص طور سے یہ توقع رکھی تھی کہ وہ اُن کا یہ پیغام گاؤں میں رہنے والے لوگوں تک پہونچائیں اور اُنہیں حکمران پارٹی کے ہاتھ سے اقتدار چھین لینے کے لئے تیار کریں۔

ایک ہفتے کے بعد شانتا لیوانہ، شبنم اور سکھ پال سنگھ دہلی لوٹ آئے۔ اور سب سے پہلے ہمیں ملنے آئے۔ پنجاب کی آب و ہوا نے شبنم کی صحت پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ اُس کا چہرہ پہلے سے زیادہ شگفتہ اور تازہ دکھائی دے رہا تھا۔

"لو اپنی امانت سنبھالو"۔ شانتا لیوانہ نے شبنم کو نرگس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھوک بجا کر دیکھ لو۔ سکہ کھرا ہے یا نہیں۔

"میں نے شبنم کے دونوں گالوں کو ہلکے سے تھپتھپایا اور کہا۔

"سکہ کھرا ہے"۔

اور پھر سب ہنس دیئے۔ اور گھر کی فضا نکھر گئی۔

کچھ ہی روز میں جگی سیال اور سری واستو بھی واپس پہونچ گئے۔ دونوں بہت تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

"وہ ہمارا پوسٹ مین کہاں ہے۔ جو اتنے دن ڈاک تار کا سلسلہ سنبھالے رہا ہے"؟ سری واستو نے انور کے بارے میں پوچھا۔

"اُسے کل ہلکا سا بخار تھا۔ میں نے اُسے آج اِدھر آنے سے روک دیا تھا"۔ میں نے کہا۔

"نرگس سے اجازت لے لی تھی آپ نے؟"

"جی ہاں"۔ نرگس نے مسکرا کر کہا۔ اب اُسے سری واستو سے کوئی شکایت نہ تھی۔ وقت نے اُس کا دل ایک دم صاف کر دیا تھا۔

"اور ہمارا شاعر ہیرو کیسا ہے؟" جگی سیال نے مجھ سے پوچھا

"بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی انجم سے"۔ میں نے کہا۔

"لیکن اب تو بہت سے لوگوں کو چھوڑا جا رہا ہے"۔

"جگی میں تمہیں ایک بات کہوں۔ انجم اور گروور اور اُن کے ساتھ جتنے بھی لوگ میسا میں قید ہیں۔ سب سے آخر میں چھوڑے جائیں گے"۔ سری واستو بولا۔

"اور ایلن؟" نرگس نے پوچھا۔

"اُسے شاید جلدی رہا کر دیا جائے"۔

اور وہی بات ہوئی۔ تیسرے روز ایلن بھی رہا کر دیا گیا۔

جب شبنم ایلن کو ساتھ لے کر ہمارے گھر آئی تو اُس کے ساری چوکڑی موجود تھی۔ اُنہیں دیکھتے ہی زور سے تالیاں بجائی گئیں اور پھر دونوں سے ہلکے پھلکے مذاق ہوتے رہے۔

اماں جی انجم کے ساتھیوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر خوش ہو گئی تھی اور اُس کی حالت بھی بظاہر اچھی لگنے لگی تھی۔

سری واستو یہ خبر لایا تھا کہ وہ سرکردہ رہنما جسے ایک فرضی سازش میں بطور مجرم جیل میں رکھا گیا تھا اُن دنوں بھوک ہڑتال پہ تھا کیوں کہ اُسے ضمانت پر رہا نہیں کیا جا رہا تھا کہ وہ اپنے حلقہ میں جا کر اپنے ووٹروں سے ملے اور اُنہیں ووٹ دینے کے لئے اپیل کرے۔ اُس بھوک ہڑتال میں انجم اور گروور بھی شامل تھے۔

"کم بخت اب بھی باز نہیں آتا"۔ سری واستو نے کہا۔

"جتنا انجم نے جیل والوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا شاید ہی کسی اور قیدی نے کیا ہو"۔ مگی بولا۔

"لیکن بھیّا جیل والوں نے اُس پر کیا ظلم کئے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"تم لوگ اتنا نہیں جانتے جتنا کہ ہم جانتے ہیں۔ میں نے بڑے تفصیلی نوٹس لے رکھے ہیں۔ ذرا ایکشن کا معاملہ ختم ہو تو فوراً کتاب لکھنا شروع کر دوں گا"۔ سری واستو نے کہا۔

"دیکھا ہے اماں کا کیا حال ہو گیا ہے انجم کی جدائی میں"۔ نرگس نے کہا۔

"سب دیکھ رہا ہوں۔ وقت آنے پر دوستوں کو بھی دکھاؤں گا۔ تم تھوڑا اور انتظار کرو"۔

اور پھر کچھ دنوں کے لئے یہ سارا ٹولہ غائب ہو گیا۔ ایکشن کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے وہ

سب اُس حلقے میں چلے گئے تھے جہاں سے پرنس الیکشن لڑ رہا تھا۔

"اگر پرنس جیت گیا تو میں سنیاس لے لوں گا" سُشری واستو نے کہا تھا۔

"اور میں رانجھے کی طرح کانوں میں مُندرے ڈلوا کر جوگی بن جاؤں گا" جگی سیال نے عہد کیا تھا۔

"اور تم کیا کرو گے ایئن؟" میں نے پوچھا تھا۔

"میں شبنم سے شادی کرلوں گا" اُس نے زور کا قہقہہ لگایا تھا۔

یہ سب اُس دن کی گفتگو کے حصے تھے جس دن وہ سارے دوست اماں کی دعائے کر الیکشن کی مہم میں شریک ہونے کے لئے گئے تھے۔

اور پھر ایک دن شاید الیکشن سے ایک ہی دن پہلے گوردودیو نے قوم کے نام اپیل جاری کی۔ اُس کے کچھ حصّے جب اخبار میں پڑھے تو نرگس اور میں کتنی ہی دیر تک گوردودیو کی فہم و فراست کی تعریف کرتی رہیں یہ ہم اماں جی کی بات تھی۔ اُنہوں نے اپنی اپیل میں کہا تھا۔

"ہندوستان کو آزاد کرو اور ڈکٹیٹروں کو شکست دو"۔

یہ آخری موقع ہے۔ اگر آپ چوک گئے تو اُنیس مہینوں کے ظلم اور تشدد کا دور انیس برسوں کی کڑی ہیبت میں بدل جائے گا۔

ہزاروں لوگوں کو جیل کی کال کوٹھری میں بند کرنا، انھیں طرح طرح کے اذیتیں دینا، اُن کے گھروالوں کو بے پناہ تکلیفیں پہونچانا اور مجبور اور غریب لوگوں کے گھروں کو برباد کرنا یہ سب کچھ محض اتفاقات نہیں ہیں یہی وہ سب کچھ ہے جو ڈکٹیٹر شپ کے عہد میں ہوتا ہے۔

کسی آزاد سماج میں ایسے مظالم کبھی بھی گوارہ نہ ہوتے بشرطیکہ آپ لوگ ان مظالم کے بارے میں کھل کر بات کرسکتے اور پریس اپنے آپ کو بے دست و پا کر نہ سمجھ کر کھلے انداز سے ان مظالم کے خلاف عوام کی رائے کو مضبوط بناسکتا ہے۔

"اگر آپ جنتا پارٹی کو ووٹ دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ عوام کے ہاتھ طاقت سونپ رہے ہیں اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے آپ مہاتما گاندھی کے خوابوں کا آزاد ہندوستان تعمیر کرسکتے ہیں"۔

کچھ ہی روز پہلے شاہی امام نے بھی کچھ ایسے ہی لہجے میں عوام سے اپیل کی تھی اور کہا تھا

"........ آپ سب لوگ اپنے بنیادی حقوق کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔

Scanned by CamScanner

جو پچھلے انیس ماہ میں آپ سے چھین لئے گئے ہیں۔ انگریزی حکومت نے بھی اپنے عہد حکومت میں عوام کو اُن کے بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں بنیادی حقوق کو حاصل کرنے کی جد وجہد میں پھانسی پر لٹکنے کو بھی تیار ہوں۔ ہزاروں لوگوں کو بے رحمی سے بے گھر کیا گیا تھا اور اُن کے مکانوں پر بُل ڈوزر چلائے گئے تھے۔ ترکمان گیٹ کی فائرنگ میں بہت سی جانیں تلف ہوئی تھیں۔ دہلی میں نس بندی کی مہم جبری طور پر چلائی گئی تھی۔ اور لوگوں کو بسوں سے اُتار کر آپریشن کئے گئے تھے ان مظالم کو کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے ....."

اور پھر لوگوں نے بڑے جوش و خروش سے انتخابات میں حصہ لیا اور گورودیو کے الفاظ کو اپنے سامنے رکھا اور جب انتخابات کے نتائج نکلے تو دُنیا حیران ہو گئی۔ میڈم اور پرنس اور کمپٹ لال اور اُن کے اندرونی حلقے کے سبھی لوگ ہار گئے تھے حکمران پارٹی سے رات ہی رات میں تمام اقتدار چھن گیا تھا اور خون کی ایک بوند نہ بہی تھی۔ جمہوری قدروں کی فتح کی دنیا بھر میں ایسی پہلی مثال تھی۔ بابائے قوم کے اصولوں کی پیروی آج کی تھی اُس کی قوم نے حقیقی معنوں میں۔

میڈم نے اپنی اور اپنی پارٹی کی شکست کے اگلے ہی دن ایمرجینسی ہٹانے کا اعلان کر دیا اور اخباروں پر سائنسر کی ہوئی پابندیاں بھی ختم کر دیں۔

اُسی روز اُس مشہور لیڈر نے جسے جیل کی کال کوٹھری کے اندر رہتے ہوئے بھی اُس کے ووٹروں نے چناؤ میں کامیاب کر دیا تھا اپنی ایک مختصر سی تقریر میں جو اُس نے ایک فرضی سازش کے کیس میں سلطانی گواہ سے جرح کرنے کے لئے عدالت میں جانے سے پہلے کی تھی کہا تھا۔

"..... میں نے ہمیشہ ہی اس بات میں اپنا یقین جگایا ہے کہ عدالت کے فیصلے کے بعد میڈم کا حکومت سے چمٹا رہنا غیر قانونی تھا۔ حکمران پارٹی کی شکست ڈکٹیٹرشپ کی شکست تھی۔ انتخابات کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ تاناشاہی کا دور ختم ہو چکا تھا....."

اس کی تقریر سُننے والوں میں وہ وکلاء بھی تھے جنھوں نے مقدمہ لڑنے میں اس کی مدد کی تھی۔ اور خاص طور پر ہریانہ کے وہ نوجوان میاں بیوی بھی موجود تھے جنھوں نے صرف اُس لیڈر کے لئے اپنی چنڈی گڑھ کی پریکٹس چھوڑ دی تھی۔ اور دہلی چلے گئے تھے کہ وہ اُس کا کیس لڑیں گے۔ کیوں کہ اُنھیں اُس لیڈر کی رہنمائی میں اٹوٹ وشواس تھا۔

یہ واقعہ شاید ۲۱ مارچ کا تھا۔ اُسی روز یہ اعلان بھی کیا گیا کہ میعاد کے تحت گرفتار کئے گئے جتنے بھی لوگ

ابھی جیلوں میں تھے اُنہیں رہا کر دیا جائے گا۔ دہلی جیل سے جو نظر بند ابھی تک رہا نہیں کئے گئے تھے ان میں انجم بھی تھا۔
شام کو ہی مسز ی واستو، جگی سیٹل، سکھ پال سنگھ، شانتا یوانہ، ایلین اور شبنم ہمارے گھر آ گئے تھے۔
گھر میں خاصا ہنگامہ تھا۔ اماں بھی بہت خوش تھیں۔ سب سے آخر میں میرے ابا آئے اور اُن کے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد انور بھی آ گیا۔

"اُستاد تم ہمیشہ دیر سے آتے ہو" مسز ی واستو نے کہا۔
"لیکن آپ کی ڈاک پہونچانے میں بھی کبھی دیر نہیں کی۔ بھائی جان"۔ انور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
یہ طے ہوا کہ میرے ابا، انور، میں اور نرگس ایک ہی ٹیکسی میں وہاں پہونچیں اور اُس ٹیکسی کو چھوڑیں نہیں۔ باقی سب لوگ دو اور ٹیکسیاں لے کر دہلی جیل کے باہر پہونچ جائیں گے اور پھر واپس سب لوگ ایک ساتھ واپس آئیں گے۔ طے شدہ پروگرام میں بعد میں ہم نے یہ تبدیلی کی کہ انور بجائے ہمارے ساتھ چلنے کے اماں کے پاس رہے گا۔

ابا ترکمان گیٹ کے علاقے کی ہی ایک ٹیکسی کا انتظام کر آئے تھے۔ لیکن عین اُس وقت جب ہم جیل کی طرف روانہ ہونے والے تھے اماں کو دل کا بہت ہی شدید دورہ پڑا۔ ہماری تو ہوائیاں اُڑ گئیں۔ وہ ٹیکسی جسے ہم جیل کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ اروِن اسپتال لے جانی پڑی۔ اماں کو فوراً ایمرجنسی وارڈ میں ایڈمٹ کرا دیا گیا۔ اُن کی حالت ذرا سی دیر میں قابو سے باہر ہو گئی تھی۔ اُن پر بے ہوشی چھا گئی تھی اور اُنہیں آکسیجن دینا شروع کر دی گئی تھی۔ ہم میں سے اب کوئی بھی جیل تک جانے کو راضی نہ تھا۔ لیکن یہ بھی خیال تھا کہ اگر انجم نے رہا ہونے کے بعد کسی کو بھی جیل کے گیٹ کے باہر کھڑا نہ پایا تو اُس پر کیا بیتے گی۔ انور نے شاید میری ذہنی کیفیت جان لی تھی۔

"آپ اور نرگس ابا جان کے ساتھ چلے جائیں۔ میں یہاں اماں کے پاس ہوں" ویسے بھی تو ان کے پاس ایک ہی آدمی کو بیٹھنے کی اجازت ہے"!
"اماں کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے جایا جا سکتا ہے"۔ میں نے کہا۔
"اگر انجم بھیا کو لینے کے لئے آپ میں سے کوئی بھی جیل کے باہر نہ ہوا تو اُنہیں بہت بُرا لگے گا"۔
"میں اور انور اسپتال میں رہتے ہیں آپ اور سائرہ جائیں"! نرگس نے میرے ابا سے کہا۔
وہ خاموش رہے۔ اُن کا جواب دینا مناسب بھی نہیں تھا۔

Scanned by CamScanner

"نہیں تمہارا جانا بھی ضروری ہے۔ وہاں زیادہ دیر تھوڑی لگے گی۔ دیر نہ کرو۔ اگر انجم آپ لوگوں کے پہونچنے سے پہلے ہی رہا ہو گیا تو آپ کا جانا بھی بے کار ہو جائے گا اور پھر سری واستو، ایلن، سکھ پال، جگی، شاستا اور شبنم وہاں پہونچ کر فکرمند ہو رہے ہوں گے" انور نے بھی نرگس کی بات کا جواب دیا تھا۔ بحث میں وقت ضائع کرنا بے کار تھا۔ ہم انور کو اسپتال میں چھوڑ کر باہر آ گئے۔ وہ بھی ٹیکسی تک ہمارے ساتھ آیا۔

"انجم کو اسپتال مت لے آنا۔ اُسے سیدھا گھر لے جانا۔ میں بیچ بیچ میں گھر جا کر معلوم کرتا رہوں گا۔ اگر وہ اسپتال میں آ گیا تو اُسے امّاں کی حالت دیکھ کر بہت صدمہ ہو گا۔" ہم ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہوئی تو ہم تینوں خاموش بیٹھے رہے جیسے ہمارے پاس بات کرنے کو کوئی موضوع ہی نہیں رہا تھا۔

سری واستو اور انجم کے دوسرے دوست جیل کے گیٹ کے باہر بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ گیٹ کے باہر بے حد بھیڑ تھی۔ سبھی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو لینے کے لئے موجود تھے۔ ہمارے وہاں پہونچنے سے پہلے صرف کچھ ہی نظربندوں کو رہا کیا گیا تھا۔ نظربندوں کو رہا کرنے کا کام اُسی آہستگی سے چل رہا تھا جس آہستگی سے دفتروں میں فائلیں چلتی ہیں۔ بتایا گیا تھا کہ نظربندوں کو رہا کرنے کا کام آدھی رات تک مکمل ہو گا۔ ہم لوگ پہونچے تو سری واستو نے فکرمندی سے پوچھا۔

"اتنی دیر کیسے ہو گئی آپ کو یہاں پہونچنے میں؟"

"امّاں کو دل کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اُنہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرانا پڑا!"

"اب کون ہے اُن کے پاس؟"

"انور"

اور پھر سری واستو خاموش ہو گیا۔

مجھے اور نرگس کو چار گھنٹوں سے زیادہ ہو گیا تھا جیل کے باہر کھڑے۔ ہماری طرح اور بھی کئی لوگ کھڑے تھے۔ جیل کے افسران اپنی مرضی سے اُن نظربندوں کو ریلیز کر رہے تھے جنھیں چھوڑنے کی ہدایتیں اُنھیں بھیج دی گئی تھیں۔ سری واستو بے چارہ ناحق پریشان ہو رہا تھا وہ اِدھر اُدھر سے پوچھتا پھرتا تھا کہ انجم کب ریلیز کیا جانے والا تھا۔ لیکن اس افراتفری میں کون کس کو پہچانتا تھا اور کون کس کی پرواہ کرتا تھا۔ سری واستو اور اُس کے دوسرے ساتھیوں نے جو اس وقت وہاں موجود تھے پچھلے ڈیڑھ سال میں دوستی کا پورا حق ادا کیا تھا۔ اور انڈر گراؤنڈ رہ کر بھی ہمیں سب خبریں دیتے رہے تھے۔ جگی سیال، سکھ پال اور شاستا نائیڈو

نے تو پورا ساتھ نبھایا تھا۔ اور انور بھی اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھا اُس بے چارے نے تو بھارت پہنچ اپنے آپ کو ہلکان کر ڈالا تھا۔ اور میرے ابّا تو ہر حال میں ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ جب کبھی انجم سے جیل میں ملاقات ہوتی۔ وہی تو ہوتے تھے ہمارے ساتھ۔ کچھ ہی ہفتے پہلے جب میں اور نرگس، انجم سے جھانسی جیل میں ملنے گئی تھیں تو وہ بھوک ہڑتال پر تھا۔ اور جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے ملاقات کرانے سے انکار کر دیا تھا۔ جو شرط اُس نے رکھی تھی اُسے میں نے ٹھکرا دیا تھا۔ مجھے تو خیر اس کا رنج ہونا ہی تھا لیکن زیادہ تو ابّا کو ہوا تھا۔

”انگریز کے زمانے میں بھی شاید ایسا بُرا برتاؤ نہیں کیا گیا تھا سیاسی قیدیوں کے ساتھ“ انھوں نے جیل کے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔

”بیگانوں کی نسبت اپنوں کے ظلم زیادہ شدید ہوتے ہیں ابّا جان“ میں نے کہا تھا۔

”اک ذرا صبر کر فریاد کے دن تھوڑے ہیں“ انھوں نے فیض کا مصرع پڑھ کر میری بات کا جواب دیا تھا۔

اُس شام تھک ہار کر اور ٹرین اور اسکوٹروں میں دھکے کھا کر جب ہم لوگ دہلی واپس آئے تھے اور ترکمان گیٹ کے اندر داخل ہوئے تھے تو آس پاس کا علاقہ قبرستان کی طرح خاموش اور سنسان تھا۔ وہ دھرتی کا سپاٹ ٹکڑا ایک فقیر کے خالی کاسے کی طرح پڑا تھا۔ وہاں کچھ ہی عرصہ پہلے چھوٹے چھوٹے مکان تھے۔ اور اُن مکانوں کے اندر تنگ آنگن تھے اور اُن آنگنوں میں بچے قہقہے لگا کر چہکتے تھے۔ تنگ برآمدوں میں مصلے بچھا کر شریف لوگ نماز پڑھتے تھے۔ اور شریف زادیاں صبح سویرے قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں اور پھر غربت کو پرانے برقعوں میں چھپا کر گھروں سے باہر نکلتی تھیں اور گھر کے لئے سودا سلف لاتی تھیں بچے ہاتھ منہ دھو کر اپنے چھوٹے چھوٹے بستے لئے اسکول جاتے تھے اور مرد اپنے کام پر چلے جاتے تھے اور گھروں میں بزرگ عورتیں چولھوں میں آگ جلا کر اپنے بیٹوں، پوتوں اور بہوؤں کے لئے کھانا پکاتی تھیں۔ ان چھوٹے چھوٹے آنگنوں میں ایک تہذیب سکون سے جی رہی تھی اور ایک کلچر پل رہا تھا اور روایات کے چھوٹے چھوٹے پھول کھل کر ان آنگنوں کو معطر کر رہے تھے۔ اور اب یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ آنگن اُجڑ گئے تھے۔ وہ دیواریں ڈھا دی گئی تھیں۔ اُن کواڑوں کو اُکھاڑ کر ملبے کے ڈھیروں پر پھینک دیا گیا تھا اور اُن کے ساتھ ہی بچوں کی معصوم مسکراہٹیں اور شریف زادیوں کے قہقہے مر گئے تھے اور ایک تہذیب قتل ہو گئی تھی اور روایات کے پھول مرجھا گئے تھے اور وہ مصلے اُجڑ گئے تھے جن پر نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ ان سب کی جگہ دھرتی کا ایک سپاٹ ٹکڑا تھا۔ جیسے کسی بچے کی دوڑ پڑی سلیٹ جس پر سے جو کچھ اُس نے اپنی کمزور انگلیوں کے ساتھ لکھا تھا۔

اُس کا ایک ایک لفظ مٹا دیا گیا تھا اور سلیٹ اُس کے ہاتھوں سے چھین کر اُس سے دور پھینک دی گئی تھی شاہجہاں آباد کا ترکمان گیٹ ایک ایسے ہی مجبور، کمزور اور مظلوم بچے کی طرح اپنے سامنے پھیلے سپاٹ دھرتی کے ٹکڑے کو دیکھے جا رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"اِس کا علاج آنسو نہیں ہیں، میری عزیز آپا" انور نے کہا تھا۔

"تو پھر کیا ہے اس کا علاج؟" نرگس نے تلخی سے پوچھا تھا۔

"یہ تو اس مسیحا کو معلوم ہے جو ہفتہ میں دو بار سُولی پر چڑھتا ہے کہ اُس کی رگوں میں تازہ خون حرکت کر سکے۔" انور نے جواب دیا تھا۔ جسے گورودیو سے بے حد عقیدت تھی اور جس کا یہ ایمان تھا کہ ایک مکمل اور مجموعی انقلاب ضرور آئے گا اور اُس نے ہندستان کی تعمیر اُسی کے لرزتے ہوئے کمزور ہاتھوں سے ہو گی۔ جس کے خواب وہ اُس زمانے سے دیکھ رہا تھا جب اُس کے جسم پر برف کی سلیں رکھ کر اُسے بے جان کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی تھیں۔

انتظار بہت طویل ہو گیا تھا۔ رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ میں بڑی طرح تھک گئی تھی ایک طرف سڑک کے کنارے بیٹھ گئی کیونکہ کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد نرگس بھی میرے قریب بیٹھ گئی۔

سری واستو پھر چلا گیا تھا یہ دریافت کرنے کے لئے کہ انجم کو کب ریلیز کیا جا رہا تھا۔ اُس لمحہ کچھ قیدی جیل سے باہر نکلے۔ بجلی کی تیز روشنی میں اُنہیں دیکھتے ہی، انتظار میں کھڑا ہجوم اُن کی طرف لپک پڑا تھوڑی دیر کے بعد ہی ہجوم چھٹ گیا۔ جو نظر بند ریلیز ہوئے تھے ان کے لواحقین اُن کا استقبال کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا ایک چھوٹی سی خوبصورت لڑکی اپنے ڈیڈی کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد مجاہدوں کا ایک اور ٹولہ جیل کے گیٹ سے باہر آیا۔ کچھ اور لوگ اُدھر لپکے۔

"چلو ہم بھی چلیں"۔ نرگس نے مجھے کہا۔

"رُک جاؤ۔ سری واستو کو آنے دو!"

ہم دونوں سڑک کے کنارے بیٹھی رہیں، ہجوم پھر چھٹ گیا۔

انجم اس ٹولے میں بھی نہیں تھا۔

رات کا اندھیرا اور بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ جانے اماں کا کیا حال ہو گا؟

کچھ دیر اور گذرنے پر سری واستو ہانپتا ہوا آیا۔

"اُٹھو، اس گروپ میں انجم بھی آرہا ہے۔ شاید یہ آخری گروپ ہے۔"

مجھے لگا جیسے میں سڑکوں کے اس مقام سے اُٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ جیسے میرے پاؤں وہیں جم کر رہ گئے تھے سری واستو نے مجھے سہارا دے کر اُٹھایا۔

"دیدی آپ تو بہت جذباتی ہو رہی ہیں!"

آج سری واستو نے مجھے پہلی بار دیدی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ لیکن میں کوئی جواب نہ دے سکی۔ اپنی چھلکتی آنکھوں کو پونچھا اور جیل کے گیٹ کی طرف چل پڑی۔ نرگس نے مجھے سہارا دے رکھا تھا۔ اور پھر پہلے کی طرح ہجوم کا ایک اور ریلا آیا اور میں لڑکھڑا گئی۔ سری واستو نے مجھے مضبوطی سے تھام لیا۔ میں اور نرگس آہنی گیٹ کی ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ سری واستو گیٹ کے سامنے چلا گیا۔ پھر میں نے بجلی کی روشنی میں وہیں سے دیکھا ایک مر، درسا شخص جس کی داڑھی اور سر کے بال بڑھے ہوئے تھے بڑی ہی دھیمی چال سے گیٹ کے باہر آرہا تھا اور اپنے سامنے جمع بھیڑ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکے جا رہا تھا۔

"وہ انجم ہے نا؟" میں نے نرگس سے پوچھا۔

"ہاں ساحرہ۔"

"یہ کیا ہو گیا ہے اُسے؟"

میں سسک پڑی۔ یہی کچھ تو ہوتا رہا تھا جیلوں میں۔ ہزاروں کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہو گا۔

میں نے دیکھا سری واستو نے آگے بڑھ کر انجم کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا لیکن انجم کے بازوؤں میں کوئی حرکت نہ تھی۔ وہ ایک دم ایک ستون کی طرح بے جان کھڑا تھا۔ سری واستو اُس کے کانوں میں کچھ کہہ رہا تھا لیکن انجم خاموش تھا اور اتنے ڈھیر سارے لوگوں کو ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا جو باہر ٹرک پہ پھیلے تھے۔ پھر سکھو پال سنگھ، جگی، سیال، ایلن، شانتا یو، انا اور شبنم سبھی اُس کی طرف بڑھے اور ہاتھوں میں اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ اور پھر میں نے دیکھا انجم میرے سامنے کھڑا تھا۔ ایک دم دیوانہ سا۔

میں لپک کر اُس کے سینے سے لگ گئی۔ نرگس نے بھی اُسے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ لگتا تھا جیسے ترکمان گیٹ کے باہر والی بستی کی طرح اُس کے ذہن میں بھی لمحات کی چھوٹی چھوٹی بستیوں پر بُل ڈوزر گھما دیئے گئے تھے وہ اپنے ماضی کی کسی بھی چیز پر سے کو نہ پہچان رہا تھا۔ شاید مجھے بھی نہیں۔

"انجم، میں ساحرہ ہوں، ترکمان گیٹ کی شہزادی!"

اُس نے بڑی عمیق نظروں سے میری طرف دیکھا۔ لب کچھ بڑبڑایا، پھر اُس نے نرگس کی طرف غور سے دیکھا اور پھر اُس نے مجھے اور نرگس کو اپنی کمزور باہوں میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کی داڑھی کے گھنے بالوں پر بہتے جا رہے تھے۔ لیکن وہ خاموش تھا۔ مجھے لگا جیسے یہ آنسو نہیں تھے بلکہ خون کے وہ قطرے تھے جو اُس صلیب پر لٹکنے سے بہے تھے جس کی تشکیل جانے کب سے اُس کے دماغ میں ہو رہی تھی اور جس کے بارے میں اُس نے سہاگ رات کو مجھ سے کہا تھا۔

"ساحرہ" میرے دماغ کی چوکھٹ کے اندر ایک بہت بڑی صلیب نصب کی جا رہی ہے اور اُس پر اِس دور کے کسی مسیحا کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔ کون ہوگا وہ مسیحا۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میں بھی ہو سکتا ہوں۔ وہ تم بھی ہو سکتی ہو۔"

مجھے لگا جیسے صرف انجم ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ میں بھی اور نرگس بھی اور آمنہ بھی اور دوسرے وہ سب بھی اور اُس کے سبھی دوست جو اس وقت اُسے لینے آئے ہوئے تھے اور ترکمان گیٹ کی عظیم روایات بھی سولی پر چڑھے تھے اور اُس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے لہو کے قطروں میں ہم سب کا خون شامل تھا جو قتل تو کیے گئے تھے لیکن مرے نہیں تھے۔ اس لئے کہ خون کبھی نہیں مرتا۔ وہ تاحرفِ ظلم اور انسانی تشدد ہے۔ خون تو ہمیشہ امر ہے کیوں کہ وہ شہادت کا پیامبر ہے اور اُس کی عظمت کا گواہ ہے اور اُس کے حسین مستقبل کا عکاس ہے۔

مجھے اور نرگس کو اپنی لرزتی ہوئی کمزور باہوں کے گھیرے میں لئے ہوئے انجم دھیرے دھیرے کچھ کہہ رہا تھا۔

جب تم گھر لوٹو،
تو اُنھیں ہمارے بارے میں بتانا،
اور کہنا
کہ تمہارے آنے والے کل کے لئے،
ہم نے اپنا آج قربان کر دیا۔

Scanned by CamScanner

KHOON PHIR KHOON HAI

BY

KASHMIRI LAL ZAKIR

KHEYABAN PUBLICATIONS
105, Nishanpada Road, 2nd Floor, Bombay 400 009
Post Box No. 5239

Scanned by CamScanner